جدید کرامت نامہ

ایک مردِ قلندر کی داستانِ حیات

پروفیسر ڈاکٹر پیر سید نصیر الدولہ

غازیہ پبلشرز ○ گجرات

غازیہ پبلشرز نے

پریمیئر پرنٹرز لاہور سے چھپوایا

کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی : محمد اسلم مرزا، بالمقابل ریکس سینما، گجرات

فن کاری : فارمٹ ڈیزائنرز اینڈ پرنٹرز، رحمٰن پلازہ، لاہور

فوٹو گرافی : منظور حسین، شاہدولہ روڈ، گجرات

ISBN 969-8268-02-2

ماں

کے اُن آنسوؤں کے

نام

جو اس کے میلے دوپٹے میں جذب ہو گئے

ترتیب

صفحہ

حرف پیا دے

کرامت نامہ جدید کے مطالعہ کی سعادت نصیب ہوئی جنہیں خبر ہے اُنہیں خبر ہے مگر جنہیں خبر نہیں اُنہیں تجسس پیدا ہونا قدرتی بات ہے۔ کہ کیا کوئی کرامت نامہ قدیم بھی ہے!

جواب اثبات میں ہے۔

حضرت سید کبیرالدین شاہ دولہ دریائی رحمتہ اللہ کے ایک طالبِ خاص کا نام مشتاق رام تھا۔ ان کا اسلامی نام شیخ امان اللہ رکھا گیا۔ شیخ امان اللہ نے کرامت نامہ شاہ دولہ دریائی "فارسی" مرتب فرمایا جس کی ایک تجدیدی، دیدہ زیب نقل جناب عارف علی میر گجرات کے کتاب خانہ المیر سٹریٹ گجرات میں موجود ہے۔

کرامت نامہ حضرت شاہ دولہ دریائی رحمتہ اللہ کا ترجمہ اُردو جناب پیر سید نجف شاہ نے مرتب فرمایا کوائف ملاحظہ فرمائیں:

نام	کرامت نامہ شاہ دولہ دریائیؒ اُردو ترجمہ
صفحات	۱۵۲
سطر فی صفحہ	۱۷
لفظ فی سطر	۱۴ کم وبیش
کل الفاظ	۴۰۰۰۰، اندازاً
کاغذ	حنائی
خط	نستعلیق۔ قلم جلی
کاتب	پیر سید فرزند علی شاہ
سن کتابت	۱۹۲۲ء
نام مترجم	پیر سید نجف شاہ
سن ترجمہ	۱۳۰۸ھ
تعداد کرامات	۱۰۰

حضرت پیر سید رشید الدولہ اعلی اللہ مقامہ کے ذکر کے سلسلہ میں ایک تذکرہ زیرِ دستخطی کا مرتب کردہ موجود ہے مگر اپنا تعلق جناب حکیم عبدالرحیم جمیل مرحوم کے حلقۂ ادب سے رہا ہے۔ کم کم وقت تھا کہ حضرت پیر سید رشید الدولہ اعلی اللہ مقامہ کے درِ دولت پر حاضری دینے لگے ۔۔۔ کرامت نامہ جدید کے مؤلف و مرتب سے حضرت پیر سید رشید الدولہ اعلی اللہ مقامہ کے رشتہ کے بیان کی چنداں ضرورت نہیں۔ جناب ڈاکٹر نصیر الدولہ نے حضرت پیر سید رشید الدولہ اعلی اللہ مقامہ کے دامنِ سعادت میں پرورش پائی۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ اعلی اللہ مقامہ سے متعلق ایسی باتیں صرف انہیں یاد ہیں جنہیں کرامتیں کہا جا سکتا ہے جن کے احاطہ کی جناب ڈاکٹر نصیر الدولہ نے سعی مشکور فرمائی ہے جو کرامت نامہ جدید کی صورت میں پیشِ نظر ہیں ۔۔۔ طلوع کے عنوان سے حضرت پیر سید رشید الدولہ اعلی اللہ مقامہ کے حالاتِ زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ طلوع کے بعد کرامت نامہ جدید کا مطالعہ فرمائیں اور مؤلف و مرتب جناب ڈاکٹر نصیر الدولہ کو صبح کی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

حامد حسن سیّد
پروفیسر
زبان و ادب انگریزی
گجرات

کشتگانِ خنجرِ تسلیم ہیں لوح و قلم
بے اجازت کس کی ہمت ہے اٹھائے اک قدم

امابعد!

یہ کتاب اس لئے لکھی ہے کہ راقم نے بچپن سے دیکھا کہ مردِ قلندر حضرت حکیم پیر سید رشید الدولہ نے اپنی تمام زندگی

غفور ورحیم، جمیل وجمیم، نسیم وشمیم اور عزیز وحکیم کی تسبیح خوانی کی ۔۔۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین، بانی دینِ مبین اور زینتِ عرشِ برین کی چوکھٹ کی گدائی کی ۔۔۔

امام ہر زماں، مکین لامکاں، داماد شاہِ ہر جہاں اور خسرو شیریں بیان علیؓ واللہ کی غلامی کی ۔۔۔ راکبِ نوکِ سناں، افتخارِ عارفاں، شہبازِ لامکاں اور چارہ سازِ بیکساں حسین ابن علیؓ راحتِ دوش نبی کی نوحہ خوانی کی ۔۔۔

روز و شب خدمتِ خلق میں بسر کیئے، دوسروں کے دُکھ لے کر اُن کو اپنے سُکھ عطا کیئے۔

میرے خیال میں یہی وہ لوگ ہیں جن کا ذکر قرآن مجید، فرقان حمید اور احادیث شریف کے بعد سب سے افضل ہے۔ تاکہ اگر ہم ان جیسے نہیں بن سکتے تو کم از کم ان جیسی کچھ نہ کچھ مشابہت پیدا ہو سکے۔

حضرت بوعلی سیناؒ نے ایک جگہ کیا خوب فرمایا ہے "بس میری دو خواہشیں ہیں"

(الف) پہلی کہ اس ذات بابرکات کا کلام سنوں۔

(ب) دوسری کہ اُس کے کِسی "مرد" سے ملوں۔

اسی طرح حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں بزرگوں اور عارفوں کا کلام شکستہ دل انسان کو تقویت دیتا ہے۔

شیخ ابو علی رفاقؒ سے کِسی نے دریافت کیا۔ "کیا بزرگوں اور صالحین کی باتیں سننے سے کچھ فائدہ ہے یا نہیں کیونکہ ہم ان کی باتیں سُن کر ان پر عمل پیرا نہیں ہوتے"۔ انہوں نے فرمایا "ہاں دو فائدے ہیں۔ پہلا فائدہ یہ کہ سننے والا طالب ہے تو قوی ہمت ہو جاتا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ اگر متکبر ہے تو غرور اس کے دماغ سے نکل جاتا ہے"۔

طلوع

حضرت پیر سید رشید الدولہ ساداتِ گیلانیہ سے جعفری اثنا عشری، حضرت پیر سید گلاب شاہ کے چھوٹے فرزند ارجمند تھے۔

خدائے تعالیٰ نے حضرت پیر سید گلاب شاہ کو گوناگوں ظاہری و باطنی، خوبیوں سے نوازا تھا مگر لحن داؤدی اس کی خاص عطا تھی۔۔۔ ان کی قرآن خوانی کے اثر و تاثیر کے حوالے سے حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے کہہ سکتے ہیں ع

سورہ والنجم و آں دشت خموش

ہزماسٹرز وائس کے چند در چند ریکارڈ گراموفون کے، موجود ہیں۔۔۔ مہاراجہ جموں کشمیر کے دربار سے مقابلہ قرات میں حضرت پیر سید گلاب شاہ کو خلعتِ فاخرہ کے علاوہ نقد انعام دیا گیا تھا۔

پھر۔۔۔ حضرت پیر سید گلاب شاہ کے گھرانہ کو کسی کی ایسی نظر لگی کہ ابھی عمر چار برس تھی اور حضرت پیر سید رشید الدولہ نے اماں کی انگلی لگ کر سیدھا چلنا سیکھا تھا کہ آپ کے والدِ ماجد خالقِ حقیقی سے جاملے۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ کے بڑے بھائی آغا عزیز الدولہ تھے جنہیں یوسفِ ثانی کہیں تو بجا ہے دنیا، زمانہ کی پاس داریوں، پابندیوں کے باوصف مہندی، ہار، گجرے ان کے لئے آتے رہتے تھے۔ مگر طاعون کے ہاتھوں یہ چراغ بھی بجھ گیا اور در و دیوار پر اداسی بال کھولے سونے لگی۔ باپ کا سایہ سر سے اٹھا برادر عزیز ساتھ چھوڑ گیا منجھلے بھائی حافظ سید امین الدولہ خاندانی جاگیر کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے۔ بچپن ہی میں یوں حضرت پیر سید رشید الدولہ کا دل و دماغ اپنی جوان بیوہ ماں اور معصوم بہن کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے احساس کی جاگیر ہو گئے۔۔۔ مہاتما بدھ نے گیا کے مقام پر درخت کے نیچے نروان حاصل کیا۔ وہ جگہ بھی بدھ مت کے لئے کعبہ بن گئی حضرت پیر سید رشید الدولہ کو نروان اپنی ماں کے سایہ میں نصیب ہوا، زندگی میں آزمائشیں دکھ، درد مصائب حضرت پیر سید رشید الدولہ کے حوصلہ پست نہیں کر پائے بلکہ نبرد آزمائی کا نیا عزم و ولولہ دیتے رہے یہ سب ماں کی دعاؤں کا ثمر تھا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ کو زندگی کے ہر موڑ پر کامیابی ملی، ان پر اسرار کھلے، ماں کے حکم کو حکمِ خداوندی جان کر ان پر انوارِ ولایت کا نزول ہوا، حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا "میری

زندگی میں جتنے گلاب کھلے یا جتنے چراغ روشن ہوئے، میری ماں کے قدموں کے طفیل ہوئے"

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے والدہ ماجدہ کو کہتے سنا کہ حضرت پیر سید گلاب شاہ کی خواہش تھی کہ وہ ایک طبیبِ حاذق بنیں، حضرت پیر سید رشید الدولہ کی اب یہی منزل مقصد بن گئی، منشی فاضل، منشی عالم کے امتحانات کے بعد دسویں کا امتحان پاس کیا اور اب تمام توانائیاں حصولِ علمِ طب کے لئے وقف کر دیں۔ بہ طفیل محمد و آل محمد صلواۃ اللہ اور ماں بہن کی دعاؤں کے صدقہ بڑے طبیب بنے اور ساری عمر دکھی انسانیت کی خدمت کرتے رہے۔

حاصلِ عمر نثار رہے یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

حکمت کی کتابیں عربی فارسی میں ہوتی تھیں حضرت پیر سید رشید الدولہ نے ذاتی طور پر کوشش فرمائی کہ انہیں عربی فارسی کے کسی عالم فاضل کی رہنمائی حاصل ہو جائے ۔۔۔ حضرت سید محمد عمر شاہ نہر کے محکمہ سے بطور تحصیل دار فارغ ہوئے، عربی فارسی پر کامل عبور رکھتے تھے حضرت پیر سید رشید الدولہ مروجہ درسی کتاب قانونچہ عربی لے کر حاضر خدمت ہوئے۔

۔۔۔ پوچھا ۔۔۔ کون ہو ۔۔۔ کہاں سے آئے ہو؟ ۔

فرمایا ۔۔۔ پیرزادہ ہوں اولادِ حضرت شاہ دولہ دریائی ۔۔۔

کہا ۔۔۔ "جاؤ بیٹا کام کرو۔ تمہیں حکمت سے مطلب؟ چڑھاوے کی آمدنیاں معقول ہوتی ہیں"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ واپس چلے آئے مگر حصولِ علمِ طب میں سچی لگن پھر حضرت سید محمد عمر شاہ کے درِ دولت پر لے آئی فرمایا "شاید آپ مجھے پڑھانے سے گریز اس لئے کرتے ہیں کہ میں یتیم ہوں اور ۔۔۔ کوئی میرا بڑا سفارشی نہیں !!! "بہر حال جناب سید محمد عمر مان گئے، پہلا سبق دیا کہا "اچھا جاؤ کل یاد کر کے آنا"۔

اگلے روز حضرت پیر سید رشید الدولہ حاضرِ خدمت ہوئے استاد مکرم، احباب کے حلقہ میں تشریف فرما تھے کہا "سبق یاد کر لیا ہے کتاب کھولو اور سناؤ ۔۔۔"، حضرت پیر سید رشید الدولہ نے کتاب استاد محترم کی طرف بڑھائی اور سبق سنانا شروع کیا حضرت سید محمد عمر شاہ حیران رہ گئے اہل محفل کو مخاطب کیا کہا "بیٹا، اب سبق سناؤ" ۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے اعتماد کے ساتھ سبق دوبارہ سنا دیا ۔۔۔

اس وقت استاد محترم کو معلوم ہوا کہ حافظ پیر سید گلاب شاہ کے فرزند ار جمند ہیں ان کے بڑے بھائی بھی حافظِ قرآن تھے اور منجھلے حضرت پیر سید امین الدولہ کو حافظ جی کے لقب سے خورد و کلاں جانتے پہچانتے تھے حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا "اللہ کے فضل و کرم اور بزرگوں کی دعاؤں کے طفیل جو تحریر ایک بار نظر سے گزر جائے یاد ہو جاتی ہے"

استاد محترم نے حضرت پیر سید رشید الدولہ کی غیر معمولی استعداد کے پیشِ نظر محنت و محبت سے پڑھایا اور شاگرد نے استاد کا نام روشن کر کے حقِ شاگردی ادا کر دیا۔

حضرت پیر سید گلاب شاہ کے ہمدم دیرینہ، اتالیق شاہِ افغانستان، جناب خان حبیب اللہ خان تھے اور گاہے بگاہے مہمان خانہ میں رونق افروز ہوتے تھے۔ امیرِ کابل کا تختہ الٹ دیا گیا اور انہوں نے ہندوستان کا رخ کیا. جناب خان حبیب اللہ خان نے اپنے دوست حضرت پیر گلاب شاہ کے گھر کو گوشۂ عافیت جانا۔ اور تشریف لے آئے۔ حضرت پیر سید گلاب شاہ جہان فانی سے کوچ کر گئے تھے مگر حضرت پیر سید رشید الدولہ نے کم سنی کے باوصف خاں حبیب اللہ خان صاحب کی خاطر مدارات میں کمی نہیں کی۔ خان صاحب کو فرصت بہت تھی۔ اور حضرت پیر سید رشید الدولہ میں حصولِ علم کی سچی لگن، جناب خان حبیب اللہ خان باقاعدگی سے درسِ قرآن میں تفسیری نکات ذہن نشین کرانے لگے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے پھر حقِ شاگردی ادا کیا موقعہ بموقعہ ایسے تفسیری نکات و قرآنی مطالب بیان فرماتے تھے کہ سننے والے حیران رہ جاتے تھے۔

حضرت علامہ عنایت اللہ المشرقی نے اپنے بڑے صاحب زادے انور سلمہ کو گجرات بھیجا تاکہ تفسیر قرآنی و دیگر علوم دینی حضرت پیر سید رشید الدولہ سے حاصل کریں۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ خاکسار تحریک کے صاحبِ نشان تھے دوسرے صاحب نشان صوبہ سرحد کے آفریدی صاحب تھے۔ صاحبِ نشان کو ۲۱ گولوں کی سلامی دی جاتی تھی اور گارڈ آف آنر پیش کیا جاتا تھا۔

عسکری محاذ کے ساتھ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے نظریاتی محاذ پر بھی قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں جب حضرت علامہ عنایت اللہ مشرقی کو بحث و مناظرہ کی اپنے مخالفوں سے ضرورت محسوس ہوئی حضرت پیر سید رشید الدولہ کو جھونک دیا گیا تو ہمیشہ سرخرو واپس آئے ۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ کا بحث و مناظرہ کے سلسلہ میں انداز یہ تھا کہ مدِ مقابل سے منوا لیتے تھے کہ قرآن اور صرف قرآن سے

دلیل لائیں گے یہ ایک طرح سے فریق مخالف کے گرد گھیرا تنگ کرنا تھا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ قرآنی مطالب پر گہری نظر رکھتے تھے جو ہر ایک مناظر کے بس کا روگ نہیں ہوتا۔ اسی لئے ہر مدِ مقابل کو حضرت پیر سید رشید الدولہ کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے سوا چارہ نہیں تھا۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ کے تعلیمی پروگرام میں تعلیم و عمل بالقرآن کے بعد زندہ دنیاوی علوم کے حصول کو لازمی حیثیت حاصل تھی تاکہ کمال دین داری کے ساتھ روزی کمائی جا سکے اور دین کو تفرقہ کا ذریعہ بنا کر روزی نہ کمائی جائے۔

شفیق باپ اور عزیز از جان بھائیوں کی موت سے حضرت پیر سید رشید الدولہ پر قیامت گزر گئی مگر عزیز و اقارب نے بھی دم بھر انہیں چین سے بیٹھنے نہ دیا جس کا بیان اہل درد کے لئے سوہانِ رُوح ہے۔۔۔ مگر دکھ درد مصیبت، پریشانیوں کی بھٹی سے گزر کر حضرت پیر سید رشید الدولہ کُندن بن کر نکلے۔۔۔ اس مظلوم بچے نے اپنے کسی قول و فعل سے کسی بزرگ کو شرمندہ نہ ہونے دیا ساری زندگی خودداری، صبر، استقلال غیرت، وضع داری میں بتادی طبابت میں یدِ طولیٰ حاصل کیا مگر کمالِ فن کو مال و دولت جمع کرنے کا ذریعہ نہیں بنایا۔۔۔

ساری زندگی دکھی انسانیت کی خدمت کی۔ یتیموں، بیواؤں، حاجت مندوں کی خدمت کے لئے کمر بستہ رہے۔ مطب میں بیوہ، یتیم کی بیماری کا حال سن کر رو پڑتے تھے اکثر فرماتے تھے "یہ تمہارا دکھ نہیں سب میرا دکھ ہے، میری بیماری ہے۔۔۔" کیا تحت الشعور سے یتیمی کے گزرے بسرے لمحات لوٹ آتے تھے۔ کسی بیوا یا یتیم کے چلے جانے کے بعد بھی اداس اداس رہتے تھے۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ یتیموں، بیواؤں کی بیماریوں کے علاج تک کوششوں کو محدود نہیں رکھتے تھے بلکہ ہر یتیم ہر بیوہ کو گھر کا فرد سمجھ کر اس کی خبر گیری واجب جانتے تھے۔۔۔ اکثر فرمایا

"محبت انسان سے ہوتی ہے اور ہونی چاہیے، محبت پیغمبرِ اسلامؐ سے کرو یہی اسلام کی محبت ہے یہی خدا کی محبت ہے، اُسوہ حسنہ کو اپناؤ۔ انسانوں کی محبت خدا تک لے جائے گی۔ یہی مدینہ کی سرکار میں تمہاری حاضری کا سبب ہو گا"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ حد درجہ رقیق القلب تھے دُکھ درد کی داستان پر آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی۔ اور پھر تن من دھن سے متوجہ ہو جاتے تھے کہ تکلیف دکھ درد کا مداوا کریں، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ چھت پر جا کر بگل بجاتے تھے دیکھتے ہی دیکھتے دس بیس خاکسار چلے آتے تھے ان سے

غریب بے چاروں کا مسئلہ بیان کرتے تھے اور باہمی صلاح مشورہ کے بعد انہیں ساتھ لے کر بیچاروں کے گھر پہنچ جاتے تھے۔

حضرت سلطان العارفین حق باہوؒ نے فرمایا ؏

دل دریا سمندروں ڈوہنگے کون دلاں دیاں جانے ھو

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے پھر یتیموں بیواؤں سے گزر کر اس راز کو پا لیا کہ کالے گورے، دبلے پتلے، موٹے تازے، جوان بوڑھے سبھی اللہ تعالیٰ کے بندوں کے آنسوؤں کا رنگ ایک ہی ہوتا ہے اور جو اِن آنسوؤں کو پونچھے وہی بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہے۔ اور اس سعیِ مشکور میں اس کی اپنی آنکھوں سے بھی آنسو چھلک پڑیں تو "اسے" فضل کرتے دیر نہیں لگتی۔

دادی اماں نے کہا "بیٹے رات کے آخری پہر خدائے تعالیٰ کا عرش پہلا فلک ہوتا ہے اور اس وقت منادی والے کی آواز ابھرتی ہے "کوئی ہے جو اس دم "اس" سے مانگے اور اسے مل جائے!"

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے جوانی کے زمانہ ہی سے شب بیداری اپنائی تھی اور رات کے آخری پہر اپنے عزیز و اقارب، دوست احباب، مصیبتوں کے مارے بے یار و مددگار خدا کے بندوں کے لئے رو رو کر دعائیں کرتے تھے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ روٹی، کپڑا اور مکان کے دنیاوی جھمیلوں سے آزاد رہے مگر ہر دم بے قراری کے ساتھ ان کی آنکھیں کسی کو ڈھونڈتی رہتی تھیں پتے کے کھڑکنے پر چونک جاتے تھے خیال کرتے شاید کسی نے دستک دی ہے۔ پھر دروازہ پر کسی کو نہ پا کر بڑی دیر چارپائی پر سر جھکائے بیٹھے رہتے تھے یا صحن میں لمبے لمبے قدم اٹھاتے پھرتے رہتے تھے ۔۔۔ اِدھر آوازِ آذان کان میں آتی اُدھر بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہو جاتے اور رو رو کر دعائیں کرتے تھے۔

صحن، دیوان خانہ مطب میں جھاڑو بہارڈ سے فارغ ہو کر حضرت پیر سید رشید الدولہ مریضوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو جاتے تھے ۔۔۔ بے تکلف دوست احباب ہنستے بھی تھے، حضرت جی ایسی بھی کیا بچت؟ جھاڑو لگانے والا رکھ لیں ۔۔۔ ہمیشہ مسکرا کر جواب دیتے "میرے مولا، اور مومنان مولا نے فرمایا، جو کام تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے ہو وہ دوسروں کے لئے کیوں پسند کرتے ہو۔ اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنا کام خود کرتے تھے۔ میری کیا ہستی، کیا حیثیت ہے ۔۔۔" یہی عجز و انکساری ساری زندگی ان کا انداز رہا جس کے ساتھ چھلکتے ہوئے آنسوؤں کو حضرت پیر سید رشید

الدولہ اپنے لئے اور سب کے لئے دعاؤں کی قبولیت کا ذریعہ سمجھتے تھے بسا اوقات فرماتے تھے کہ بارگاہِ شہنشاہ میں کسی چیز کو پذیرائی مل سکتی ہے تو وہ ٹوٹا ہوا دل اور آنسوؤں کے موتیوں کی لڑی ہے۔ فرماتے تھے

"(۱) حیوان، چرند پرند، نباتات، جمادات پہاڑ، دریا اپنے خالق کے حضور حمد و ثنا کے پھول پیش کرتے ہیں اپنے رب کے سامنے اس ذُوالجلال کے حضور ہر چیز جو خلق ہوئی ہے روتی ہے۔

(۲)۔ قرآن پاک میں آیا ہے۔

'یہ دریا پہاڑوں کے آنسو ہیں'"

خاطر غزنوی نے کیا خوب کہا ہے۔

کوہساروں کے دل پگھلے تو ہوئے دریا جاری
لوگ یہ کہتے ہیں کہ پتھر نہیں روتے

اس طرح ایک پنجابی ماہیا بھی ملاحظہ ہے

"دو پتر اناراں دے
ساڈا دکھ سن سن کے
روندے پتھر پہاڑاں دے"

پھر کیوں انسان اس مالکِ حقیقی کی یاد سے غافل ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ اس کے حضور آنسوؤں کے تحفے کے ساتھ دعا طلب کرے

حضرت پیر سید رشید الدولہ عرس، میلوں ٹھیلوں میں شوق سے جاتے احباب کو ساتھ لے جاتے تھے جناب صوفی لیاقت کو ایک رقم رومال میں باندھ کر الگ دے دیتے ہدایت یہ ہوتی تھی کہ جب کچھ کہوں غور سے سنو اور کرد جتنے پیسے کہوں دے دو کسی کو معلوم نہ ہو ایک ہاتھ سے دو دوسرے ہاتھ کو پتہ نہ چلے۔ فرماتے تھے "خزانچی کا کام یہی ہے۔ خدا کے خزانچی بنو اس کے بندوں کو دے دو وہ یہ کام کسی اور کے سپرد کر سکتا ہے جس میں تمہاری محرومی ہوگی . . ." حضرت پیر سید رشید الدولہ میلے میں رنگینیوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے ہجوم سے بھی بچتے تھے جلدی جلدی قدم اٹھاتے مزار شریف کے نزدیک دھونی رمائے، دنیا سے منہ موڑے فقیروں اور درویشوں کا رخ کرتے تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ایک ایک کو غور سے دیکھتے کیا دیکھتے کس کی تلاش تھی . . . معلوم نہیں۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے نفس پر قابو پانے کے لئے ایک خاص انداز اپنایا تھا جس چیز کو کھانے پینے کی ذرا سی خواہش دل میں پیدا ہوتی تھی وافر مقدار میں تیار کرواتے اور دوست احباب کے علاوہ یتیموں مسکینوں کو اپنے ہاتھ سے پیش فرماتے تھے۔ مگر خود نہیں کھاتے تھے حضرت پیر سید رشید الدولہ سے دریافت کیا جاتا تھا تو ہنس کر ٹال دیتے تھے مگر ایک بار اصرار پر صرف حضرت جنید بغدادی اور ابو بن ادھم کی حکایت سنائی۔ حضرت ابو بن ادھم نے کہا ۔۔۔ "جو مل گیا، جیسا مل گیا کھا لیا، نہ ملا تو صبر کیا"۔ حضرت جنید بغدادی نے ہنس کر فرمایا "یہ تو میری گلی کے کتے بھی کرتے ہیں البتہ ہمیں ملے تو ایثار و خیرات کرتے ہیں نہ ملے تو شکر"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ تعلیم و تربیت و اصلاحِ حال احوال کے سلسلہ میں علم و تجربہ اور کوشش کا عمل دخل مانتے تھے۔ مگر کسی رہنما کی رہنمائی کے زیادہ قائل تھے ۔۔۔ جاہلوں کی صحبت سے پرہیز کے سلسلے میں فرماتے تھے "جاہلیت کسی مرض کا نام نہیں ۔۔۔ بلکہ اس عذاب کا نام ہے جو آسمانوں سے کسی خاص شخص یا کسی خاص قوم پر نازل ہوتا ہے"۔ وہ اکثر حضرت عیسیٰؑ کی ایک مثال دیا کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت عیسیٰؑ دوڑے جا رہے تھے ۔۔۔ کہ ایک شخص نے دیکھا (جو ان کی خوبیوں سے آشنا تھا) کہ ہیں تو وہی ۔۔۔ مگر دوڑے کیوں جا رہے ہیں۔ اس نے بھی ان کے پیچھے دوڑنا شروع کر دیا اور تصدیق کے لئے پوچھا۔ "آپ عیسیٰؑ ہی ہیں" انہوں نے کہا "ہاں" "وہی جو بیماروں کو شفا دیتے ہیں ۔۔۔" کہا "ہاں"، "تو جناب آپ دوڑ کیوں رہے ہیں" انہوں نے کہا "دیکھو پیچھے جاہل آ رہا ہے"۔ تو اس نے عرض کی "آپ اس کا بھی کیوں علاج نہیں کرتے؟"۔ تو حضرت عیسیٰؑ نے دوڑتے ہوئے فرمایا "یہ اللہ کا عذاب ہے۔ اس سے بچنا ہی بہتر ہے۔ اس سے پناہ مانگنے میں ہی عافیت جانو"۔

فرمایا

ادب آموز زاں ادیب کہ او
ادب از حضرت خدا آموز

کیا حضرت پیر سید رشید الدولہ سچی خوشی کی تلاش میں تھے، انہیں معلوم تھا سچی خوشی دوسروں کی خدمت میں ہے اس کا انہیں ذاتی تجربہ تھا ۔۔۔ قطرہ جب تک سمندر سے نہ ملے سمندر نہیں ہو سکتا نہ فنا اور بقا سے بے نیاز ہو سکتا ہے ۔۔۔ انسان بھی جب تک اپنی خوشیاں دوسروں کی خوشیاں نہ بنا دے

ان کے دکھ درد نہ سمیٹ لے، سود و زیاں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

اس مقام پر طمع، حرص، ہوس، لالچ ختم ہو جاتے ہیں ... اس منزل کی تلاش میں حضرت پیر سید رشید الدولہ دن رات بے چین رہتے تھے۔

کانٹا کہیں چبھا تو ہوئے ہم ہی بے قرار
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

...

عشق لہر توں کندا رہو ہر دم خورے کیہڑی تند منظور ہووے

حضرت پیر سید رشید الدولہ اسی مسئلہ کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے "خدا کے نام سب کے سب صفاتی ہیں کچھ نام جلال کے مظہر کچھ جمال کے مظہر ہیں انسان ناچیز ہے اسے خدائے برتر کی جلالیت سے ڈرنا چاہیے اور ہر دم صبح دوپہر شام اس کی شفقت، رحمت، کریمی کا اظہار کرنے والے ناموں کا ورد وظیفہ کرنا چاہیے یہ زباں اسی لئے ملی ہے" ... مگر حق ادا اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جو چیز ملی ہے اس کی عطا ہے اس کی عطا سے وہ کام لیا جائے کہ آدمی کا کام خدا تعالیٰ کی شفقت، رحم و کرم کا مظہر بن جائے زندگی ملی ہے تو اس کے لئے استعمال کریں۔ دولت اس کی راہ میں خرچ کریں اس نے رزق دیا ہے اس کے بندوں میں تقسیم کریں۔ مخلوق کے لئے دل کشادہ رکھیں" فرمایا ...

"اِس دنیا میں جتنے دل راضی کریں گے اتنے ہی چراغ قبر پر روشن ہوں گے۔ خدا کے بندوں کی محبت خدا کی محبت ہے۔"

حضرت پیر سید رشید الدولہ اچھے کھانے پکواتے دوست، احباب غریب غربا کو کھلاتے تھے۔

انسان کا ایک نفس ہے دوسرا نفس لوامہ تیسرا مطمئنہ انسان کو اپنے نفس کو زیر کرنا ہو گا تاکہ اپنے آپ کی لعنت ملامت سے بچ سکے۔ ایسے ہی شخص کو نفس مطمئنہ عطا ہوتا ہے ... نفس کی موت سے آدمی زندہ ہو جاتا ہے ... حضرت پیر سید رشید الدولہ ساری عمر نفس کی ہلاکت میں کوشاں رہے۔ یہ کام آسان نہیں مگر جسے اللہ تعالیٰ توفیق عطا کرے اس کے لئے آسان کر دیا جاتا ہے۔

"اور اللہ جسے چاہے ہدایت فرمائے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے گم راہ

کرے اسے ہدایت کرنے والا کوئی نہیں"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ تاکید فرماتے تھے کہ صرف حسب و نسب کے باعث ہی کسی شخص کی عزت نہ کریں ایک غریب، نیچی ذات کا آدمی جو صاحبِ کردار ہے۔ کسی بد کردار اونچی ذات کے آدمی سے کہیں بہتر ہو سکتا ہے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ اپنے حلقہ ادب میں امیر و غریب سب سے یکساں محبت کے ساتھ پیش آتے تھے مگر صاحبِ علم کی قدر و منزلت بیش از پیش فرماتے تھے صاحبانِ علم سے حضرت پیر سید رشید الدولہ کی مراد یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل لمبی چوڑی ڈگریوں والے لوگ نہیں تھے اس سلسلہ میں حضرت پیر سید رشید الدولہ حضور امام جعفر صادق آلِ محمد علیہ السلام اور امام ابو حنیفہ کے مابین مکالمہ کا حوالہ دیتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا . . .

"تمہارے نزدیک صاحب علم کون ہے . . ." عرض کیا

"جو شخص نیک و بد میں تمیز کرے . . ." فرمایا

"یہ تمیز تو چوپائے بھی کر سکتے ہیں جانور بھی دوست دشمن کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔

"صاحبِ علم وہ آدمی ہے جو نیکیوں بدیوں میں تمیز کر سکے اور بہتر نیک علم کو اور مجبوریوں میں کم تر بدی کو اختیار کرے"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ عام روش سے ہٹ کر صاحبِ کردار آدمی کو صاحبانِ علم میں شمار کرتے تھے اور اس کی قدر کرتے تھے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ بحث و مباحثہ پسند فرماتے تھے جس کا مقصد کسی مسئلہ کے شافی حل کی کوشش ہو بحث و مباحثہ مناظرہ برائے بحث و مباحثہ و مناظرہ میں الجھنا بربادیِ اوقات سمجھتے تھے . . . دیوان خانہ میں گرما گرم بحث ہو رہی تھی ایک طرف پیر فقیر پرست تھے دوسری طرف ان کے منکر اور صرف اور صرف خدا ہی کو مرجع و ماویٰ سمجھنے والے جب گرمیِ کلام عروج پر تھی درخت سے جو ان پر سایہ کئے تھا ایک مکوڑا گرا ایک آدمی نے اسے اٹھالیا اور اس کی ٹانگیں توڑ دیں کہا۔ . . "لو اب اسے پیروں، فقیروں کے پاس لے جاؤ وہ اس کی ٹانگیں اسے عطا کر دیں"۔ اس پر دوسرے سامنے والے نے مکوڑا اس کے ہاتھ لیا اور اسے چٹکی سے مسل دیا اور کہا "اسے اپنے خدا کے پاس لے جاؤ کہنا اس میں جان ڈال دے" . . . ایسی فضول بحث پر حضرت پیر سید رشید الدولہ تالی مار کر قہقہہ لگاتے

تھے۔۰۰۰ اور یوں بات ختم کر دیتے تھے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے حضرت سید کبیر الدین شاہ دولہ دریائی رحمتہ اللہ کی یاد میں ایک رسالہ کا اجرا فرمایا تھا۔ اس کا نام "صداقت" تھا جو ماہوار باقاعدگی کے ساتھ دفتر صداقت واقعہ دیوان خانہ سے شائع کیا جاتا تھا۔ حمد و ثنائے خداوندی کے بعد نعتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہوتی تھی۔ اس کے بعد اسلامی تصوف پر مقالہ، بزرگانِ دین کا ذکر اذکار، خاکسار تحریک و تنظیم سے متعلق حکم احکام، تہذیب اخلاق کا سلسلہ، نظم و غزل، ملکی سیاست پر اظہار رائے اخیر میں چند در چند بیماریوں اور ان کی تشخیص اور علاجات سے متعلق پُر مغز مقالات شائع کئے جاتے تھے۔۰۰ صداقت کا پریس دیوان خانہ میں لگایا گیا تھا مگر اس کے شور سے چونکہ والدہ صاحبہ پریشان رہتی تھیں اس لئے رسالہ کریمی پریس لاہور سے چھپوایا جانے لگا۔۰۰ ایک حوالہ سے یہ رسالہ خاکسار تحریک کا ترجمان بھی تھا اس لئے حکومت کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا حضرت پیر سید رشید الدولہ کی مطب کے علاوہ دیگر علمی وادبی مصروفیات بھی تھیں اس لئے بالآخر یہ رسالہ بند کر دیا گیا۔۰۰۰ اس رسالہ کی ایک کاپی بابت ماہ اکتوبر ۱۹۲۷ء جناب شیخ عظمت اللہ منتظر نے عنایت فرمائی نعتِ سرور کائنات ﷺ سے چند دُرِ شہوار نتیجہ فکر جناب محمد ظہور ناصر ملاحظہ کریں۔

بلبل ہوں تنِ پاک ، گُلِ یاسمنی پر
قمری ہوں نبی کے قد سرو چمنی پر
کیا لطف رقابت کا زہے طالع عشاق
اللہ بھی عاشق ہے رسولِ مدنی پر
بیٹھے ہیں حریمِ شہہ والا میں جو زائر
قربان وطن کرتے ہیں بے وطنی پر
ہو حُبِ نبی دل میں تو بخشش کا یقین ہے
بے فائدہ ہے کلمہ شہادت کفنی پر
دولت کی نہ پرواہ نہ افلاس کا غم ہے
ہے تکیہ جو احمد و اللہ و غنی پر
سنگین زمیں میں جو لکھی نعت ہے ناصر

فرہاد ہیں شعرا تیری شیریں سخنی پر

حضرت پیر سید رشید الدولہ کے کرم فرماؤں میں حضرت سائیں کرم الٰہی کا نام نامی واسم گرامی سرِ فہرست ہے سائیں جی ادھر سے گزرتے ہوئے رک کر حضرت پیر سید گلاب شاہ کا حال احوال دریافت فرماتے تھے۔ ان کی وفات حسرت آیات کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ ایک روز حضرت پیر سید رشید الدولہ کی والدہ صاحبہ عزیز واقارب کے سلوک سے تنگ آکر رو رہی تھیں کہ حضرت سائیں کرم الٰہی تشریف لائے عرض کی "سائیں جی کوچہ بندی والے گھر سے بے گھر کیا، میں یہاں آگئی۔ کمرہ بنوانا چاہتی ہوں مزید کچھ تعمیر کروں مگر عزیز واقارب راہ کی دیوار بنے تنگ کر رہے ہیں۔ میں اکیلی بیوہ، یتیم بچوں کو لے کر کہاں جاؤں ۔۔۔" حضرت سائیں کرم الٰہی پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ اُٹھ کھڑے ہوئے ۔۔۔ فرمایا "تعمیر شروع کرائیں۔ دیکھیں کون روکتا ہے"۔

حضرت سائیں کرم الٰہی اور اُن کے لواحقین نے ہمیشہ حضرت پیر سید رشید الدولہ پر نظرِ کرم رکھی ۔۔۔ سائیں جی کی وفاتِ حسرت آیات کے بعد جب بھی حضرت پیر سید رشید الدولہ عرس اور میلہ پر تشریف لے گئے سجادہ نشینوں نے مزار شریف سے چادر لے کر ان کے سر پر ڈال دی جب صاحب زادی فرخ جمشید تشریف لے جاتیں سجادہ نشین انہیں بھی اسی طرح چادر سے نوازتے تھے ۔۔۔ اس روحانی اور قلبی رشتہ کا بندھن اب بھی بہت مضبوط قائم ودائم ہے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ حسبِ عادت صحن کی صفائی ستھرائی میں مصروف تھے۔ یہی وقت ہوتا تھا کہ ان کے ساتھ ساتھ چلیں اور سوال کرتے جائیں ۔۔۔ "اباجی حضرت سائیں کرم الٰہی کوؤں پر اس قدر مہربان تھے کہ انہیں کانواں والی سرکار کہتے ہیں ۔۔۔" فرمایا "بیٹا۔ کوا منافق نہیں ہوتا۔ اندر باہر سے ایک ہوتا ہے۔ کوا واحد پرندہ ہے جو حیادار ہے۔ کوا بنیرے بولتا ہے تو پردیسی گھر لوٹ آتا ہے"۔ اور پھر قدرے توقف کے بعد فرمایا "قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تھا۔ اب اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ مردہ بھائی کا کیا کرے۔ لہو کی بو پا کر درندے اردگرد جمع ہو رہے تھے ۔۔۔ ایک کوے نے اپنی چونچ سے گڑھا کھود کر دوسرے مردہ کوے پر مٹی ڈالی اور اسے دفن کر دیا ۔۔۔ یہ کوا کون تھا، مفسر متفق نہیں مگر سپردِ خاک کرنے کے عمل سے انسان کو آگاہ کرنے والا کوا تھا ۔۔۔ حضرت سائیں کرم الٰہی ان خوبیوں کی وجہ سے کوے کو پسند کرتے تھے"۔

جناب خان حبیب اللہ خاں اتالیق شاہ افغانستان تھے انہوں نے حضرت پیر سید رشید الدولہ کو

تفسیر کے ایسے انداز بتلائے کہ حضرت پیر سید رشید الدولہ نصف صدی سے زیادہ یہ دولتِ بیدار لٹاتے رہے۔ خان حبیب اللہ خان نے حضرت پیر سید رشید الدولہ کے قلب و نظر میں بڑی وسعت پیدا کر دی۔ نکتہ دانی و بیانی ان کی فطرتِ ثانیہ معلوم ہوتی تھی . . .

حضرت پیر سید رشید الدولہ کے کرم فرماؤں میں رئیسِ اعظم حاجی الحرمین شریفین شیخ محمد دین تھے۔ جو تقسیم ہندوستان سے پہلے ایسٹرن آپٹیکل کمپنی کے مالک تھے۔ شیخ صاحب بڑے امیر، بڑے کشادہ دل والے بزرگ تھے۔ انہوں نے گجرات ریٹائرڈ اعلیٰ عہدہ داروں اور شریفوں پر مشتمل انجمن کا اجرا فرمایا جس کا دفتر کواپریٹو سوسائٹی کے دفتر کے سامنے ان کے باغ میں واقعہ تھا۔ دیگر سماجی اور رفاعی کاموں کے علاوہ بے آسرا یتیموں اور بیواؤں حاجت کی روائی کے لئے اس کے علاقہ کے ممبر کی ڈیوٹی لگائی جاتی تھی کہ مکمل کوائف جلد از جلد حاجی صاحب کو مہیا فرمائیں تاکہ حاجت روائی میں تاخیر نہ ہونے پائے۔ انجمن کا اجلاس روزانہ بلا ناغہ ہوتا تھا۔ حاجی محمد دین مرحوم نے یتیم بچوں کی تعلیم کا اہتمام فرمایا اور یہی بچے اب اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ یتیم بچیوں کی شادیاں کرائیں اس زمانہ میں صرف مشن ہائی سکول ہوتا تھا . . . حاجی محمد دین مرحوم نے انجمن کے ساتھ اسلامیہ ہائی سکول گجرات کی سرپرستی قبول فرمائی اس سکول کی زمین انجمن کشمیریاں گجرات نے مہیا کی اور حضرت سید عطاءاللہ شاہ بخاری کی جادو بیانی کا اثر تھا کہ ایک ہی جلسہ میں اتنا چندہ جمع ہو گیا کہ سکول کی تعمیر مکمل کر لی گئی۔ اس سکول کا نام آزاد مسلم ہائی سکول تھا۔ تقسیم ہند کے بعد اس کا نام بدل کر اسلامیہ ہائی سکول رکھا گیا۔ آزاد مسلم ہائی سکول نے بطورِ خاص مسلمان اساتذہ کی جماعت پیدا کی جن میں بڑے بڑے ماہرانِ تعلیم کے نام آتے ہیں۔ جناب پیر سید غلام عباس مرحوم، مفتی عبدالرؤف فاروقی، جناب شیخ شفقت اللہ بھی اسلامیہ ہائی سکول کے استاد تھے۔ جناب مفتی نامدار نے جن کا تعلق گجرات کے مشہور و معروف علمی و ادبی خاندان سے تھا پبلک سکول کی بنیاد رکھی جو ہائی سکول ہوا، انٹر اور بعد ازاں ڈگری کالج۔ یہی جناب شیخ شفقت اللہ کا سرسید ڈگری کالج ہے۔

گجرات شہر میں پہلی بار حاجی جناب محمد دین نے افطاری کے وقت گولے کا انتظام کیا جس کی آواز گجرات کے مضافات تک سنائی دیتی تھی۔ سحری کے سلسلہ میں بھی یہی انتظام کیا گیا۔ پھر عید کا چاند نظر آنے پر بھی گولے چلائے جاتے تھے۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

جناب حاجی محمد دین مرحوم نے گجرات کے رہنے والوں کو کلکتہ کے دفتر میں ملازمت دی انہی

میں حضرت امام دین گجراتی کے متبنیٰ محمد یادگار صاحب بھی تھے۔

ایک روز حضرت پیر سید رشید الدولہ کے دیرینہ دوست کلیم اللہ تشریف لائے گزارش کی ایک عزیز جو پیشہ کے لحاظ سے نامور وکیل ہیں ایک عجیب وہم میں مبتلا ہیں پھلوں پر گزارہ کرتے ہیں روٹی، چاول گوشت وغیرہ نہیں کھاتے باتھ ٹب میں بیٹھنا محبوب مشغلہ ہے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ جناب کلیم اللہ اور استاد غلام رسول سیاں والے کے ساتھ جناب بدیع الزماں کیکاؤس سابق فاضل جج سپریم کورٹ کی رہائش گاہ پر تشریف لائے جو بالمقابل نارمل سکول کچہری روڈ پر واقع تھی۔ جناب بدیع الزماں کیکاؤس کو حضرت پیر سید رشید الدولہ نے قائل کیا جن کی ہدایات کے مطابق بعد ازاں یہ کھانے پینے کے علاوہ سیر کو بھی جانے لگے۔ ان کا وہم جاتا رہا۔۔۔ جناب بدیع الزماں کیکاؤس مطب حضرت پیر سید رشید الدولہ پر گاہے گاہے تشریف لاتے اور وہاں علمی وادبی، دینی، مذہبی گفتگو میں حصہ لیتے تھے یہ سلسلہ ان کے لاہور جانے تک قائم رہا۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ کے احباب میں جناب ماسٹر فضل صاحب ذاکر اہل بیت اطہار تھے۔ بارگاہ امامیہ حبیب بینک سرکلر روڈ کے عقب والی گلی نمبر ۲ میں واقع ہے اس کے منتظمین حضرت پیر سید رشید الدولہ، ماسٹر جلال نانک (نواب سر فضل علی مرحوم کے دوست) حضرت پیر سید فدا حسین، حضرت پیر کرامت شاہ، حضرت پیر مظفر حسین، میاں محمد نواز اور جناب ماسٹر فضل تھے گجرات و مضافات سے لوگ جوق در جوق فضائل و مصائب اہلِ بیتِ نبویؑ سننے بارگاہ امامیہ آتے تھے۔ ماسٹر فضل مرحوم خوش آواز تھے ملتانی زبان میں ذاکری فرماتے ؏

بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسولؐ میں

دوہڑے اس انداز سے پڑھتے تھے کہ حسینی قافلہ پر ظلم وستم ناروا کی تصویر نظروں میں پھرنے لگتی تھی جناب ماسٹر فضل نے ساری عمر فلسفہ شہادت کے مدلل بیان میں بسر کی فضائل مصائب بیان فرماتے مگر کسی کی دل شکنی کبھی روا نہیں رکھی۔۔۔ محرم کے دوران اہلِ سنت والجماعت سے لوگ برابر شریک مجالس ہوتے تھے۔ منتظمین نذر و نیاز کا اہتمام خوب کرتے تھے۔

جناب عنایت حسین بھٹی، جناب ماسٹر فضل کے فرزند ارجمند ہیں انہوں نے فلمی دنیا میں مختلف حیثیتوں میں کام کئے اور خوب دنیا کمائی۔۔۔ مگر دولت دنیا ان کے توشہ آخرت کے سامنے کوئی مال نہیں۔ جناب عنایت حسین بھٹی بارگاہ امامیہ میں سالانہ محرم کی ایک مجلس پر تشریف لاتے ہیں آیاتِ

قرآنی کی تلاوت کے بعد ترجمہ بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں "ان آیات کا ترجمہ سُنّی بھائی یہ سمجھتے ہیں اور جعفری یہ"۔ جناب عنایت حسین بھٹی کو مطالعہ کا شوق ہے اور علم کے مطابق حق اور سچ بات کہنے سے گریز نہیں کرتے اندازِ بیاں دلنشین ہے۔ پدرِ بزرگوار کی روایت پر عمل کرتے ہوئے کسی کی دل شکنی روا نہیں رکھتے۔

مجالس امام علیہ السلام میں رونقیں بڑھیں بارگاہ امامیہ میں جائے تنگ و مردماں بسیار کا نقشہ ہو گیا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے دیوان خانہ کے شمال کی جانب ۲ کنال زمین لی ،، ۵ دیگر پیرزادگان کو حصہ رسدی نقد رقومات ادا کی گئیں۔ رجسٹری امام بارگاہ امامیہ کے نام کرالی گئی۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے اپنی آخری علالت کے دوران رجسٹری معہ دیگر کاغذات جناب ڈاکٹر سید ذوالفقار حیدر کو دے دیئے۔

پیشتر ازیں جناب ڈاکٹر سید ذوالفقار حیدر نے حضرت پیر سید رشید الدولہ کے اشارے سے امام بارگاہ کی بنیادیں بھروادیں چاردیواری بنوادی بوٹے لگوائے اور چوکیدار رکھ دیا تھا۔

کاغذات ملے تو جناب ذوالفقار حیدر نے اس زمین پر امام بارگاہ کی تعمیر کے لئے جناب ٹھیکیدار رشید احمد سے رابطہ قائم کیا خیال تھا مجالسِ محرم کے دنوں کے علاوہ یہاں امامیہ پبلک سکول قائم کر دیا جائے۔

سامنے اہلِ حدیث کی مسجد ہے۔ انہیں امام بارگاہ کی تعمیر پر اعتراض تھا۔ دور ایوب خان کے مارشل لا کا تھا شکایات پہنچیں انکوائری ہوئی شکایت کنندہ یونہی سے لوگ تھے کیس کامیاب نہ ہوا پھر دیوانی مقدمہ چلا جس کا خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا مگر ساتھ ساتھ تعمیرِ امام بارگاہ امامیہ پبلک سکول کا خواب بھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوا۔

جناب لالہ مجید، سوڈا واٹر فیکٹری والے، جناب لالہ رشید، حکیم عبیداللہ کے بھائی صاحب، جناب کلیم اللہ، جناب مستری فضل کریم، جناب یونس اور الیاس جناب مستری فضل کریم کے فرزند، جناب مرزا عبدالقدیر، جناب باؤ چراغ دین، جناب حکیم محمد صالح، جناب محمد یوسف چابک سواراں والے، جناب عبدالغنی گوجرانوالہ والے، جناب مستری بلال، جناب قاضی جو وکیل تھے مگر وجہ شہرت قانون دانی نہیں مہمان نوازی تھی جناب محمد شفیع پٹواری بڑے خوش پوش اور حقہ نوش، جناب گل زمان فلم ایکٹر، جناب اصغر حیات جوڑا، جناب محمد حسین نمبردار، جناب اصغر حیات جوڑا کے چچا صاحب سبھی

حضرت پیر سید رشید الدولہ کے حلقہ احباب میں شامل تھے۔

قارئین ممکن ہے یہ سمجھ رہے ہوں کہ پیر سید رشید الدولہ کی سرگزشت یہاں ختم ہو گئی ہو۔ لیکن راقم کا خیال ہے کہ میں نے ابھی تک وہ بات شروع ہی نہیں کی جس کے لئے میں نے قلم اٹھایا تھا۔ اور ویسے بھی میرے سوا اور کون ہے جو اس موضوع کو چھیڑ سکے۔

جو کسی نے لکھا نہیں وہ حرف
میں نہ لکھتا تو اور لکھتا کون

پیر سید رشید الدولہ کی زندگی میں نہ تو دشت ۔۔۔ تھا اور نہ ہی کوئی دریا ۔۔۔ مگر پتہ نہیں کیسے

وقتِ عصر

سے شامِ غریباں تک ۔۔۔ جا پہنچے ۔۔۔

اس داستانِ الم کی ابتدا کچھ اس طرح شروع ہوئی کہ پیر رشید الدولہ صاحب کے ۴ بیٹیاں اور ایک بیٹا (چن پیر) تھا۔ جو دادی (پیر صاحب کی والدہ) کے دل کی ٹھنڈک، بہنوں کی آنکھ کا تارا، ماں کی کل متاع اور پیر صاحب کے دل کا ٹکڑا۔ سب گھر والوں کے دل میں اس کی شادی بیاہ کے ارمان تھے۔ سب اس کے لئے "گویا" سی دلہن ڈھونڈ رہے تھے۔ جیسے جیسے تلاش میں دن گزر رہے تھے۔ ویسے ویسے دل میں بے قراریوں کے اضافے ہو رہے تھے۔ مگر ہوا کچھ یوں کہ ایک دن پیر صاحب کی والدہ صاحبہ ایک ایسے گھرانے میں اپنے پوتے کے لئے رشتے کی "ہاں" کر دی جو اپنے سبز قدموں کے لئے بدنام تھا۔ بس ان سبز قدموں کے سایوں نے پہلے ہی دن گھر میں محاذ قائم کر دیا۔ گھر کے تمام افراد ایک طرف اور دادی صاحبہ (پیر صاحبہ کی والدہ) اکیلی دوسری طرف مورچہ بند۔ یوں تو اس جنگ نے بڑا طول پکڑا مگر والدہ صاحبہ کے ایک ہی تند جملے نے حکیم پیر سید رشید الدولہ اپنی ساری چوکڑی بھول گئے۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا "رشید الدولہ میں تجھے دودھ کی ۳۲ دھاریں نہیں بخشوں گی"۔ بس پھر کیا تھا حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب نے تمام ہتھیار غیر مشروط ڈال دیے۔ یوں بھی پیر صاحب نے زندگی بھر والدہ صاحبہ کی حکم عدولی نہیں کی تھی۔

جیتے میں بھی جہاں جی کا زیاں پہلے سے ہے

ایسی بازی ہارنے میں کیا خسارہ دیکھنا

شادی کی تیاریوں نے زور پکڑا اور ساری رسمیں خوبصورت انداز میں پوری کی گئیں۔ لاہور سے "سوہنی کا بینڈ" بلایا گیا۔ اور بہنوں کی زبردست فرمائش پر بار بار فلم کرتار سنگھ کا سیف الدین سیف کا لکھا ہوا گیت جس کی دھن موسیقار سلیم اقبال نے ترتیب دی تھی سوہنی کے بینڈ نے بجائی۔ گیت کا مکھڑا کچھ یوں ہے ؂

دیساں دا راجہ ، میرے بابل دا پیارا
امبڑی دے دل دا سہارا ، ویر میرا گھوڑی چڑھیا

اس طرح بینڈ نے اور دل موہ لینے والی دھنیں سنائیں۔ صدقے اتارے گئے ویلیں دی گئیں۔ ہر کوئی اپنی خوشیوں میں مگن اور محفل کی رنگینیوں میں بے خود۔ ہر طرف ریشمی اور رنگین لباسوں سے قوس قزح کے رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ یوں لالہ کی حنا بندی ہوئی۔ دیکھ کر کون کہتا کہ اس بابل دے ویہڑے میں خوشیاں چپکے چپکے زینہ بہ زینہ اتر کر آئی ہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ چھم سے اتر آئی ہیں۔ بہرحال یہ نیک ساعت بھی اپنا رنگ اور خوشبوئیں چھوڑ کر گزر گئی...

یہ ایک سہانا خواب تھا۔ جو پل بھر میں گزر گیا۔ اور جب آنکھ کھلی تو کچھ اور ہی تھا۔ خوشیاں تھیں کہ پل بھر میں منہ موڑ کر کسی اور دیس سدھار گئیں۔ گھر کا شیرازہ پھول کی پتیوں کی طرح بکھر گیا۔ لیکن پیر سید رشید الدولہ صاحب تھے کہ... ؂

میں زندگی کے کھیل میں ہارا ضرور ہوں
لیکن کسی محاذ سے پسپا نہیں ہوا

کہ جنگ ہارنے کے باوجود مورچہ بند رہے۔ اور یہ ان کی کوشش تھی کہ گھر گھر رہے کوئی دیوار گریہ نہ بنے مگر سبز قدموں کا کیا کیا جائے...

ایک طرف گھر کے چراغ سے گھر کو آگ لگنے کا غم اور دوسری طرف یہ زعم کہ ان کے صدق کا رنگ کچا نہیں جو پہلی ہی بارش میں چھوٹ جائے۔

اب "کسی" نے "کسی" کے اشارے پر پہلا گل یہ کھلایا کہ "شہر زار" کو شہر پناہ سے باہر نکالنے کا عزم کیا اور حضرت پیر سید رشید الدولہ کے مطب پر جس کے متعلق صرف یہی کہا جا سکتا ہے ع

خود بکتا ہے یوسف یہ خریدار ہے کس کا

قبضہ ہو گیا۔ شاہین کی چٹان پر قبضہ کے بعد فقیہہ شہر کی دستارِ فضیلت اُچھال دی۔ اب کیا تھا کب تک شکستہ کشتی کے لئے تند موجوں کے سامنے ہاتھوں کو پتوار بنائے رکھتے۔ تیز ہواؤں کے سامنے کہاں تک چراغ جلائے رکھتے؟ انہوں نے صف آرا ہونے کی بجائے پسپا ہونے میں ہی عافیت جانی ۔۔۔ یہ تھی ان کی بلند نگاہی۔ دور اندیشی۔ انہوں نے پرائے جرم اپنے نام لکھوائے اور گھر کے اس حصہ کو اپنی "جائے پناہ" بنالیا۔ جو مطب کا ایک حصہ تھا اور جس کے دروازے معمولی ٹین کے تھے۔

یوں تو ہر شخص اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں اور اولاد سے محبت کرتا ہے۔ لیکن سارے خاندان میں صرف ایک ہی شخص ایسا ہوتا ہے۔ جو ہمہ گیر شخصیت کا مالک ہوتے ہوئے سارے خاندان کا مرکز بن جاتا ہے۔ پیر رشید الدولہ صاحب بھی ایسی ہی شخصیت تھے۔ ایسے ہی "مرکز" اور محبت کرنے والے انسان لیکن خدا جانے کیسے وہ گھر والوں کی نفرت کا شکار ہو گئے۔ ویسے تو انہیں نہ ماضی کا غم تھا۔ اور نہ ہی فکرِ فردا تھی۔ نہ ہی کوئی گلہ تھا نہ ہی کسی سے کوئی شکایت۔ وہ اب بھی سب کے لئے دعا گو تھے۔ اب بھی وہ اپنے چھتنار اور پھلدار درخت کی طرح تھے: جس کی طرف لوگ پتھر پھینکتے اور وہ انہیں پھل اور سایہ مہیا کرتے۔ ہاں مگر ایک دکھ ضرور تھا۔ جو ان کو اندر ہی اندر کھائے جارہا تھا۔ وہ تھا ان کو اپنے پردیسی بچوں کا خیال کہ ان کو میری اس بے پردبالی کی خبر نہ ہو۔ ان کی دل شکنی نہ ہو ۔۔۔

مردِ قلندر کو شاید آسمانوں سے ہدایت مل گئی تھی کہ اپنوں میں سے کسی اور پر امید دفانہ رکھ۔ یہ شیشہ نہیں یہ پتھر ہے ۔۔۔ اور اب تمہاری پردیسن بیٹی فرخ جمشید ہی تمہاری اندھیری شام کے افق پر چاند بن کر ابھرے گی۔ یہ بیٹی ہی تمہارے کردہ اور ناکردہ گناہوں کی بخشش کے لئے بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اٹھائے گی۔ تمہاری قبر پر چراغ روشن کرے گی۔ خدا کی کرنی دیکھیئے کہ ایسا ہی ہوا۔

پیر رشید الدولہ صاحب کا یہ دستور تھا کہ وہ رات اپنے بچوں کے ساتھ محبت اور شفقت کے ساتھ گزارتے۔ ان کی ضروریات کا سنتے اور ان کی تکالیف کو رفع کرتے۔ لیکن یہی بات اب "کسی" کو کھٹکتی تھی کہ "بابا" (حکیم صاحب) ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ کہیں دفع بھی نہیں ہوتا۔ اور خاص کر پیر صاحب کا رات کو اٹھ کر پیشاب کے لئے جانا ایک ناقابلِ معافی جرم تھا۔ خیال تھا کہ "بابا" جان بوجھ کر رات کو اٹھتا ہے تاکہ ہمیں تنگ کرے۔ پیر سید رشید الدولہ صاحب روز بروز کی لعن طعن اور بے

عزتی سے تنگ آکر گھر کے اندر سے نقل مکانی کر کے مطب کے مشرقی کونے میں آگئے اور نام کا بستر لگالیا۔ بستر کیا تھا۔ایک پٹھے کی چارپائی ہے جس پر ایک بوسیدہ تلائی۔اور اس پر ایک کھیس جو اپنے تمام رنگ کھو چکا تھا۔اوڑھنے کی ایک ایسی رضائی جو ٹھنڈک کو روکنے کے لئے ناکافی تھی۔ چنانچہ پیر صاحب ٹھنڈک سے بچنے کے لئے رضائی کے ساتھ لوئی جوڑ لیا کرتے۔ یاد رہے یہ لوئی دن کو بھی اوڑھنے کے کام آتی گویا سردیوں میں یہ لوئی ہی پیر صاحب کی کل کائنات تھی۔

سید پیر رشید الدولہ صاحب جن کا دسترخوان ایک شہرت کا حامل تھا۔ جہاں نہ صرف رنگارنگ اور انواع واقسام کے کھانے دوست احباب کی مرضی اور مزاج کے مطابق تیار کئے اور انہیں کھلا کر ایک عجیب سی خوشی محسوس کی جاتی تھی۔ آج پیر رشید الدولہ صاحب پر ایسا کڑا وقت آیا کہ توبہ بھلی! وہ صبح جب باورچی خانے کے دروازے پر کھڑا ہو کر ناشتہ کے لئے کہتے تو سب سے پہلے انہیں کوسنے اور گالیوں کی بوچھاڑ ملتی بابا خدا کا خوف کرو۔ابھی تو بچوں نے بھی ناشتہ نہیں کیا اور ایک تم ہو کہ منہ اٹھائے چلے آئے ہو" یہ تھی اس شخص کی پذیرائی جو دوسروں کو کھلا کر خوش ہوتا تھا۔ مگر مردِ قلندر سر جھکائے واپس اپنی "جائے پناہ" میں لوٹ آتا۔ اگر "کسی" کا دل کرتا تو بچوں کا جھوٹا بچا کھچا بھیج دیا جاتا اور پیر سید رشید الدولہ صاحب اسے بھی قبول کر لیتے اور اس پر بھی نازاں تھے۔ یہ جھوٹا اور بچا کھچا ان کی اپنی اولاد کا ہی تو ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے۔

آئیے آپ کو ان کے خطوط سے کچھ اقتباسات سنائیں جو پیر صاحب نے اپنے سگے بھتیجے (real nephew) نصر الدولہ کو دینہ دیا وقتاً فوقتاً لکھے۔

"بیٹا! میری زندگی کچھ اچھی نہیں۔میں اس سفر سے پریشان ہوں۔ موت کا انتظار ہے۔ مالک کے پیغام کا انتظار ہے۔کب بلاوا آئے گا اور سفرِ آخرت کریں گے۔"

ایک دفعہ نصر الدولہ نے راقم کو بتایا کہ پیر سید رشید الدولہ صاحب جس نے ہم دونوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی اور ناز و نعم سے پالا آج بے سروسامانی کی حالت میں اپنے کمرے میں پڑے رہتے ہیں۔انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ آٹا کھا کر، گڑ کھا کر اور اچار کھا کر دن گزار رہے ہیں۔

پیر سید رشید الدولہ صاحب کو دائمی قبض کی شکایت تھی جس کے لئے شام کو وہ دودھ پینے کے عادی تھے۔ آج ایک پاؤ دودھ کے لئے ہاتھ میں پیالہ لئے کسی کے منتظر رہتے ہیں شاید کسی کو احساس ہو۔ شاید کوئی درد جانے۔ مگر کہاں ...

اس ضمن میں عرض ہے کہ ایک دفعہ پیر سید رشید الدولہ صاحب کی دختر نیک فرخ جمشید محرم کے لئے دینز دیلا سے گجرات آئیں۔ تو یہاں والد صاحب کی کسمپرسی کو دیکھ کر رو پڑیں۔ اور دریافت کیا "اباجی آپ نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ آپ کو کیا کھانے پینے کے لئے بھی اب کچھ نہیں ملتا؟" آپ نے فرمایا "بیٹا تم پریشان مت ہو۔ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ انسان صرف پانی پینے سے کتنی دیر زندہ رہ سکتا ہے" بیٹی اپنے باپ کی لاچارگی پر بڑی روئی اس سے ان کی یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ بیٹی نے ایک نوکرانی کا انتظام کیا جو صرف پیر صاحب کی خدمت کرے۔ وقت پر کھانا تیار کرے ان کے کپڑے دھو کر دے۔ ان کی ذاتی ضروریات کا خیال کرے۔ بیٹی خود بھی باپ کی گرتی ہوئی صحت کا خیال کرتے ہوئے ان کیلئے مقوی اور ان کے من پسند کھانے تیار کرتی۔ اور ہر طرح سے ان کو خوش رکھنے کی کوشش کرتی۔

"کسی" کو باپ بیٹی کا یہ پیار بھی ایک آنکھ نہ بھایا۔ بہانے بہانے سے فرخ جمشید سے لڑائی شروع کر دی اور کبھی بیٹی کے سامنے باپ پیر رشید الدولہ صاحب کو بے وجہ ڈانٹ پلا دی جاتی۔ یہ صورت حال بیٹی کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ وہ باپ کی اس خواری کو دیکھ کر رو دیتی اور کہتی "اباجی میں اب کبھی گجرات نہیں آؤں گی۔ مجھ سے آپ کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی"۔ پیر صاحب مسکراتے اور بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتے "تم کیسے نہیں آؤ گی۔ میں تمہیں ہی دیکھ کر سانس لے رہا ہوں۔ تم ہی نے میری بخشش کے لئے بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اٹھانے ہیں"۔ دیکھئے یہ الفاظ کیسے حرف بحرف سچ ثابت ہوئے۔

فرخ جمشید ہی وہ بیٹی ہے جسے یہ سعادت نصیب ہوئی کہ اہلِ بیت کی عزاداری کے لئے محرم میں خواتین کی دس مجالس اور نذر و نیاز حصولِ ثواب کے لئے جو کہ پیر سید رشید الدولہ صاحب نے شروع کی تھیں۔ ابھی تک جاری رکھیں۔ اور اب مجالس، جشن اور پُرسہ کے لئے ۱۹۹۵ء میں ایک ہال کمرہ تعمیر کیا ہے اور اہلِ بیت کے قدموں کے طفیل پیر صاحب کی روح کو ایصالِ ثواب پہنچانے کا سلسلہ ہے اور ہم بارگاہ الٰہی سے ملتمس ہیں کہ ہمیں اور ہماری آنے والی نسلوں کو جاری رکھنے کی توفیق دے آمین۔

بیٹی فرخ جمشید جب تک گجرات میں رہتی اس وقت تک تو پیر صاحب کی دیکھ بھال ہوتی۔ نوکرانی کا بھی معقول انتظام رہتا۔ لیکن جیسے ہی بیٹی فرخ جمشید گھر سے باہر قدم رکھتی۔ کدھر کے

انتظامات کہاں کی نوکرانی، سب کچھ ایسے غائب ہوتا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ حالانکہ بیٹی اپنے باپ کی خدمت کے لئے معقول رقم چھوڑ کر جاتی اور مزید رقم فراہم کرنے کا وعدہ بھی کرتی۔

اس طرح ایک پرانا خدمت گار صوفی لیاقت جو پیر صاحب کی خدمت کے لئے رات پیر صاحب کے پاس ٹھہرتا تھا تاکہ رات کو پیشاب اور دوسری ضروری حاجتوں میں پیر صاحب کی خدمت کر سکے۔ کسی "کو ایک آنکھ نہ بھاتا۔ اور حیلے بہانے سے اسے بھی ذلیل و خوار کیا جاتا کہ وہ کسی نہ کسی طرح بھاگ جائے۔ لیکن وہ خدا کا بندہ ان ذلتوں اور پریشانیوں سے بے نیاز ہو کر پیر صاحب کی آخری سانس تک اطاعت گزار رہا۔ اور یہاں تک کہ وہ آج بھی پیر صاحب کی قبر پر باقاعدگی سے فاتحہ خوانی کے لئے آتا ہے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کے کرم فرماؤں، دوستوں، احباب و عقیدت مندوں میں ان کے ذکر اذکار کی بات چلتی تو کہا ۔۔۔ "سنا ہے بڑھیا حضرت یوسفؑ کی خریداری کے لئے سوت کی انٹی اٹھالائی تھی تاکہ حضرت یوسفؑ کے خریداروں میں نام لکھالے۔ سبحان اللہ ۔۔۔ ع

یہ شرف اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

پھر سوچ کر کہا ۔۔۔ خیر، اپنا نام بھی لکھ دیں مگر یہاں پاس سوت کی انٹی بھی نہیں ہے۔"

حامد حسن سید پروفیسر ادبیات و زبان انگریزی، متعدد علمی و ادبی کتابوں کے مصنف ہیں ۔۔۔ تذکرہ حضرت پیر سید رشید الدولہ مرتب کر کے طبع کرایا ہے۔

کہتے ہیں ۔۔۔ "صرف اور صرف حضرت پیر سید رشید الدولہ کے روبرو احساس ابھرتا تھا کہ اپنے ہاتھ خالی ہیں ۔۔۔ اور ادھر جب حضرت پیر سید رشید الدولہ کا موعظہ حسنہ سنتے تو مدرسہ حاران یا جند شاپور کے کسی عظیم استاد کا نقشہ صاف سامنے آتا تھا ۔۔۔"

جناب سید افتخار حیدر، حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کے احباب میں محترم و مکرم سید حیدر شاہ کے فرزندان گرامی سے ہیں۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب سے انہیں عقیدت و محبت اپنے برادر بزرگ سید سجاد حیدر سے ملی ہے ۔۔۔ اور خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ صرف جناب سید افتخار حیدر ہی حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کی علمی و ادبی جاگیر کے وارث ٹھہرائے جاسکتے ہیں ۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے جناب سید افتخار حیدر کی سرگرمیوں کا رخ، مطالعہ قرآن کی طرف موڑ دیا تھا۔ اور یہ بھی حضرت پیر

سید رشید الدولہ صاحب کا فیض ہے کہ انہیں قرآنی روح تک پہنچنے کی سعادت ملی ہو جس کا زندہ اور پائندہ ثبوت ان کی علمی و تحقیقی مطبوعات

صلوٰۃ فی القرآن

رسول فی القرآن

قرآن بزبان قرآن

ہیں۔ جناب افتخار حیدر بلند پایہ نعت گو اور مداحِ اہلِ بیتِ اطہار بھی ہیں۔ ملی فرنیچر نزد عید گاہ گجرات حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کے حلقہ ادب کے ارکان منتظر رہتے تھے۔ جناب سید افتخار حیدر ان تشنگانِ علم کی سیرابی میں سب رکاوٹیں ہٹاتے تھے اور بروقت حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کے در دولت پر حاضر ہو کر حضرت پیر رشید الدولہ صاحب اور جناب صوفی لیاقت کی ہمراہی میں ملی فرنیچر تشریف لاتے تھے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کی پرمغز تقاریر کو جناب افتخار حیدر نے آڈیو ٹیپ ریکارڈ کیا ہے اب یہ انہی پر منحصر ہے کہ تقاریر کی اشاعت سے ایمان افروزی کا بندوبست کب فرماتے ہیں۔ جناب افتخار حیدر "مردِ فقیرِ اولیٰ" کے عنوان سے حضرت پیر سید رشید الدولہ کا تذکرہ مرتب فرمانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

جناب ماسٹر طالب حسین بڑی مدت تک حضرت پیر سید رشید الدولہ سے کسبِ ضیا فرماتے رہے ہیں مضامین عالیہ کا جو حضرت پیر سید رشید الدولہ اپنے حلقہ ادب میں بیان فرماتے تھے ایک خلاصہ جناب ماسٹر طالب حسین قلم بند فرماتے جاتے تھے امید ہے ترتیب و تہذیب کے بعد یہ بیانات، علمی و ادبی نقطہ نظر سے حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب پر خاصہ کی چیز ہوں گے۔

جناب صوفی لیاقت کا ذکرِ خیر بطور خاص کیا جانا چاہیے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب سے ان کی عقیدت، محبت کا عجیب رنگ لئے رہی ہے اور جب ان کی عقیدت و محبت نے خدمت کا روپ بھرا تو صوفی لیاقت اہلِ نظر، اہلِ دل کے لئے مثال ہو گئے۔

ملی فرنیچر حلقہ ادب میں حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب تشریف لاتے تھے۔ سارے راستہ جناب صوفی لیاقت اس دولتِ کونین کو سنبھالے رہتے تھے۔ ان کی آنکھیں صرف حضرت پیر سید رشید الدولہ کو دیکھتی تھیں۔ ان کے کان صرف انہیں سنتے تھے۔

بڑی مدت یہ سے سوال سوہانِ رُوح بنا رہا کہ آخر بات کیا ہے کہ جس کی زباں اپنوں بیگانوں کے لئے کوثر و تسنیم سے دھلی ہوتی تھی جن کا دستر خوان ان کے دل کی طرح وسیع تھا۔ جن کی مسیحائی زبان زد خاص و عام تھی جو چاہتے تھے دوسروں کے گھروں میں روشنی کے لئے آسمان سے چاند، تارے اُتار لائیں۔ ۔ ۔ چشمِ فلک نے دیکھا کہ اسے سخت سست کہا جاتا تھا اس کا مقدر بچے کھچے ٹکڑے ہو گیا تھا۔ وقت کا مسیحا خود زخم زخم تھا۔ مطب کے ایک کونہ میں جہاں ان کا بستر بچھا ہوا تھا۔ موم بتی کی لو بھی نہیں لرزتی تھی۔ آخر کار چند دن ہوئے کہ جب مندرجہ ذیل حکایات پڑھنے کا اتفاق ہوا تو یہ عقدہ کھلا کہ انبیائے کرام، خلفائے راشدین اور اللہ کے مقرب بندوں نے اپنے نفس کو کس قدر تنگ رکھا اور دنیاوی مصائب پر کیسے حوصلے سے کام لیا۔

حضرت سید امیر کبیر ہمدانی کی کتاب ذخیرۃ الملوک کا ترجمہ "محاسنِ سلوک" کے نام سے جناب محمد ریاض قادری نے ۱۹۸۶ء میں کیا تھا۔ صفحہ ۱۶۸، ۱۶۹ پر لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی تباہی کے بعد سلطنت عطا ہوئی۔ حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو اریحا کی طرف لے جائیں اور عمالقہ سے بیت المقدس خالی کرائیں بارہ فوجیں موسیٰ علیہ السلام کی سربراہی میں تیار ہوئی ان کے بارہ نقیب تھے۔ سارا لشکر لاکھوں سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ اس طرح ۳۶ یا ۳۹ برس کی حکومت کے بعد بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنا گھر بار نہیں تھا نہ سواری تھی الٹی پوستین پہنتے تھے اونی ٹوپی سر پر پاؤں میں کچے چمڑے کا جوتا ہوتا تھا ہاتھ میں دو شاقہ لئے رہتے تھے۔ جہاں رات پڑتی ٹھہر جاتے بنی اسرائیل میں سے ایک صبح کو دوسرا شام کو انہیں کھانا کھلاتا تھا۔ ایک دن جس شخص کی باری تھی کھانا لانا بھول گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ ۔ ۔ "اے مولا اے میرے آقا یہ کیسی خواری ہے جو موسیٰ پر مسلط کر دی ہے ایک شخص صبح کھانا دے دوسرا شام کو" اللہ جل شانہ نے وحی نازل کی "اے عمران کے بیٹے دل تنگ نہ کر ہم اپنے مقبول بندوں کی روزی گمراہوں کے ذمہ لگاتے ہیں یہ احمق بد بخت ہمارے دوستوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور ہماری رحمت و برکت کے سزاوار ٹھہرتے ہیں"۔

علامہ وحید الرحمٰن نے ایک اور جگہ فرمایا "بے شک مصیبتیں انبیائے کرام پر آتی ہیں پھر اولیا اللہ پر پھر ان پر جو جو لوگ ان کے مثل ہیں۔" بیان کیا گیا "محمد بن اسماعیل بخاری جلا وطنی اور احباب و اعزہ کے نامناسب رویہ سے تنگ دل ہوئے، دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے بار بار عرض کی کہ یہ وسیع دنیا مجھ پر تنگ ہوئی ہے اب تو مجھے اُٹھالے میرے آقا"

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب خدادوست انسان تھے انہوں نے تحسین و آفرین سے بے نیاز زندگی بسر کی کسی چمک دمک نے ان کی آنکھوں کو خیرہ نہیں کیا۔ زمین کی پستیوں سے ہمیشہ ان کی نظر آسمانوں کی بلندیوں پر لگی رہیں۔ ان کا ہر ایک قدم راہِ حق، راہِ خدا صراطِ مستقیم پر تھا۔۔۔ تو۔۔۔ یہ چند ماہ و سال ان پر آزمائش کے تھے جس میں حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب پورے اترے۔ مصطفیٰ زیدی نے بڑے بھائی کا نا مکمل نوحہ لکھا تھا۔

ہم تو جس وقت بھی، جس دن بھی پریشان ہوئے
تم نے آ کر ہمیں محفوظ کیا، راہ دکھائی
اور جب تم پہ بڑا وقت پڑا تب ہم لوگ
جانے کس گھر میں، کہاں سوئے رہے
ہم تری لاش کو کاندھا بھی نہ دینے آئے
ہم نے غربت میں تمہیں زیرِ زمیں چھوڑ دیا
ہم نے اس زیست میں بس ایک نگیں پایا تھا
کسی تربت میں وہی ایک نگیں چھوڑ دیا

یہی نوحہ میرے حسبِ حال ہے جس کی کتابِ زندگی کا ورق ورق حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کی محبتوں سے روشن ہے۔

عرقِ انفعال

اور

موتی

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب زیر لب آیہ کریمہ دہراتے سنے جاتے تھے۔

ویالیتنی کنت معہم فنافوز افوز اً عظیما

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب درد، وظائف اور دعاؤں کی تلقین فرماتے تھے۔

جناب باؤ چراغ دین لاہور میں صاحب فراش تھے۔ حاضر خدمت نہیں ہو سکتے تھے حضرت پیر سید رشید الدولہ نے باؤ جی کا تصور کر کے آیہ کریمہ ۲۱ بار تلاوت کی۔ ایک ہفتہ بعد باؤ چراغ دین صاحب حاضر خدمت ہوئے صحت یابی کا وقت اور دن دریافت فرمایا تو وہی دن تھا اور وہی وقت ۰۰۰ فرمایا" آپ کا خیال سامنے رکھتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں ۲۱ مرتبہ آیہ کریمہ کی تلاوت کے بعد دعا کی تھی۔ قبول ہوئی۔ آیت انہیں بتلائی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الَّذِی لَا یَضُرُّ مَعَ اِسۡمِ شَیۡئٌ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَھُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمِ»

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے اپنی صاحب زادی سلمہا کو بیٹی کے بیمار ہونے پر مریضہ کے قریب بیٹھ کر ۲۱ مرتبہ آیہ کریمہ کی تلاوت کرنے کی ہدایت فرمائی۔

★★★

فرمایا

جناب امیر علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے روایت ہے کہ جس نے روزانہ بعد نماز فجر و نماز عشاء ۱۰ مرتبہ یہ کلمات پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کو آخری سانس تک کسی کا قرض دار، محتاج نہ کرے گا۔ غنی رکھے گا قبر کے عذاب سے بچائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الۡمَلِکُ الۡحَقُّ الۡمُبِیۡنُ

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب دعائے کمیل

اللّٰہمّ انی اسئلک سے اللّٰہم اغفرلی الذنوب التی تنزل النعم ۰۰۰

پڑھنے کی تلقین فرماتے تھے۔

سید ابن طاؤس نے لکھا ہے حضرت امیر علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا "اے کمیل یہ دعائے خضرؑ ہے اگر تم اس دعا کو ہر شب جمعہ ایک بار یا ہر مہینہ میں ایک بار یا ہر برس میں ایک بار یا تمام

عمر میں صرف ایک بار پڑھو تو دشمنوں کے شر سے محفوظ رہو گے۔ تمہارے بہت سے دوست اور خیر خواہ پیدا ہوں گے"۔

(۱)۔ نہج الفصاحت

مرتبہ علامہ نصیر الجتہادی

ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز

(خطبات، مکاتیب، اقوال، و دعائیں منقول از حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)

(۲) صحیفہ علویہ

ترجمہ سید مرتضیٰ حسین فاضل

ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز

(جناب امیر علی ابن ابی طالب سے منقول دعائیں)

(۳) صحیفہ کاملہ

ترجمہ جناب مفتی جعفر حسین مجتہد

ناشر امامیہ کتب خانہ

(حضرت امام زین العابدین علی ابن الحسین شہید علیہ السلام سے منقول دعائیں)

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب مندرجہ بالا دعاؤں کی مبارک کتابوں سے دعائیں تلقین فرماتے تھے۔



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(۱) یَا عُدَّتِیۡ عِنۡدَ کُلِّ شِدَّتِیۡ یَا رَجَائِیۡ عِنۡدَ کُلِّ مُصِیۡبَتِیۡ یَا مُوۡنِسِیۡ عِنۡدَ کُلِّ وَحۡشَتِیۡ یَا صَاحِبِیۡ عِنۡدَ کُلِّ غُرۡبَتِیۡ یَا غِیَاثِیۡ عِنۡدَ کُلِّ کُرۡبَتِیۡ یَا وَلِیِّیۡ عِنۡدَ کُلِّ نِعۡمَتِیۡ یَا غَائِثِیۡ عِنۡدَ کُلِّ مِحۡنَتِیۡ یَا دَلِیۡلِیۡ عِنۡدَ کُلِّ حَیۡرَتِیۡ یَا غِنَائِیۡ عِنۡدَ کُلِّ اِفۡتِقَارِیۡ یَا مَلۡجَائِیۡ عِنۡدَ کُلِّ اِضۡطِرَارِیۡ یَا مُعِیۡنِیۡ

(۲)۔ عِنۡدَ کُلِّ اِضۡطِیَارِیۡ سُبۡحٰنَکَ یَا لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنۡتَ خَلِّصۡنَا مِنَ الۡغَمِّ وَالۡھَمِّ وَالنَّارِ یَا رَبِّ ط

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَا اَعْلَمُ مِنْ کُلِّ عَلِیْمٍ یَا اَعْظَمُ مِنْ کُلِّ عَظِیْمٍ یَا اَکْرَامُ مِنْ کُلِّ کَرِیْمٍ یَا اَحْکَمُ مِنْ کُلِّ حَکِیْمٍ

یَا اَقْدَامُ مِنْ کُلِّ قَدِیْمٍ یَا اَکْبَرُ مِنْ کُلِّ کَبِیْرٍ یَا اَلْطَفُ مِنْ کُلِّ لَطِیْفٍ یَا اَجَلُّ مِنْ کُلِّ جَلِیْلٍ یَا اَعَزُّ مِنْ کُلِّ عَزِیْزٍ یَا اَرْحَمُ مِنْ کُلِّ رَحِیْمٍ سُبْحٰنَکَ یَا لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ خَلِّصْنَا مِنْ انعم وَالْھَمِّ وَالنَّارِ یَا رَبِّ ط۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَا مَنْ لَہُ الْمُلْکُ وَالْجَلَالُ یَا مَنْ لَہُ الْقُدْرَۃُ وَالْکَمَالُ یَا مَنْ ھُوَ الْکَبِیْرُ الْمُتَعَالُ یَا مَنْ ھُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ یَا مَنْ ھُوَ یُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالِ یَا مَنْ ھُوَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ یَا مَنْ ھُوَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ یَا مَنْ ھُوَ عِنْدَہٗ شَدِیْدُ الْعِقَابِ

یَا مَنْ عِنْدَہٗ حُسْنُ الثَّوَابِ سُبْحٰنَکَ یَا لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ خَلِّصْنَا مِنَ الْغَمِّ وَالْھَمِّ وَالنَّارِ یَا رَبِّ ط

حضرت پیر سید رشید الدولہ کی مناجات کا انداز یہ تھا

خدایا بحق بنی فاطمہؑ

کہ بر قولِ ایماں کنی خاتمہ

اگر دعوتم ردّ کنی در قبول

من و دست دامانِ آلِ رسول

الٰہی آگ سے امن و اماں دے

الٰہی جنتِ اعلیٰ مکاں دے

طفیلِ سرورِ سردار عالم

طفیلِ آل و اصحابش بکرم

توجہ کن توجہ کن بحالم

کر دور دستِ مصائب پائیمالم

☆☆☆

دعائیں

اے بارِ خدا احمد مختار کا صدقہ

بعد اُن کے وصی حیدرِ کرار کا صدقہ

بنتِ نبی عترتِ اطہار کا صدقہ

حسنین اور عابدِ بیمار کا صدقہ

کر دور الم میرے علمدار کے صدقے

ہو مجھ پر کرم جعفرِ طیار کے صدقے

یا علی آپ کا وسیلہ ہے

یا ولی آپ کا وسیلہ ہے

آپ میرے مرض کی دوا بھیجیں

اور مجھے کربلا بلا بھیجیں

یا عالیٔ علےٰ خدا کے واسطے

دور کر میرا مرض خیر الوریٰ کے واسطے

یا مرتضیٰ علی و ولی انت مرشدی

وَاللہ لَا اُقصِرُ عن ذٰلیکُم یدی

آپ نے سلما کو چھوڑایا شیر سے

میں سوالی منتظر ہوں دیر سے

فاتح خیبر میری سرکار ہو

اک نظر کر دیں تو بیڑا پار ہو

یا علی گفتی چوں در ماندی شوم من دست گیر

عاجزم در ماندہ ام اکنوں بیا دستم بگیر

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

الٰہی بندہ ہوں میں، بس گنہگار
کہ بھاگا در سے تیرے دن میں سو بار
الٰہی ہیں بُرے اعمال میرے
الٰہی زِشت ہیں افعال میرے
گناہوں میں کٹی ہے عمر ساری
ہے تجھ حضرت سے مجھ کو شرمساری
میں بد اعمال سے اپنے خجل ہوں
میں بد افعالیوں سے منفعل ہوں
الٰہی در بدر بھٹکا پھرا میں
نہ آسودہ ہوا ہر گز ذرا میں
الٰہی ہر طرف سے پھر پھرا کر
پڑا ہوں تیرے دروازے پہ آ کر
تیرا در چھوڑ کس کے پاس جاؤں
بجز تیرے کسے مولا بناؤں
الٰہی رنج و غم میں مبتلا ہوں
الٰہی سخت مشکل میں پڑا ہوں
الٰہی میں مصیبت کا ہوں مارا
بجز تیرے نہیں کوئی سہارا
الٰہی کر میری مشکل کشائی
تیرے قبضہ میں ہے ساری خدائی
میں ہوں منجدھار میں مجھ کو بچا دے
میری کشتی کنارے سے لگا دے
الٰہی تو قوی اور ناتواں میں

خداوندا کہاں تو اور کہاں میں
خدایا پادشاہ تو میں گدا ہوں
غریب و دردمند و بے نوا ہوں
مجھے ہے اک فقط تیرا سہارا
ہے کافی ایک رحمت کا اشارہ
کُجا جویم بجز از تُو پناہے
جنابِ تست عالی بارگاہے
غیاثا مستغیثا رحم فرمائے
غریبم بر منِ مسکیں بہ بخشائے
بہ فریادم رس اے عالم پناہا
خطا کارم بہ بخشائے پادشاہا
گنہگارم گنہگارم گنہگار
خطا کارم خطا کارم خطا کار
الٰہی بخش دے اپنے کرم سے
چھڑا دے دین اور دنیا کے غم سے
نہ رکھوں کچھ غرض شاہ و گدا سے
جو کچھ چاہوں تو چاہوں تجھ خدا سے
الٰہی ہیں سبھی محتاج تیرے
الٰہی بخش دے ماں باپ میرے
سخائے تست عام اے پادشاہا
عطا فرما بہ من مقصودِ مارا
الٰہی جملہ حاجاتم رواکن
ز فضلِ خویش مقصودم رواکن
چگونہ عالم است انت بصیری

چہ مقصود من است انت خبیری
الٰھی اَنْتَ ذُوْ فَضْلٍ وَّ مَنٍّ
وَ اَنِّی ذُوْ خَطَایَا فَاعْفُ عَنِّیْ
وَظَنِّی رَحیک یَا رَبِّی جَمِیْل
مُحَقِّقٌ یَا اِلٰھی حُسْنَ ظَنِّیْ
الٰہی مجھ کو کر خاکِ مدینہ
لگا دے گھاٹ سے میرا سفینہ
الٰہی دردِ عشقِ مصطفٰےؐ دے
پھر اس کے وصل کی مجھ کو دوا دے

دعائیں اور مناجات حضرت پیر سید رشید الدولہ کے اپنے قلم سے لکھی ہوئی صاحب زادی سیدہ فرخ جمشید سلمہا کے پاس موجود ہیں۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے فرمایا کہ تمہاری دادی اماں ٹھیک کہتی تھیں رات کے آخری پہر خدائی تخت ساتویں سے پہلے اسمان پر اتر آتا ہے اس وقت منادی کی آواز آتی ہے۔ "کوئی ہے اس وقت جو اپنے رب سے کچھ طلب کرے اور دے دیا جائے" حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب حامد حسن سید کی جانب متوجہ ہوئے فرمایا اُس وقت یہ دعا کرنا:

اللھم صلی علی محمدٍ و آل محمد
اللھم اجعلنی مع محمدٍ و آل محمد فی کلِ عافیتٍ و بلاءٍ
واجعلنی مع محمدٍ و آل محمد فی مثویٍ و منقلبٍ اللھم
اجعل محیایي محیاکم و مماتی مماتکم واجعلنی فی مواطن
کلھا لا تفرق بینی و بینکم ان اللہ علی کلِ شیٍ قدیر
اللہ صلی علی محمدٍ و آل محمد

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے توقف کیا۔ آیہ مبارکہ تلاوت فرمائی ترجمہ کیا "کہہ دو کہ میں ان کے پاس ہوں اور جب کوئی مجھ سے دعا مانگتا ہے تو میں دعا کو سنتا اور قبول کرتا ہوں"

راقم کبھی بے جی، کبھی نانی صاحبہ کبھی نانی اماں کا جو ذکر کرتا ہے اس سے مراد حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کی والدہ ماجدہ ہیں۔ اسی طرح کبھی اباجی، کبھی پیر صاحب کبھی حکیم صاحب کا جو ذکر کیا گیا ہے جس سے مراد حضرت پیر سید رشید الدولہ ہیں۔

شکریہ

راقم اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہے کہ ان دو حضرات کا شکریہ ادا کرے کہ جن کی قلمی معاونت اور قیمتی مشوروں نے قدم قدم پر میری راہنمائی کی اور حوصلہ بڑھایا اور میں اس قابل ہو سکا کہ معزز اور باذوق قارئین کی خدمت میں ایک خوبصورت کتاب پیش کر سکوں۔

۱۔ قبلہ گاہی جناب سید حامد حسن صاحب

۲۔ جناب شاہ زمان بٹ صاحب

۳۔ جناب منیر احمد سلیچ صاحب

گجرات ۷ فروری ۱۹۹۶ء   پروفیسر ڈاکٹر پیر نصیر الدولہ

حکیم پیر سیّد رشید الدولہ صاحب

اور ان کے عزیز و اقارب

۱۔ حافظ پیر سید گلاب شاہ صاحب حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کے والد ماجد۔

۲۔ بی بی فضل نور صاحبہ حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کی والدہ ماجدہ جنہیں سب "بے جی" کہتے تھے۔

۳۔ پیر سید عزیز الدولہ صاحب "آغا صاحب" حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کے سب سے بڑے بھائی۔

۴۔ پیر سید حافظ امین الدولہ صاحب، حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کے منجھلے بھائی جنہیں چھوٹے بڑے سب "حافظ جی" کہتے تھے۔

۵۔ بیگم زبیدہ خانم صاحبہ "آنٹی صاحبہ"، حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کی بڑی بہن۔

۶۔ حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب

۷۔ پیر فیروز شاہ صاحب، حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کے تایا زاد بڑے بھائی۔

۸۔ پروفیسر ڈاکٹر پیر نصیر الدولہ صاحب، حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کے داماد اور بھانجے

۹۔ بیگم فرخ جمشید صاحبہ، حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کی بیٹی اور ڈاکٹر پیر نصیر الدولہ صاحب کی بیوی

۱۰۔ پروفیسر نصر الدولہ عرف "پینا"، حکیم پیر سید رشیذ الدولہ صاحب کے داماد اور بڑے بھائی حافظ امین الدولہ کے اکلوتے بیٹے بعض دوست انہیں پروین الدولہ اور انور بھی کہتے ہیں۔

حافظ پیر سید گلاب شاہ صاحب

مہاراجہ جموں کشمیر کی نوازش

حافظ پیر سید گلاب شاہ جی احباب کے ساتھ گرمیوں میں کشمیر کی سیر کو جاتے تھے۔ انہیں معلوم ہوا کہ چند روز میں مہاراجہ جموں کشمیر پرتاپ سنگھ کے دربار میں حسن قرات کا مقابلہ ہونے والا ہے۔ ہندوستان بھر کے قاری حضرات مقابلہ میں حصہ لیں گے۔ حضرت گلاب شاہ جی کا بھی خیال تھا کہ حصہ لیں احباب نے بھی اصرار کیا چنانچہ مقررہ دن پر دربار تشریف لائے قاریوں نے خوش الحانیوں سے سماں باندھ دیا۔ کوئی کسی سے پیچھے تھا نہ نیچے۔ اب حافظ پیر سید گلاب شاہ جی کی باری آئی انہوں نے اس پُرسوز آواز میں تلاوت فرمائی کہ ہر طرف سے سُبحان اللہ، سُبحان اللہ، جزاک اللہ کی صدائیں بلند ہونے لگیں ہندو سکھوں پر بھی ایسا اثر ہوا کہ اکثر کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ تلاوت کے اختتام پر مہاراجہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اِدھر اُدھر گھومنے لگے۔ بڑے احترام کے ساتھ گلاب شاہ صاحب کو خلعت کے ساتھ رخصت کیا یہ بھی کہا کشمیر دربار میں رہ جاؤ مگر جب معلوم ہوا کہ حضرت سید کبیر الدین شاہ دولہ کی اولاد سے ہیں تو اور احترام بڑھا۔ چند بکریاں، ایک گھوڑا، شہد کے مٹکے اور چند لکڑی کی "گیلیاں" دیں جو جہلم دریا میں بہہ کر گجرات آئیں انہیں سے دیوان خانے کی کھڑکیاں دروازے بنائے گئے چھت میں شہتیر اور کڑیوں کے طور پر یہ لکڑی استعمال کی گئی اور اب تک اور ایسی ہی سالم و ثابت مضبوط پائیدار ہے۔

پیر سید حافظ گلاب شاہ صاحب سنِ تمیز تک پہنچے تھے کہ حافظ قرآن ہوئے اللہ تعالیٰ نے انہیں خوش الحانی کی نعمت سے اس کے علاوہ نوازا تھا۔ ایک زمانہ میں خاندانی رہائش درگاہ حضرت کبیر الدین شاہ دولہ دریائی کے عقب میں کوچہ بندی میں تھی۔ جب حضرت پیر سید گلاب شاہ صاحب قرآن خوانی فرماتے مزار پر حاضرین، عقیدت مند پروانہ وار حضرت پیر سید گلاب شاہ صاحب کے ارد گرد جمع ہو جاتے اور یوں کھڑے رہتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ تلاوت ختم ہوتی مگر سامعین ایک

عرصہ اسی کیفیتِ سرمدی میں گم کھڑے رہتے تھے۔

مشہور زمانہ ریکارڈنگ کمپنی "ہزماسٹرز وائس" نے چند ریکارڈ اس زمانہ میں تیار کرائے تھے جو ابھی تک خستہ حالت میں موجود ہیں۔

اذان سے ۰۰۰

پیر سید گلاب شاہ صاحب کی بڑی بہن گاؤں مسانی موجودہ مشرقی پنجاب میں بیاہی گئی تھیں۔ حافظ سید گلاب شاہ صاحب کی ملاقات بہن جی سے آٹھ دس برس نہ ہو سکی۔ گجرات سے مسانی کے لیے رختِ سفر باندھا مسانی گاؤں کا علم تھا۔ بہن جی کے گھر کی خبر نہیں تھی۔ مسانی پہنچے تو صبح ہونے کو تھی مسجد تشریف لائے سوچا اب پوچھنے کی کیا ضرورت ہے امام مسجد سے اجازت لی اور آوازِ اذان بلند فرمائی آواز سے جہاں گاؤں والوں کے دل جھوم جھوم گئے وہاں بہن جی نے آواز کو پہچان لیا نوکر کو مسجد کی طرف دوڑایا یوں ۸/ ۱۰ برس کی جدائی کے بعد بہن کی ملاقات ہوئی۔

دیوان خانہ کی تعمیر!

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کے والد ماجد حضرت پیر سید حافظ گلاب شاہ صاحب، درگاہ حضرت سید کبیر الدین شاہ دولہ دریائی کے عقب کوچہ بندی میں رہتے تھے دیوان خانہ زمین فی الحال سفیدہ زمین تھی۔ حضرت پیر سید حافظ گلاب شاہ صاحب ایک دن یونہی کھڑے سوچ رہے تھے۔ اِدھر سورج ڈوب رہا تھا اُدھر قسمت کا ستارہ طلوع ہو رہا تھا کہ سائیں کانواں والی سرکار دستِ مبارک میں حسبِ عادت "کانے" لئے تشریف لائے فرمایا "کیا سوچ رہے ہو؟ کیا بات ہے "؟ عرض کیا" سائیں جی سوچ رہا ہوں دیوان خانہ تعمیر کراؤں مگر اندیشوں میں گھرا ہوں اپنے اعزا رکاوٹ ڈالیں گے تو۔ ۔ ۔ ۔"

سائیں کانواں والی سرکار وہیں زمین پر بیٹھے اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے "کانے" سے نقشہ کھینچا جس میں بڑا ہال تھا، برآمدہ، تین کمرے، ایک کمرہ دوسری منزل پر جسے چوبارہ کہتے ہیں۔ فرمایا" کل کام شروع کرو کچھ نہیں ہو گا۔ ۔ ۔"

پیر سید گلاب شاہ صاحب نے حسب ہدایت تعمیر شروع کرادی اور وہ لاٹھیاں، کلہاڑیاں لے کر آ دھمکے لیکن دخل اندازی ممکن نہ دیکھی۔ ۔ ۔ مگر کیوں؟ معلوم نہیں، دیواریں اٹھتی گئیں دیوان خانہ

تعمیر ہو گیا۔۔۔ اہلِ خانہ اِدھر اُٹھ آئے حضرت پیر سید گلاب شاہ صاحب نے۔ یہیں انتقال فرمایا۔ حافظ صاحب کے چھوٹے بچے، تین بیٹے اور ایک بیٹی۔ اماں جی کے ساتھ۔ یہیں رہتے تھے۔ انہیں کوٹھی والا پکارتے تھے۔

کوچہ بندی والا مکان ماسٹر نور حسین صاحب سیالکوٹی کو دے دیا۔ جو اس مکان میں بلا کرایہ ۱۲ ۱۴ برس مقیم رہے۔

اب بے جی یہ سوچ کر جگہ بے آباد ہے اجاڑ، حد بندی کے لئے باڑ لگادی گئی مگر دیوار بنادی جائے تو زیادہ محفوظ ہو گا۔ اینٹیں خریدی گئیں مزدور مستری وغیرہ بلائے گئے بنیادوں کے لئے کھدائی شروع کی گئی مگر بارِ دیگر وہی، جس کا ڈر تھا اعزا پھر چڑھائی کر کے آن پہنچے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کی عمر چوبیں برس تھی۔ دونوں بھائی آغا صاحب اور حافظ امین الدولہ ان سے بڑے تھے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے زنان خانہ میں کہرام دیکھا تو جہاں احمد حسین، اعجاز فاروقی، ماسٹر نور حسین، مستری فضل کریم، لالہ مجید بوتلوں والے، میرزا قدیر، یوسف چابک سوار، غلام رسول ساناپان والے، گل زمان ۔۔۔ کو پیغام زبانی بھیجے اور یہ حضراتِ گرامی مرنے مارنے پر تیار ہو کر آئے۔ زنان خانہ سے اہلِ خانہ کے رونے کی آوازیں برابر اُبھر رہیں تھیں لڑائی بس ہوا چاہتی تھی کہ شمال کی طرف سے ایک بزرگ انسان گھوڑے پر سوار کالا لباس پہنے عمامہ سر پر عصا ہاتھ میں لئے بیچوں بیچ آن کھڑے ہوئے مزدوروں مستریوں سے کہا "دیواریں اٹھاؤ۔۔۔ کچھ نہیں ہو گا۔۔۔" کام شروع ہو گیا دیواریں بلند ہونے لگیں اور پھر۔۔۔ وہ سوار اسی طرح شمال کی طرف چلا گیا۔۔۔ وہ کون تھا؟۔۔۔ معلوم نہیں۔۔۔ بہر حال تین دنوں میں پردہ کی دیواریں تیار ہو گئیں خوف و ہراس کی ہوا اور فضا تحلیل ہو گئی۔

والدہ ماجدہ

پیر سید گلاب شاہ صاحب کا انتقال اس وقت ہوا جب حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب، ان کے دو بڑے بھائی اور ایک بہن کم سن تھے۔

پیر سید گلاب شاہ صاحب حافظِ قرآن تھے اور خدائے تعالیٰ نے انہیں لحنِ داؤدی عطا کیا تھا۔ جب تخت پوش پر بیٹھ کر، جو اس جگہ بچھا رہتا تھا جہاں آج کل دیوان خانہ کے مشرق میں آبائی قبرستان ہے تلاوت فرماتے تو راہ چلتے لوگ رک جاتے تھے۔ پانڈی مزدور جو سروں پر بوجھ اٹھائے چلے جاتے تھے سامان پرے رکھ کر چپ چاپ کھڑے تلاوت سنتے تھے۔

والدہ ماجدہ بچوں کو پیر سید گلاب شاہ صاحب کی باتیں سنایا کرتی تھیں حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کا اشتیاق بڑھا۔ بڑی خواہش تھی کہیں سے ان کی کوئی تصویر مل جائے جو نہ ملنی تھی نہ ملی ۔۔۔ بے جی نے چاروں بچوں کی بڑے عزم و احتیاط سے پرورش کی۔ گھر میں دوسرا آدمی بھی نہیں تھا جو خبر گیری کرتا۔ رشتہ داروں عزیزوں "شریکوں" کا مسئلہ بھی تھا۔ جو دیوان خانہ پر قبضہ کی فکر میں رہتے تھے ۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب ایک روز نہا دھو کر بال سنوارے باہر بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے اماں جی نے دیکھا تو بلا لیا۔ اندر آئے تو زار و قطار رونا شروع کیا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے وجہ پوچھی تو کہا" حافظ گلاب شاہ کہتے تھے میرا سب سے چھوٹا بیٹا میرا نام روشن کرے گا مگر تم ہو کہ دوسرے بچوں کی طرح بال سنوارے لاپروائی سے کھیل رہے ہو ۔۔۔" حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب یہ سن کر باہر نکل گئے اور نائی کی دکان پر جا کر بال کٹوا دیے۔ پھر ساری عمر نہ بال بڑھائے نہ سنوارے سجائے ۔۔۔ مگر مسئلہ صرف بال بڑھانے یا کٹوانے کا نہیں تھا۔ مسئلہ " کانٹا بدلنے" کا تھا۔ نہ پتنگ بازی کی خبر لی نہ گولیوں بنٹوں میں دلچسپی۔ سر پر صرف ایک دھن سوار ہو گئی زیادہ سے زیادہ علم حاصل کریں۔

حکمِ خداوندی ہے

"جب تمہارے ماں باپ بوڑھے ہو جائیں ان کے سامنے اُف نہ کرو۔"

بوڑھی نانی یا دادی جی سے محبت بھی ہوتی ہے ان کی جائز ناجائز باتیں سُنی اور مانی جاتی ہیں۔ کوشش ہوتی ہے کہ خوش رہیں اور خوش خوش رخصت ہوں۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب ہر ممکن کوشش فرماتے تھے کہ بے جی کو ہر طرح مطمئن اور خوش رکھیں۔

پرانے زمانہ کا دستور یہ تھا کہ گھر کی سب سے بڑی بوڑھی خاتون ہانڈی کلھیا کی مالک مختار ہوتی تھیں خود ہی پکاتی تھیں اور کھاتی کھلاتی تھیں۔ سب کے سب ان کے اِرد گرد باورچی خانہ میں آ کر بیٹھ جاتے تھے نانی یا دادی جی بچوں سے شروع کر کے ہر ایک کو باری باری بھگتاتی جاتی تھیں۔ کھانے دانے روٹی پانی، سالن کے سلسلہ میں سب کی خبر گیری کرتی تھیں۔ کچھ اور چاہیے تو باری کے بغیر بھی نانی یا دادی جی سے مانگ سکتا تھا۔ نظم و ضبط احترام بہر حال پیش نظر رکھا جاتا تھا۔

راقم نویں جماعت میں پڑھتا تھا حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کی اماں جی جنہیں سب بے جی کہتے تھے سارا کام کاج ہنڈیا کلھیا کا کرتی تھیں اس میں مہمان داری بھی شامل تھی دیوان خانہ میں مہمانوں کی کمی نہیں تھی۔ حسبِ دستور انہیں پہلے کھانا کھلایا جاتا تھا گھر والے اب بے جی کے اِرد گرد دائرہ بنا کر فرش پر بیٹھے ہوتے حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کوئی خاص مہمان عزیز ہوتے تو دیوان خانہ میں کھانا کھاتے تھے ورنہ بے جی کے پاس باورچی خانہ میں سب کے ساتھ مل بیٹھتے تھے۔ بے جی سالن اور روٹی کے ساتھ ٹرے باری باری ایک ایک کی طرف بڑھا رہی تھیں۔ یونہی انہوں نے ایک بات کہی حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے جواب دیا جو حسبِ منشا نہیں تھا۔ بے جی کو برداشت کہاں تھی پھٹ پڑیں کہا "دفع ہو سامنے سے، مجھے منطق پڑھاتا ہے" فرمایا "بے جی ہو گا وہی ہو گا جیسی آپ کی مرضی۔ میں نے صرف رائے دی ہے، اظہارِ خیال کیا ہے۔" فرمایا "رائے دی ہے کیسی رائے، کیا اظہارِ خیال، یہ باتیں علامہ مشرقی نے کہا کر۔ اگر اپنی بے جی سے کہا تو میں سوٹالے کر سر پھاڑ دوں گی۔" انہوں نے سچ مچ دَدری کا ڈنڈا اُٹھالیا حضرت پیر سید رشید الدولہ بھاگ کھڑے ہوئے بے جی ان کے پیچھے پیچھے تھیں۔۔۔ کہا "ہاتھ لگ جائے بندوق سے اُڑا دوں گی۔۔۔" حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کتاب خانہ میں اندر پہنچ گئے تھے جہاں کونے میں ایک دونالی رکھی رہتی تھی وہ اُٹھالی اور ۳۰۲ کی رائفل، دونوں لے کر سامنے جا کھڑے ہوئے۔ فرمایا "دونوں حاضر ہیں بے جی اب جیسے آپ کی

مرضی۔" بندوق ایک کے بجائے دو دیکھ کر ان کا غصہ رفو چکر ہو گیا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کو گلے لگایا... رونے لگیں... ساتھ ساتھ کہتی جاتی تھیں "بے جی کی بات نہ کاٹا کر نہ مرضی کے خلاف بولا کر۔"

ہماری سبے جی بڑی باہمت، حوصلہ مند تھیں۔ بچے چھوٹے تھے سروں سے باپ کا سایہ اُٹھ گیا تھا۔ ان کی پرورش تعلیم و تربیت انہوں نے بڑی خوش اسلوبی سے کی... اپنی برادری سے بُری عادتوں کے مالک جنہیں شراب کا نشہ بھی تھا۔ یہ سمجھ کر بیوہ اکیلی ہے اس کی حفاظت کون کرے گا۔ جھومتے جھامتے کوچہ بندی والے مکان کی ڈیوڑھی سے اندر آ گئے بے جی نے بھینس کے گلے سے زنجیر کھول کر اس سے اس کی ٹھکائی شروع کی۔ بے دم ہو کر گرا تو اسے ٹھوکریں مار مار کر باہر گلی میں پھینک دیا۔

بے جی بچے لے کر دیوان خانہ آ گئیں تھیں۔ اکثر حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب خاکساروں کے کیمپ میں شمولیت کے لئے دس دس بارہ بارہ دن کے لئے چلے جاتے تھے۔ بے جی گھریلو نوکرانی اللہ رکھی کے ساتھ پستول گلے میں ڈالے دیوان خانہ میں چکر لگاتی تھیں تاکہ کسی کو شرارت کا موقعہ نہ ملے۔ اور اگر شرارت کرے تو بچ کر نہ جائے۔

بے جی کا مسئلہ صرف محبت، حوصلہ، دلیری کا نہیں، بلکہ اس میں ان کی ضد اور اَنا بھی شامل تھی انہیں کسی کا کام پسند نہیں آتا تھا۔ اپنے کام میں بھی کسی کا دخل گوارا نہیں تھا۔ عمر کافی تھی بھاری چارپائیاں... اُوپر چھت پر چڑھانے کے لئے حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے ایک نوکرانی خاص رکھ دی تھی۔

رات کے وقت دیوان خانہ کی چھت پر گرمیوں میں سونے سے پہلے کسی بی بی نے ان کی نوکرانی سے پانی کا گلاس لانے کے لئے کہا۔ وہ بے چاری لے آئی۔ بے جی اس بے طرح ناراض ہوئیں کہ انہوں نے نوکرانی کی خوب پٹائی کی اور وہ اسی رات صبح سے پہلے اندھیرے میں چلی گئی۔

بے جی کو اولاد سے بہت محبت تھی۔ آغا جی کی وفات کے بعد اپنے آخری دم تک کبھی ان کرسیوں پر نہ بیٹھیں نہ کسی کو بیٹھنے دیا جو آغا جی استعمال کرتے تھے... کئی کرسیاں اب بھی گھر میں محفوظ ہیں۔

بچے شرارتی ہوتے ہیں کچھ کم کچھ زیادہ ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں شرارت کوٹ کوٹ کر بھری

ہوتی ہے ان میں اپنا شمار تھا۔

نانی اماں بہت پیار کرتی تھیں مگر اس کا کیا ہے سبھی بہت پیار کرتے تھے۔ پیسے ٹکے کی تکلیف نہیں تھی۔

نانی اماں پانچ وقت کی پکی نمازی تھیں فجر کی نماز کے بعد تلاوت کرتی تھیں۔

گرمی کا موسم تھا نانی جی صحن میں مصلیٰ ڈال کر نمازِ عصر پڑھ رہی تھیں۔ کُرتا پہنا ہوا تھا۔ اس کی دائیں جیب میں صندوقوں کی چابیاں ڈالی ہوئی تھیں۔ معلوم تھا کہ ان کے صندوق میں گھر کے پیسے ٹکے رکھے جاتے خرچ اخراجات سب کچھ نانی جی کے ہاتھ میں تھا۔ نانی جی گنتی گناتی بھی نہیں تھیں۔

بس چپکے سے چابیاں نکال لیں۔ صندوق کا تالہ کھولا جو اسی کمرہ میں تھا جسے صندوقوں والا کمرہ کہتے تھے جہاں اور صندوق دھرے تھے۔ خانہ سے مٹھی بھر ریزگاری نکال لی صندوق بند کر کے تالا لگا دیا اور احتیاط کے ساتھ چابیاں بے جی کی جیب میں واپس ڈال دیں جب بے جی حالت قیام میں تھیں۔

ہفتوں یہ کھیل چلتا رہا۔ کبھی ظہر، کبھی عصر، کبھی مغرب کی نماز کے وقت چابیاں نکال لیتے۔ دو تین ہفتوں کے بعد نانی جی نے تنہائی میں کہا "بچے مجھے لگتا ہے میرے صندوق میں سے کوئی پیسے نکال لیتا ہے۔ مجھے ریزگاری کچھ کم کم نظر آتی ہے۔" ہوشیاری سے کہا "اچھا تو بے جی آپ کے پاس پیسوں کا صندوق بھی ہے" ۔کہا "صندوقوں والے کمرہ میں آؤ" اندر سے انہوں نے کنڈی چڑھالی دیوار کے ساتھ والا بڑا صندوق کھولا اس کے اندر دو خانے تھے ایک اوپر دوسرا نیچے دونوں میں تالا لگا ہوا تھا۔ بے جی نے سامنے والے خانہ کا تالا کھولا۔ یہ الماری کی طرح کھلتا تھا۔ اندر ہاتھ ڈال کر کہا "دیکھو یہ پیسے کم ہو رہے ہیں" کہا" بے جی آپ کو غلطی لگی ہے "کہا" میری نظر ٹھیک ٹھاک ہے "کہا" گھر میں سب سے شرارتی ہوں آپ کو مجھ پر شک ہو گا۔" کہا "نہیں میں تمہیں پیسے دیتی ہوں۔ تمہاری امی بھی، کسی اور نے بھی ہاتھ نہیں روکا۔ تم جانتے ہو جتنا مانگو جب مانگو، مل جائے گا۔ تمہیں بھلا چوری کی کیا ضرورت ہے۔ البتہ میں تمہارے ابا جی سے کہنا نہیں چاہتی سوچیں گے کوئی لڑکا چور بھی ہمارے گھر میں ہے۔"

اس کے بعد حرکت بند کر دی۔

کئی ہفتے گزر گئے نانی اماں صبح سویرے نماز اور تلاوت سے فارغ ہو کر سیف الملوک پڑھ رہی تھیں (یاد رہے کہ آپ صبح کے وقت سیف الملوک، قصہ یوسف و زلیخا، قصہ ہیر رانجھا، قصہ مرزا

صاحباں اور پکی روٹی وغیرہ پڑھا کرتی تھیں۔ اور اکثر پڑھتے پڑھتے آبدیدہ ہو جاتی تھیں) قریب ہو بیٹھا۔ رازداری میں کہا "اماں جی تمہارے پیسے میں ہی نکالتا تھا صرف شرارت کے طور پر۔" بے جی نے کہا "چل ہٹ جا تم ایسا نہیں کر سکتے نہ کر سکتے تھے۔ یہ مجھے پتہ ہے چلو جاؤ۔ میں منزل کر لوں، بِنا منزل کھوئی نہیں کرتے۔"

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کو والدہ صاحبہ سے بہت پیار تھا جس کا معمولی اظہار ان کی خاطر خدمت تھی۔ کمزوری جب حد سے سوا ہوئی حتیٰ کہ خود نہا بھی نہیں سکتی تھیں، حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب زادیوں سے کہتے تھے کہ تم والدہ صاحبہ کو نہلاؤ میں دروازے کے باہر پانی کی بالٹیاں بھر بھر کے دیتا ہوں کسی نوکرانی سے حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب یہ کام نہیں کرواتے تھے مبادا والدہ صاحبہ کے جسم کو کوئی سخت ہاتھ لگا دے ۰۰۰ اور پھر بستر مرگ پر دیکھ بھال دوا دارو کے علاوہ صفائی ستھرائی سب پیر سید رشید الدولہ صاحب بہ نفسِ نفیس خود کرتے تھے ایسا نہ ہو کوئی کراہت محسوس کرے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب ہر شام جتنی رقم پاس ہوتی اندر تشریف لاتے ساری کی ساری والدہ صاحبہ کی جھولی میں ڈال دیتے تھے ۰۰۰ ضرورت ہوتی ان سے مانگ لیا کرتے تھے ۰۰۰ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے والدہ صاحبہ سے کچھ پیسے مانگے، فرمایا "میرے پاس کوئی اپنا پیسہ نہیں جو ہیں میرے پاس کسی نے امانت رکھوائے ہیں" ۰۰۰ حضرت پیر سید رشید الدولہ اس گہری بات کو سمجھ بوجھ کر مسکرا دیتے تھے۔

نانی صاحبہ کی صحت مسلسل بگڑنے لگی اور بالآخر انہوں نے ۱۳۵ برس کی طویل عمر پا کر ۱۹۷۱ء میں اس جہانِ فانی سے کُوچ فرمایا۔

اندرون شیشیانوالہ گیٹ محلہ مراثیاں جہاں ہمارے جگت "استاد جی" رہتے تھے قد چھوٹا، چھوٹی چھوٹی آنکھیں سر پر بڑی سفید پگڑی سارنگی کے ماہر تھے۔ اکثر دیوان خانہ میں آتے تھے حافظ جی تبلہ، میاں احمد حسین اور فضل صاحب دیوان خانہ میں ہوتے تو غزل چھیڑ دیتے۔ ؎

یاد نہ کر دلِ حزیں گزری ہوئی کہانیاں
یار کی بزمِ ناز میں کٹتی ہوئی جوانیاں

یا

نہ پھرے عدم کو جو چل بسے، ہے جزا سزا کی خبر کسے
ہیں یہ سب یہیں کے مباحثے نہ ثواب ہے نہ عذاب ہے
ہے سمندِ عمر رواں رواں بشر آگے پیچھے دواں دواں
ہے رواں عدم کو یہ کارواں جسے دیکھو پا بہ رکاب ہے

اس غزل کا مطلع مجھے یاد نہیں مگر شروع کچھ یوں ہوتا تھا "یہ زمانہ عالم خواب ہے۔۔۔"

نانی اماں سے پوچھا "حافظ جی قبلہ یہی غزلیں کیوں سنتے ہیں۔۔۔" رو پڑیں۔ کہا "بیٹا آغا صاحب عالمِ جوانی میں انتقال کر گئے تھے انہوں نے یہ دو غزلیں استاد جی سے یاد کی تھیں اور انہیں ستار پر سنایا کرتے تھے"۔

ایک دن نانی اماں کو دیکھا چرخہ کات رہی ہیں اور یہی اشعار دہرا رہی ہیں اور آنکھیں چھلک رہی ہیں۔

نانی اماں نے بتلایا کہ آغا صاحب کو ان غزلوں کے علاوہ فارسی اردو کا عمدہ کلام یاد تھا۔ اور ستار پر اکثر سنتے سناتے رہتے تھے ایک شعر نانی جان نے یہ سنایا۔

نہ چین پائے گا تو بھی ظالم، کسی کا خانہ خراب کر کے
یہ یاد رکھنا کہ لیں گے بدلہ جناب باری حساب کر کے

آغا صاحب شدید بیمار تھے بے چینی میں کروٹیں بدل رہے تھے۔ احباب نے پوچھا۔ "آغا صاحب کیا بات ہے زیادہ بے چینی ہے" فرمایا۔

کبابِ سیخ ہیں ہم کروٹیں ہر سُو بدلتے ہیں
جو جل جاتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں

پیر سید عزیز الدولہ صاحب

ایک گدھے کی سر گزشت

میاں اعجاز فاروقی، میاں ممتاز فاروقی کے بڑے صاحب زادے، گل زمان (ایکز)، میاں احمد حسین، آغا صاحب، حافظ جی، فضل اور رحمہ نوکر کے ساتھ سائیں کانواں والی سرکار کا میلہ دیکھنے گئے۔ واپسی پر آزاد مسلم ہائی سکول (موجودہ اسلامیہ ہائی سکول کے جنوب کی طرف ایک قبرستان تھا اور قبرستان کے جنوبی کونے پر شانتی بائی کی اکلوتی رہائش گاہ تھی۔ باقی سارا علاقہ بے آباد تھا) جہاں ہم چل رہے تھے یہ ایک بند تھا اور بند کے مشرق کی طرف ایک نالہ بہتا تھا۔ یہ نالہ اس پل کے نیچے سے گزرتا تھا جو حضرت شاہ دولہ دریائی صاحب نے اس سڑک پر تعمیر کیا تھا (موجودہ شاہ دولہ روڈ) جو آپ کے مزار کی طرف جاتی ہے۔ اس طرح شمال کی طرف یہ نالہ ایک دوسرے پل کے نیچے سے گزرتا تھا جو قدیم جلال پوری سڑک کہلاتی تھی۔ (موجودہ ظہور پیلس کے عقب کے جنوب کی جانب) اب ان تمام چیزوں کے نام و نشان تقریباً گم ہو چکے ہیں۔ بس آبادی ہی آبادی ہے۔

قبرستان کے قریب اور بند کی بائیں جانب کسی گہرے گڑھے سے عجیب و غریب کراہنے کی آواز آرہی تھی۔ آغا صاحب نے رحمے سے کہا "دیکھنا کیا ہے" نوکر نے کہا "چھڈو جی، گھر چلو" میاں احمد حسین نے ذرا سختی سے کہا "رحمے جا کر دیکھو تمہیں کوئی کھا نہیں جائے گا۔" بہر حال رحمے نے دیکھا گدھا ہے جس کے جسم پر جگہ جگہ زخم ہیں مرنے کے قریب ہے۔ آغا صاحب نے رحمے سے کہا "سامنے ڈیرہ سے چارپائی لاؤ۔۔۔" گدھے کو چارپائی پر ڈال کر گھر دیوان خانے لے آئے۔ حافظ صاحب نے پیر سید رشید الدولہ صاحب کو کہا کہ اندر سے کھیس لے کر آؤ۔ بے جی نے پوچھ لیا "کیا کرو گے؟" کہا "گدھے کی چارپائی پر بچھائیں گے۔" بے جی نے دروازہ کی اوٹ سے دیکھا اور خوب خوب سنائیں۔۔۔ چارپائی چھوٹی تھی بڑی چارپائی کا بندوبست کیا گیا۔ بے رحمی کے محکمہ کا انگریز ڈاکٹر بلایا گیا۔ اس کا خیال تھا بہتر علاج معالجے کے لئے گدھے کو چارپائی سمیت "ڈنگر ہسپتال" لے جائیں۔

راضی نہ ہوئے فرمایا "گدھے کو یہیں دیوان خانہ میں دیکھیں اور فیس لے لیں" ڈاکٹر صاحب معہ اسسٹنٹ باقاعدگی کے ساتھ مرہم پٹی کرنے آتے رہے گدھا ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔

اسی دوران گدھے کے مالک جسے "احما آرائیں" کہتے تھے اور جو اس وقت ہندوؤں کے "گھڑی پئین" اور آزاد مسلم ہائی سکول کے درمیان ایک کنوئیں پر اس کا ڈیرہ تھا کو معلوم ہوا کہ جس قریب المرگ گدھے کو تالے میں بند کے قریب چھوڑ آیا تھا وہ نہ صرف صحت مند ہے بلکہ آغا صاحب کے دیوان خانے پر "ٹیٹنیاں مار" رہا ہے۔ چنانچہ گدھے کو واپس لینے کے لئے دیوان خانہ آیا۔

آغا صاحب اپنے معمول کے مطابق اپنی سنگت (میاں احمد حسین صاحب جو حقہ کے دلدادہ اور ایک خوش طبع انسان تھے راقم نے ان کو کبھی سنجیدہ نہیں دیکھا۔ آپ تحریک خلافت سے منسلک تھے اور ہمیشہ سفید کھدر کا لباس زیب تن رکھتے تھے اور ان کی مخصوص ٹوپی جو کہ سفید دھاگے سے بنی ہوئی تھی بالکل ایسے جیسے مرزا غالب ہی کی ٹوپی ہو ہمیشہ سر پر رکھتے۔ نانی صاحبہ کا معمول تھا کہ میاں احمد حسین صاحب کے کپڑے اور ٹوپی وہ خود اپنے ہاتھوں سے تیار کرتی تھیں) فضل، شیخ صاحب اور دیگر احباب کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھے کہ وہ احما آرائیں آن ٹپکا۔ اور گدھے کی واپسی کے لئے تقاضہ کرنے لگا۔ آغا صاحب اور میاں احمد حسین نے اس کی خوب لتاڑ کی اور کہا "جب گدھا تندرست تھا۔ تم اس سے خوب کام لیتے تھے . . . لیکن اس کے بیمار ہونے پر اس کو مرنے کے لئے ویرانے میں چھوڑ آئے" اسی اثنا میں فضل نے جوتا اتارا اور اس کی مرمت شروع کر دی اور احما آرائیں نے بھاگنے میں ہی عافیت جانی۔ مگر تھا سمجھدار۔ احما آرائیں آغا صاحب کی کمزوری سے واقف تھا۔ اس لئے کچھ دنوں کے بعد آغا صاحب کی والدہ صاحبہ کی خدمت میں پیش ہو گیا اور گدھے کا دکھڑا رونے لگا۔ بے جی احما ارائیں کے رونے دھونے پر جلد ہی پسیج گئیں۔ لہذا انہوں نے زنان خانے کے دروازے کی اوٹ سے آواز دی کہ بیٹا اس غریب کا گدھا واپس کر دو چنانچہ آغا صاحب نے والدہ صاحبہ کے حکم کی تعمیل کی اور گدھا واپس کر دیا۔ جب آرائیں گدھا لے کر جانے لگا تو حافظ جی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "بچہ جب بھینس دودھ دینا چھوڑ دے تو اسے گھر سے نہیں نکالتے بلکہ اس کو اچھا کھلایا جاتا ہے تاکہ وہ پھر سے دودھ دینا شروع کر دے"

چند دنوں بعد گدھا واپس آگیا پیچھے پیچھے آرائیں مالک بھی لاٹھی لئے آن پہنچا گدھے کے گلے میں رسی ڈال کے کھینچنے لگا۔ گدھے نے پاؤں جمائے، پھر مالک کو ایک جھٹکے کے ساتھ کھینچا اور وہ منہ کے

بل زور سے زمین پر آرہا اُٹھ کر کپڑے جھاڑنے لگا دوبارہ رسی پکڑی میاں احمد حسین کو غصہ آیا ۰۰۰ بہر حال مالک کو واپس جانا پڑا۔

کافی عرصہ گدھا زندہ سلامت رہا دیوان خانہ میں آزادی کے ساتھ دوڑتا، بھاگتا پھرتا تھا ۰۰۰ اس کے مرنے کے بعد آغا صاحب نے دیوان خانہ کے پیچھے "دارے" میں دفن کرا دیا۔

انسان ایک ایسا جانور ہے جس پر جتنی بھی نیکیاں کر دو اور یہاں تک کہ اپنی جان کی بازی بھی لگا دو۔ وہ تمام نیکیاں فراموش کر دے گا اور کوشش کرے گا کہ نیکی کا بدلہ بدی میں دے۔ ہاں مگر ابھی نیکی کا بدلہ برائی میں نہیں دے سکا تو یقین کر دو کہ اس کو ابھی تک کوئی مناسب موقع ہی نہیں ملا اسی لئے راقم کا ماٹو ہے:

"Do good, expect evil."

کُتے کی فرض شناسی

جب آغا صاحب کہیں آتے جاتے پالتو کُتا ساتھ ہو لیتا تھا۔ گھر والیاں کوچہ بندی والے مکان میں تھیں۔ آغا صاحب، حافظ جی اور حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے دیگر احباب کے ساتھ حضرت سائیں کرم الٰہی کانواں والی سرکار کے عرس میں شرکت کے لئے تیاری کی، کتا بھی تیار ہوا۔ کتے کو اب دیوان خانہ کی چوکیداری کرنا تھی۔ آغا صاحب نے کتے کو کہا "اگر ہم سب چلیں گے تو چوکیداری کون کرے گا۔" پھر اس کی کمر پر تھپکی دی کہا "شاباش تم یہیں رہو۔" کتا آرام سے بیٹھ گیا البتہ ترسی ہوئی نظروں سے جانے والوں کو دیکھتا رہا۔

واپسی ہوئی تو اندر ہال کمرے میں سے کتے کے بھونکنے کی آواز آرہی تھی۔ سب حیران تھے یا اللہ یہ کتا اندر کیسے پہنچ گیا سب دروازے بند تھے باہر تالا پڑا ہوا تھا ۰۰۰ آخر بات کھلی کہ ہال کمرے میں شمال والی دیوار پر جو "چھتی" ہے اس پر ایک پیالہ دودھ رکھا ہوا تھا اور بلی کسی طرح اندر داخل ہو گئی۔ اور اس نے جلدی میں جو منہ ڈالا تو پیالہ نیچے گر کر ٹوٹ گیا۔ اس ٹوٹنے کی آواز سے کتا چوکنا ہو گیا۔ چنانچہ کتا اس جگہ پہنچنا چاہتا تھا۔ مگر اسے کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا پھر کیا تھا کہ وہ چھت پر پہنچ گیا اور ہال کمرے کے روشن دان سے نیچے انواری پلنگ پر چھلانگ لگا دی۔ پتہ اس طرح چلا کہ روشن دان اور ہال کمرے کی اندر والی دیوار پر کتے کے پنجوں کے نشان تھے۔ اور پلنگ پر جہاں گرا وہاں بھی نشان موجود

تھے۔ اور بلی نہ جانے کس طرح نکل بھاگی۔ گھر والوں کی آمد پر اب کتا بھونکنے لگا۔ گویا اطلاع دے رہا ہو میں یہاں بند ہوں اور اسے دروازہ سے نکالا گیا

کُتے کی پیغام رسانی

سب گھر والیاں کوچہ بندی والے مکان میں رہتی تھیں اور سب مرد اور ملازم دیوان خانہ میں، مہمانوں کے لئے کھانا دانا کوچہ بندی سے آتا تھا۔

دیوان خانہ میں حافظ جی اور آغا صاحب کے علاوہ دوسرے احباب جمع تھے۔ شیخ سعدیؒ کے کسی شعر پر گفتگو ہو رہی تھی۔ آغا صاحب کو ایک نکتہ کے سلسلہ میں شک گزرا۔ انہوں نے مخصوص پالتو کتے کو بلایا پھر کاغذ کے پرزے پر سوال لکھ کر اس کے گلے میں باندھ دیا۔ کتا دوڑتا ہوا کوچہ بندی گیا اور بہن جی نے پرزہ گلے سے کھول کر پڑھا۔ جواب لکھا اور گلے میں دوبارہ باندھ دیا۔ کتا جواب باصواب لے کر آغا صاحب کے پاس پلٹ آیا۔ اسی طرح آغا صاحب اپنے احباب کو تسلی بخش جواب دینے میں کامیاب ہو گئے۔ مقصد یہ ہے ہمارے گھرانے کی عورتیں بھی کب سے علم کے زیور سے آراستہ تھیں۔

پیر سیّد حافظ امین الدولہ صاحب

مقام دوستاں

حافظ صاحب کی نئی نئی شادی ہوئی تھی ان کے دو جگری دوست احمد حسین اور فضل داد ملنے ملانے دیوان خانہ گئے حافظ صاحب زنان خانہ تشریف لائے دلہن سے کہا "دوست آئے ہیں حقہ بھر کے باہر بجھوا دو۔" انہوں نے کہا کہ آپ کے ایک دوست "ک" دوسرا "گ" ہے میں حقہ بھروں۔ فرمایا "ہاں۔ حقہ ہمارا، تمباکو ہمارا، پانی ہمارا، کوئی چیز جہیز کی نہیں۔" کہا کہ سید زادی ہوں۔ بے جی نے کہا "بہو ٹھیک کہتی ہے یہ کام نوکر کر سکتے ہیں تم خود ہی حقہ تازہ کر کے بھرو"۔ حافظ صاحب بات پر اڑ گئے آخر کار دلہن نے حقہ بھرا اور تھام کر گھونگھٹ میں حافظ صاحب کے آگے آگے دیوان خانہ میں آ گئیں۔ دوست دم بخود ہو گئے۔ ادب سے اُٹھ کھڑے ہوئے کہا "حافظ جی آپ نے یہ کیا کیا" فرمایا "تم میرے دوست میرے بھائی ہو یہ تمہاری بہن ہے تمہاری تواضع کر سکتی ہے جیسی بہنیں بھائیوں کی کرتی آئی ہیں۔ اس میں ایسی کیا بات ہے۔"

سنبھال کر رکھنا

حافظ جی اور یار دوست میلے ٹھیلے دیکھنے اور مزاروں پر حاضری کے لئے تیار ہوئے سردی کا موسم تھا گرم کپڑے پہنے۔ بے جی نے حافظ جی کو مشہدی لنگی دی کہا "خیال رکھنا بہت قیمتی ہے" دوستوں میں سے بھی کسی نے کمبل سنبھالا، کسی نے کشمیری دُھسہ کسی نے لوئی۔

چند ہفتوں بعد جب سب یار دوست اور حافظ جی بند پر چلتے ہوئے دیوان خانہ کی طرف آ رہے تھے تو جب حضرت پیر رشید الدولہ صاحب کی ان پر نظر پڑی تو دل دھک سے ہو گیا اللہ خیر ہو یہ لٹا پٹا قافلہ کہاں سے آیا ہے، اس پر ایسی کیا اُفتاد پڑی، کہیں چوروں ڈاکوؤں کے ہتھے نہ چڑھ گئے ہوں حافظ جی کی پگڑی . . . ، میاں صاحب کا دُھسہ غائب فضل حسن کی لوئی، گل زماں کی گرم چادر ندارد، اعجاز

صاحب کی واسکٹ اور یار احباب سبھوں کے جوتے کیا ہوئے ۰۰۰ حضرت پیر سید رشید الدولہ سے کہا "بے جی سے نہ کہنا انہوں نے تاکید کی تھی سب چیزیں سنبھال کر رکھنا۔ ہم سب نے سب چیزیں احتیاط سے سنبھال کر رکھ دی ہیں۔ اس جہاں میں پھر اُس جہان میں سب کی سب بحفاظت مل جائیں گی" ۰۰۰ پہلے حافظ جی نے پگڑی جوتے حاجت مندوں کو دیے دوسروں نے ان کی تقلید کی اور سب سامان راہِ خدا دے دیا یہاں تک کہ حقہ بھی دے آئے صرف پہنے ہوئے تن پر کپڑے لئے بخیریت واپس آئے۔

اللہ مالک ہے

دیوان خانہ میں مہمان آتے رہتے تھے اور سب کے لئے روز کھانا پکایا جاتا تھا۔ حافظ جی نے ایک روز بطور خاص فرمایا "آج دس گیارہ مہمان ہوں گے" بے جی کھانا پکانے میں احتیاط کرتی تھیں دس کا کھانا کہا تو پندرہ، بیس کہا تو تیس کا کھانا پکاتی تھیں ۰۰ مہمانوں کے لئے دسترخوان بچھا حافظ جی اور رحمے نے زنان خانہ سے لاکر کھانا چنا، ابھی فارغ نہیں ہوئے تھے کہ اور مہمان آگئے کھانا ان کے لئے آ گیا۔ اب اور آگئے بے جی نے کہا "کھانا نہیں ہے" فرمایا "اچھا چلو گھر والے بعد میں کھالیں گے مہمان پہلے فارغ ہو جائیں" مگر ۰۰۰ اور مہمان آگئے۔ فرمائش پر بے جی نے کہا "خود ہی دیکھ لو گھر والوں نے بھی نہیں کھایا کسی دیگچی میں کچھ نہیں بچا"، حافظ جی نے دودھ والی بالٹی اُٹھائی کہا اچھا "کھانا نہ سہی یہ مہمان دودھ پر گزارہ کرلیں گے ہمارا اللہ مالک ہے۔"

فقیر اور دُھسہ

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب اور حافظ جی حسب معمول دیوان خانہ کی صفائی ستھرائی میں مصروف تھے اور ساتھ ساتھ باتیں کرتے جاتے تھے۔ حافظ جی دیوان خانہ کے اس حصہ کی طرف جو گلی سے متصل تھا جھاڑو لگا رہے تھے اتنے میں ایک کمزور ناتواں بوڑھا فقیر سردی سے ٹھٹھرتا آیا صدا دی "ہے کوئی اللہ کا پیارہ بندہ کہ پرانا لحاف یا کمبل دے دے"۔ حافظ جی جلال پور جٹاں کا قیمتی اُونی دُھسہ اوڑھے ہوئے تھے فرمایا "نصیر جاؤ اسے یہ دے دو" فقیر نے دُھسہ لیا اور دعائیں دینے لگا۔ اور چلا گیا بے جی نے سارا ماجرا دیکھ لیا تھا کہنے لگیں "اوئے حافظا ۰۰۰ ارے اتنا قیمتی دُھسہ ۰۰۰" حافظ جی نے والدہ جی کے ڈر سے مسکرا کر کہا "نصیر اب جاؤ دُھسہ لے آؤ"۔ عرض کیا "اب کیا معلوم وہ کہاں چلا گیا

ہو گا" فرمایا "اچھا، خیر جانے دو۔"

حویلی سے مسجد

اس دور میں اُمرا اور شرفا بچوں کو تہذیب سیکھنے ڈیرہ دارنیوں کی حویلیوں میں بھیجتے تھے اور خود بھی مجرا سننے سنانے وہیں جاتے تھے۔

حافظ جی نے اپنے دوست احمد حسین صاحب کو ساتھ لیا اور لاہور کا قصد کیا۔ وہاں ایک نامور گانے والی کے ڈیرے پر پہنچے۔ ایرانی قالین بچھے ہوئے اور تکیے لگے ہوئے تھے۔ یہ جا بیٹھے انتظار کیا مگر وہ معمولی گانے والی نہ تھی اس کی حویلی میں نوابوں جاگیرداروں کی آمد آمد رہتی تھی۔ تھوڑی دیر انتظار کیا پھر نائیکہ سے تقاضہ کیا کہ بائی جی کو بلائیں اس نے بے رُخی سے کہا "ارے جاؤ کہاں سے گنوار آئے ہیں کون ہیں کیا ہوتے ہیں تم جیسے لوگوں نے کیا دینا دلانا ہے"۔ بے مزہ ہو کر دونوں اُٹھ آئے ادھر نماز کا وقت ہو رہا تھا مسجد میں آئے۔ حسنِ اتفاق سے ملا جی موجود نہ تھے حاضرین کی اجازت سے اذان دی سننے والوں پر جادو ہو گیا مسجد کے باہر گانے بجانے والے ماہرینِ فن استاد کال جمع ہو گئے یہ کون ہے جسے راگ راگنی کی ایسی سمجھ بوجھ ہے۔ نماز کے بعد دونوں باہر آئے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا۔ پوچھا "اذان کس نے دی تھی" احمد حسین صاحب نے کہا" حافظ جی نے "کہا" ان سے ایک بی بی ملنا چاہتی ہیں" یہ دونوں ساتھ ہوئے۔ وہ شخص اسی حویلی کے دروازہ پر آ کر رُکا۔ نائیکہ ایک بی بی کے ساتھ باہر آئی خاتون نے کہا" آپ اندر آئیں ہم سے غلطی ہوئی معاف کر دیں" فرمایا" احمد حسین ہم سے انہیں کیا ملنا اور ہمیں ان سے۔ چلو چلیں" اور اُس بی بی کے اصرار کے باوصف مڑے اور چلتے ہوئے دور نکل آئے۔

معزز مہمان

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کی دخترِ نیک اختر خالدہ خانم سلمہا کی برات ابھی آنے کو تھی حافظ جی نے فرمایا "میں چند مہمان فہرست میں شامل کرنا بھول گیا ہوں"۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب مسکرانے لگے۔ فرمایا "کوئی مضائقہ نہیں اب شامل کر لیں"۔۔۔ پھر مزید دیگیں پکوانے کا اشارہ کیا یہ معزز مہمان سبزی منڈی کے مزدور، شہر کے مسکین، فقیر، فقرا تھے۔ سب دعوت میں شریک ہوئے۔ براتیوں سے پہلے کھانا کھایا اور اسی عزت واحترام کے ساتھ جس طرح براتیوں کو کھلایا جاتا ہے۔

میں چھوٹا ہوں

معلوم نہیں ایسی کیا بات ہوئی کہ حافظ جی نے جو "برنے" کے درخت تلے کھڑے تھا حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب سے کہا "آؤ اپنی زمین جائیداد بانٹ لیں" حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے عرض کی "آپ ٹھہر جائیں میں اندر سے ہو کر ابھی آتا ہوں"۔ اندر گئے اور ایک کاغذ پر لکھ لائے "میں باقائمی ہوش و حواس، بلا جبر و اکراہ ساری زمین جائیداد اپنے حصہ کی حافظ جی کو دے رہا ہوں اب زمین جائیداد پر میرا، میری بیوی بچوں کا کوئی حق نہیں ہو گا۔ صبح سویرے میں یہاں سے چلا جاؤں گا"۔ مزید عرض کی "آپ میرے بڑے بھائی ہیں باپ کی جگہ ہیں آپ کا فیصلہ جو بھی ہے درست ہے۔"

حافظ جی نے پیر سید رشید الدولہ صاحب کو گلے لگایا۔ رونے لگے اور معذرت کی فرمایا "بڑے تم ہو، میں چھوٹا ہوں مجھ سے غلطی ہوئی معاف کر دو"

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب اپنے اہلِ خانہ کو یہ واقع اکثر سنایا کرتے تھے۔ حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ پیر صاحب کی خواہش کے بالکل بر عکس ہوا۔ پیر صاحب کے بڑے بھائی حافظ جی کا بیٹا تو کیا پیر صاحب کی صاحب زادیوں کو بھی باپ کے آنگن میں جہاں وہ پلی بڑھی تھیں جانے کی اجازت نہ تھی۔ اور یہاں تک کہ پیر صاحب خود بھی بُرے حالات کا شکار ہو چکے تھے۔ میں اور کیا عرض کروں کہ اُن کی بیٹی فرخ، جمشید اور راقم جب دینز دیلا سے خصوصی طور پر مجالس کے لئے لوٹتے تو سرونٹ کوارٹرز ہی ہمارا ٹھکانا ہوتا۔ اور باپ دُکھ اور بے چارگی کا اظہار اپنے آنسو سے کرتا اور یہ سلسلہ اُن کے آخری دم تک رہا۔

بے بسی اور گھر کے اُجڑنے کو راقم نے اپنے مندرجہ ذیل شعر میں کچھ بیان کرنے کی کوشش کی ہے ؎

وہ گھر جو کبھی محورِ اربابِ وفا تھا
اُجڑا ہے کچھ ایسا کہ مکیں ہے نہ مکاں ہے

آپ فکر نہ کریں

حافظ جی قبلہ میاں احمد حسین اور فضل صاحب گجرات سے باہر عرسوں، میلوں ٹھیلوں، مزاروں کی زیارات کے سلسلہ میں رہتے تھے۔ کبھی کبھی اِدھر اُدھر دیہاتوں میں گھومتے پھرتے تھے۔ گاہے

بگاہے نانی اماں کو غصہ آ جاتا تھا۔ ایک بار حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب سے فرمایا "یہ حافظ نے کیا تماشہ بنا رکھا ہے گھر لوٹتے ہیں کمبل نہیں، چادر نہیں، پگڑی غائب، جوتا غائب ۔۔۔" حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے عرض کی "والدہ جی، حافظ جی قبلہ دیہاتوں میں جاتے ہیں اثر رسوخ والے ہیں جھگڑے دگڑے ختم کرا دیتے ہیں یہ ثواب کا کام ہے۔ مزاروں پر آتے جاتے ہیں شاید کہیں کوئی اللہ کا بندہ مل جائے۔ ہماری دنیا میں جھوٹے خراب، دھوکا بازوں سے واسطہ پڑتا ہے یہ افسوس کی بات ہے۔ اور چند معمولی چیزوں کی فکر نہ کیا کریں ساری محفوظ ہیں۔ مل جائیں گی ایک کی دس یہاں، ایک کی ستر وہاں، بڑا منافع کا سودا ہے"۔

آخری سفر

حافظ جی اور راقم ایک دن سبزی گوشت خریدنے سبزی منڈی گئے۔ جب واپس آ رہے تھے تو حافظ جی آزاد مسلم ہائی سکول سے لے کر دیوان خانہ تک کوئی تین دفعہ سستانے کے لئے بند پر بیٹھ گئے۔ خدا خدا کر کے دیوان خانے پہنچے تو فرمایا "رشید الدولہ دیکھنا میری طبیعت ٹھیک نہیں" پیر سید رشید الدولہ صاحب نے فوراً ایک لکڑی کی آرام کرسی (جو ابھی تک گھر میں موجود ہے) برآمدے میں بچھائی اور حافظ جی کو آرام کرنے کے لئے بٹھا دیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے طبیعت سنبھلنے کی بجائے مزید خراب ہو گئی۔ حکیم رشید الدولہ صاحب ماہر طب تھے۔ موقع کی نزاکت کے مطابق اپنے مطب سے کوئی دوائی لا کر کھلائی۔ مگر حالت تھی کہ بگڑتی جا رہی تھی چنانچہ حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب نے مجھے فرمایا "بیٹا نصیر دوڑ کر جاؤ اور ڈاکٹر حیات صاحب کو حافظ جی کی تشویش ناک حالت کا بتا کر جلدی ساتھ لاؤ"

راقم نے حکم کی تعمیل کی۔ بھاگتا ہوا ڈاکٹر صاحب کے پاس گیا (جو کہ پرانی جیل کے پیچھے رہا کرتے تھے) اور ٹانگے پر بٹھا کر دیوان خانے لے آیا۔ راقم کو اچھی طرح یاد ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے حافظ جی کو کورامین (Coramine) کا ٹیکہ لگایا۔ مگر ماہر حکیم اور تجربہ کار ڈاکٹر کی لاکھ کوششوں کے باوجود روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ حضرت پیر رشید الدولہ صاحب، ڈاکٹر حیات اور راقم نے مل کر ان کی میت کو اٹھا کر ہال کمرے میں پلنگ پر رکھ دیا۔ عین اسی وقت حافظ جی کی چہیتی گھوڑی جو انہوں نے خود پالی ہوئی تھی دھڑام سے زمین پر گری اور دم توڑ گئی۔

زبیدہ خانم صاحبہ

میری والدہ ماجدہ زبیدہ خانم کی شادی ہونے سے کچھ عرصہ بعد ہی شوہر سے بگاڑ ہونے لگا۔ ان کی والدہ صاحبہ اپنے فرزند نامدار کو بہر طور اپنے کنٹرول میں رکھنا چاہتی تھیں ۰۰۰ میری والدہ ماجدہ گھر کے کسی معاملہ میں دخل نہیں دیتی تھیں۔ بایں ہمہ ساس اور بہو کا روائتی جھگڑا خطرناک صورت اختیار کر گیا۔ دادی جی کو ڈر یہ بھی تھا کہ بہو کے بیٹا پیدا ہو گیا تو وارث کے پیدا کرنے والی کے پاؤں جم جائیں گے۔ پہلی بات جو انہوں نے کی وہ یہ تھی کہ تیزاب جہیز کے صندوقوں میں ڈال دیا اور سب کپڑے جلا ڈالے ۰۰۰ حالات ایسے خراب ہوئے کہ حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کے گھر میں پناہ لینے کے سوا چارہ نہ رہا۔ ڈر یہ تھا کہ جھگڑے رگڑے میں ننھی سی جان ضائع نہ ہو جائے۔

میں حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کے گھر پیدا ہوا اور انہیں ابا جی کہتا تھا۔ عزیز الدولہ ارشد حضرت پیر سید رشید الدولہ کے بڑے صاحبزادے تھے دونوں اکٹھے پلے بڑھے۔ والدہ اور نانی صاحبہ مجھ سے زیادہ پیار کرتی تھیں اور جب بھی کوئی معمولی سے معمولی بات اٹھتی حضرت پیر سید رشید الدولہ میری طرف داری فرماتے، قصور بھی اپنا ہوتا تھا۔

والدہ صاحبہ گھر والوں سے چھپا کر مجھے گود میں لے کر رویا کرتی تھیں جو اس وقت میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ گاہے بگاہے حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب اپنے کتب خانہ میں گود میں بٹھا لیتے تھے اور زار قطار روتے تھے۔ ؂

اپنے سایہ سے بھی اشکوں کو چھپا کر رونا
جب بھی رونا تو چراغوں کو بجھا کر رونا

میں تعلیمی مراحل طے کرتا رہا میٹرک تک پہنچا ہیڈ ماسٹر صاحب نے داخلہ فارم بھروائے فرمایا "کسی کالم کی سمجھ نہ آئے تو پوچھ لینا" فارم پُر کر کے ان کے سامنے رکھا۔ والد صاحب کے نام کے کالم میں حکیم سید رشید الدولہ لکھا تھا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا "تمہارے والد صاحب کا نام نذیر الدولہ

ہے۔ حکیم صاحب تمہارے ماموں ہیں" اس انکشاف پر بڑا جزبز ہوا فارم ہیڈ ماسٹر صاحب کے ہاتھ سے لے کر پھاڑ دیا احساس ہوا کہ یہ کیا کیا ہے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کے ڈر سے بھاگ کر دیوان خانہ آیا اور مطب میں حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کی خدمت میں پہنچا کہا "ہیڈ ماسٹر ناسمجھ آدمی ہے میں نے والد صاحب کے کالم میں آپ کا نام لکھا کہنے لگے یہ غلط ہے" حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب پیار دلار سے اندر لے گئے والدہ صاحبہ پیر سید رشید الدولہ بھی رو رہے تھے فرمایا "بیٹا میں تمہارا ماموں ہوں پھر اماں جی کے سر پر ہاتھ رکھا یہ میری بہن ہے۔ مگر پالنے والے کا حق جنم دینے والے سے فائق ہوتا ہے، میں تمہارا باپ ہوں اور رہوں گا۔ کاغذوں میں جو تمہارا باپ ہے اسے تمہاری خیر خبر نہیں نہ پرواہ ہے اسے پالنے کی لذت سے شناسائی نہیں یہ کتنا دکھ بھرا سکھ ہوتا ہے۔ وہ کیا جانے"۔ اب بات میرے پلے پڑی کہ میری والدہ صاحبہ تنہائی میں کیوں روتی تھیں ۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب میرے ساتھ مدرسہ گئے ہیڈ ماسٹر صاحب دفتر سے باہر تشریف لائے سلام و دعا کے بعد پیر سید رشید الدولہ صاحب نے فارم پُر کر کے ہیڈ ماسٹر صاحب کو دیا۔

گھر میں اتنا پیار ملا کہ باپ یا کہیں اور کسی جگہ کہاں ملتا۔ من مانی کرتا تھا۔ بگڑا ہوا بچہ تھا مگر اس کے باوصف تعلیم کے میدان میں خدا کی کرم نوازی سے اور حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کی توجہ اور دعاؤں سے توقع سے بہتر تھا۔ جلد ہی احساس ہو گیا تھا کہ میں ماموں صاحب حضرت پیر سید رشید الدولہ کا بیٹا تو نہیں۔ لیکن ان کے گھر میں پل بڑھ رہا ہوں پڑھائی میں لائق نہ ہوا تو ان کی ذات بابرکات پر حرف آئے گا ۔۔۔ والدہ صاحبہ بھی بار بار یاد دلاتی تھیں "نصیر پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بننا ہے ماموں جی کی خدمت کرنا۔ خواہ مخواہ اپنے پرائے انگلیاں اٹھائیں گے اور بگڑنے کا طعنہ دیں گے" ۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب گاہے رات گئے تک پڑھتے دیکھتے تو زیر لب مسکرا دیتے تھے۔

اطمینان تو تھا کہ تعلیمی میدان میں برابر بڑھ رہا ہوں مگر اپنی بربادی کا دکھ والدہ صاحبہ کو گھن کی طرح چاٹ رہا تھا۔ ہمیشہ مغموم رہتی تھیں۔ اس کا احساس پیر سید رشید الدولہ صاحب کو تھا مگر ع

ہو غم ہی جاں گداز تو غم خوار کیا کریں

آخر حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے بہن جی کے لئے دل بہلانے کا مشغلہ ڈھونڈ لیا ۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کے بڑے بھائی آغا صاحب موسیقی کے دلدادہ تھے ستار خوب بجاتے تھے۔ لالہ کیدار ناتھ جی رئیسِ گجرات راگ رنگ کے شوقین تھے راگنیوں اور سازندوں کو

محل میں دعوت دیا کرتے تھے۔ مہمان پہلے آغا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب موسیقی کو رُوح کی غذا سمجھتے تھے اور اسی لئے بہن جی کے غم کو دور کرنے کے لئے انہیں فنِ موسیقی کی تربیت دلانے کے لئے انہوں نے اس وقت کے مشہور استاد جنہیں سب بابا سارنگی والے کے نام سے جانتے تھے اور اندرون شیشیانوالہ دروازہ محلہ مراثیاں میں رہا کرتے، کی خدمات حاصل کیں، اسی طرح استاد جھیپٹی (کلارنٹ اور طبلے کے ماہر تھے جو اب بھی باحیات ہیں اور کبھی کبھار ان رتوں کی یادوں کو تازہ کرنے کے لئے راقم کے پاس آتے رہتے ہیں) سے بھی رجوع کیا۔ چنانچہ موسیقی کی تربیت کی باقاعدہ بیٹھک شروع ہو گئی۔ اس طرح کچھ عرصہ کے بعد میری والدہ صاحبہ نے ہارمونیم اور گائیکی کی شد بد سیکھ لی۔ میں باقاعدگی سے تو نہیں مگر گاہے بگاہے اس سنگت میں طبلہ نوازی کرتا۔ جو مجھے استاد جھیپٹی نے سکھایا تھا۔

ایک دفعہ بابا سارنگی والے والدہ صاحبہ کو بہادر شاہ ظفر کی ایک مشہور زمانہ غزل ؎

لگتا نہیں ہے دل میرا اجڑے دیار میں
کس کی بنی ہے عالمِ ناپائیدار میں

کا ریاض کرا رہے تھے کہ حکیم صاحب کا اتفاقاً ادھر سے گزر ہوا۔ تو غزل کے اداس بول سنتے ہی بابا جی سے کہا "کہ آپ کیوں غم کو اور بڑھا رہے ہیں۔ میں نے تو یہ سب کچھ اپنی بہن کے غم غلط کرنے کے لئے کیا ہے۔ آپ اسے کوئی خوشی کے گیت سکھائیں"۔

ان دنوں بینجو بجانے کا بھی عام رواج تھا۔ مجھے اس دبانے آن گھیرا۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے میں نے معروف نعت خواں یوسف چشتی صاحب (جو اب حیات ہیں اور نعت خوانی کے علاوہ بینجو بجانے میں میں یکتا ہیں) کی خدمات حاصل کیں۔ اور بینجو کے باقاعدہ سبق لینے شروع کر دیے۔

مجھے اور یوسف چشتی صاحب کو سنگت کے لئے کسی طبلہ نواز کی ضرورت تھی لہٰذا ایک سردار نامی شخص (جو کہ اب بھی زندہ ہے۔ اس وقت اس کا لکڑیوں کا ٹال ہوا کرتا تھا مگر موسیقی سے تھوڑی بہت دلچسپی رکھتا تھا) کو استاد جھیپٹی سے طبلہ بجانا سکھایا۔

ایک طرف میری والدہ صاحبہ اپنے استاد کے ساتھ ریاض کر رہی ہوتیں۔ تو دوسری طرف اُستاد یوسف صاحب، سردار اور میں اپنے ماڈرن میوزک کی ریہرسل میں گم ہوتے۔ اس طرح ایک سماں تو بندھ جاتا۔ مگر میری والدہ صاحبہ کو یہ بے ہنگم موسیقی ناگوار گزرتی۔

چنانچہ انہوں نے اس بے ہنگم موسیقی سے نجات حاصل کرنے کے لئے تجویز پیش کی کہ یوسف بیجو والے کو بھی اپنی سنگت میں شامل کر لیا جائے۔ مگر بابا سارنگی والے کی رضامندی ضروری تھی۔ جب باباجی سے بات کی تو وہ کہنے لگے۔ "ہم اور یہ عطائی۔ اس کا شدہ موسیقی کے ساتھ کیا تعلق" لیکن استاد جھیپٹی کی مداخلت سے بابا سارنگی کو نرم گوشہ اختیار کرنا پڑا۔ کیونکہ استاد جھیپٹی نے باباجی کو اس بات کی ضمانت دی کہ وہ آپ حکم کے مطابق کام کرے گا۔ (جہاں تک سردار ٹال والے کا تعلق ہے۔ اسے استاد جھیپٹی نے یہاں تک کاریگر بنا دیا تھا۔ کہ باباجی اسے بھی اپنی محفل میں بٹھانے کو رضامند ہو گئے۔ یاد رہے کہ سردار ٹال والا بعد میں طبلہ بجانے میں کافی مہارت حاصل کر گیا۔)

اس طرح دو سنگتوں کی بجائے ایک سنگت ہو گئی۔ میں اگر کبھی طبلہ پر ان کا ساتھ دینے کے لئے بیٹھتا تو "بڑے بے آبرو ہو کر" کے مترادف اٹھا دیا جاتا اور بابا سارنگی والے کہتے "تم جاؤ اور پڑھو لکھو یہ کام تمہارے بس کا روگ نہیں۔" اور یہی بات میرے حق میں اچھی ثابت ہوئی۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے اجازت دے دی کہ والدہ صاحبہ محلہ کی دوسری مستورات جو اپنی رشتہ دار تھیں کے ساتھ شاہ جہانگیر، سائیں کانواں والی سرکار کے عرس دیکھنے چلی جائیں ۔۔۔ اچھے موسم میں دیگر مزارات کی زیارات بھی والدہ صاحبہ کرنے جاتی تھیں۔

پیدائش

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے ڈاکٹر مس ملن کا ذکر ہمیشہ انسان دوستی میں مثال کے حوالے سے فرمایا۔

جب میری پیدائش کا وقت قریب آیا تو مروجہ طریق کار سے گھریلو دائیوں نے کیس کرنے سے جواب دیا۔ اس وقت گجرات میں صرف لیڈی ڈاکٹر مس ملن تھیں۔ سرجری اتنی ترقی یافتہ نہیں تھی نہ لائف سیونگ ادویات اتنی تعداد و کثرت سے ایجاد ہوئیں تھیں ۔۔۔ خطرناک صورت حال کے پیش نظر زچہ بچہ دونوں کی زندگی کا سوال اُبھر کے سامنے آ تا رہتا تھا ۔۔۔ یہ ۱۹۳۰ء کی بات ہے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کی بہن جی اب ساتھ ہی رہتی تھیں۔ انہیں "اسرائیلیوں" نے نکال دیا تھا ۔۔۔ بچے کی پیدائش کا وقت قریب تھا اور کیس خاصہ پیچیدہ۔ مس ملن تشریف لائیں اس زمانہ میں گجرات میں بجلی کی روشنیاں نہیں تھیں مٹی کے تیل سے لالٹین جلتی تھی یا سرسوں کے تیل سے

دیئے بتیاں، موم بتیوں سے بھی کام چلاتے تھے۔ صورتِ حال کی نزاکت کا احساس مس ملن کو فوراً ہو گیا اپریشن کی ضرورت فوری تھی مگر کلینک لے جانے کا وقت بھی نہیں تھا۔ مس ملن نے بڑے میز پر لٹا کر اپریشن بہت سی لالٹینوں کی روشنی میں کیا اور ننھے منے کو دنیا کی نرم گرم ہوا و فضائیں لے آئیں۔

زچہ بچہ کی زندگی خطرے سے باہر نہیں تھی۔ مس ملن صبح شام روزانہ ہفتوں تک برابر آتی رہیں اور دونوں وقت کافی دیر تک مریضہ کے پاس بیٹھی رہتیں۔

زچہ بچہ کی جان بچ گئی مس ملن نے نہ فیس طلب کی بلکہ وہ ادویات بھی خود ہی لاتی تھیں۔

نذر و نیاز

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کے زنان خانہ میں پاک باز، عبادت گزار ایک بی بی رہتی تھیں ان کے مرشد پاک کا مزار بیگا بانیاں میں تھا یہ گاؤں کنجاہ والی نہر کے شمال کنارے پر پل سے تین چار میل کے فاصلہ پر ہے۔

میری والدہ صاحبہ نے منت مانی کہ جب ان کے بھتیجے حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کے صاحب زادہ چن پیر کی شادی خانہ آبادی ہو گی تو بیگا بانیاں جائیں گی۔ مزار پر چادر چڑھائیں گی اور مولا مشکل کشا کے نام پر پانچ دیگیں نیاز تقسیم کریں گی۔

والدہ صاحبہ بھتیجے کی شادی خانہ آبادی سے پہلے انتقال فرما گئیں ۔۔۔

شادی بخیر و خوبی سرانجام پائی تقریبِ ولیمہ کے بعد منت پوری کرنا تھا۔ جس کا اہتمام حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے فرمایا۔ احباب کا مشورہ تھا کہ گاؤں چھوٹا سا ہے وہاں ایک دو دیگیں کافی ہوں گی۔ مگر حضرت پیر سید رشید الدولہ کا اصرار تھا کہ دیگیں دی جائیں گی اور نیاز تقسیم کی جائے گی فرمایا "بہن پچاس دیگوں کی منت مانتیں تو پچاس ہی دی جاتیں کم زیادہ نہیں"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب گاؤں پہنچے تین چنے چاول اور دو آلو گوشت کی دیگیں تیار کرائیں اور خود تقسیم فرمائیں۔ نیاز کافی بچ گئی فرمایا "گاؤں سے چند لوگ بھیج دیں جو قرب و جوار کی دیہاتی آبادی سے نیاز لینے والے لائیں"۔ کہا "دستور یہ ہے کہ نیاز بچ جائے تو گھر لے جاتے ہیں" مگر حضرت پیر سید رشید الدولہ حق بحقدار رسید کے قائل تھے۔

گجرات واپسی ہوئی پیر سید رشید الدولہ صاحب سیدھے بہن کی قبر پر گئے۔ رونے لگے فرمایا

"بہن تمہیں قضا نے بھتیجے کی شادی کی خوشی دیکھنے کی مہلت نہ دی اس کا دکھ ہے منت تمہاری پوری کر دی ہے خدایہ طفیلِ محمدؐ و آلِ محمد صلوٰۃ اللہ انہیں سلامت شاد و آباد رکھے آمین"۔

نذر نیاز، منت پورا کرنے کے سلسلہ میں حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب حد درجہ احتیاط فرماتے تھے۔

میری والدہ صاحبہ نے منت مانی کہ جہلم کے کنارے والی مسجد میں جا کر منت کی ۵ دیگیں نذرِ مولا و نیازِ حسینؑ تقسیم کریں گی اگر پنجاب یونیورسٹی کے بی ایس سی امتحانات میں بیٹا اچھے نمبروں میں کامیاب ہو۔ نتائج کا اعلان ہوا نمبر اچھے آئے۔ والدہ صاحبہ کو پریشانی تھی کہ منت فوراً کیسے پوری کریں۔ برسات کا موسم تھا جہلم میں سیلاب کا ریلا آیا ہوا تھا۔ مگر حضرت پیر سید رشید الدولہ نے یونہی پوچھا "کب چلیں" "کہا" آج ہی" ۔۔۔ رشتہ دار برادری کی چند عورتیں بلائیں ملازمین کے علاوہ ایک پکانے والے کو معہ نوکر ساتھ لیا اور دیگن میں روانگی ہوئی۔ لالہ موسیٰ کے قریب دھماں گاؤں سے خالوزاد بھائی توضیح حسن اور ان کی بیوی کو لیا اور جہلم کے کنارے مسجد کے پاس ڈیرہ ڈال دیا۔۔۔

مشین محلہ جہلم شہر کے ڈاکٹر نذر محمد صاحب سے جو خاکسار بھی تھے رابطہ قائم کیا۔ کہا چنے والے چاول پکائے نہیں جاسکتے چنے بھیگنے کے واسطے پورا دن چاہیے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے فرمایا "یہ گجرات میں معلوم تھا۔۔۔ مگر بہن نے کہا تو کرنا ہی تھا"۔ حلوہ پوری کا بندوبست کرلیں ڈاکٹر صاحب نے کہا" حلوہ کا ضروری سامان ابھی لایا جاسکتا ہے۔ تیار بھی ہو جائے گا مگر کم از کم پانچ سو پوریاں چاہیں تو حلوہ سمٹے گا۔ مگر ان کی تیاری کھیل نہیں" ڈاکٹر صاحب نے نانبائی کو بلوایا اس نے ایک اور تنور والے سے مدد لی نان حلوہ کا بندوبست ہو گیا۔ نیاز دی گئی اور لوگوں میں نیاز تقسیم کر دی گئی۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کے اشارہ سے آم خریدے گئے جنہیں دریا کے پانیوں میں ٹھنڈا کر کے کھایا گیا اور سب اطمینان سے بخیر و عافیت گجرات لوٹ آئے۔

حکیم پیر سیّد رشید الدولہ صاحب

(تاریخ پیدائش ۱۵ اگست ۱۸۹۰ء، وفات ۱۵ اگست ۱۹۸۶ء)

زندگی کے چند اوراق

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کا گرمی، سردی، بہار، برسات، آندھی بارش، بہرحال ایک پروگرام ہوتا تھا۔

۱۔ والدہ صاحبہ کے جاگتے ہی اُٹھ کھڑے ہوتے۔

۲۔ نماز ادا فرماتے۔

۳۔ تلاوت کرتے

۴۔ روزانہ تقریباً آدھ گھنٹہ ورزش کرتے تھے۔

اس میں مگدر ہلانا، ڈنٹر پیلنا شامل تھے۔ آخری عمر میں صبح کے وقت دیوان خانہ کے صحن میں تیز تیز چلتے، ہاتھوں میں لوہے کی بھاری سلاخ تھامے رہتے تھے۔ فرماتے کہ ٹانگوں کی ورزش کے ساتھ بازوؤں کی ورزش بھی ضروری ہے۔

۵۔ تمام دیوان خانہ اور صحن میں جھاڑو خود لگاتے تھے صفائی ستھرائی اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔

۶۔ کتنی ہی تکلیف ہو ڈاکٹری دوا سے پرہیز کرتے تھے۔

۷۔ صبح کا ناشتہ کم کم، کبھی کبھی نہیں کرتے تھے۔

۸۔ دوپہر کا کھانا سادہ ہوتا تھا۔

۹۔ گھی اور مصالحہ دار کھانوں سے پرہیز کرتے تھے۔ ایک ڈیڑھ روٹی سے زیادہ نہیں کھاتے تھے، بھوک رکھ کر کھاتے۔

۱۰۔ رات کو دودھ پیا کرتے تھے۔

۱۱۔ دوپہر کو مطب بند رکھتے کھانا کھانے کے بعد کتب خانہ میں چلے جاتے تھے جہاں تخت پوش بچھا ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر آرام کے بعد دو گھنٹے کے قریب مطالعہ فرماتے۔ اس وقت کسی کی جرأت نہیں کہ خلل ڈالنے کی کوشش کرے۔

۱۲۔ پچھلے پہر مطب نہیں کرتے تھے یہ وقت علم وادب کی محفلوں کے لئے وقف تھا۔

۱۳۔ رات کو جلدی سو جاتے تھے۔

۱۴۔ بیماری میں بھی بستر پر آرام نہیں کرتے تھے۔ چاہتے تھے زندگی کے معمولات اسی طرح سے ادا ہوتے رہیں۔

۱۵۔ میلوں ٹھیلوں، عرسوں میں شوق سے جاتے تھے۔ سب میلوں کی تاریخیں یاد تھیں۔ اکیلے نہیں احباب ساتھ ہوتے تھے۔ میلوں میں بھیڑ بھاڑ، رونقوں سے انہیں دلچسپی نہیں تھی۔ بعض اوقات بزرگوں کے مزاروں پر گھنٹوں گہری سوچ میں گم بیٹھے رہتے تھے۔ بعض اوقات آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے تھے۔

قوالیوں کا شوق رکھتے تھے اس زمانہ میں ریڈیو کیسٹ ریکارڈر نئے نئے آئے تھے۔ محرم کے سلسلہ میں دینزدیلا سے آیا ہوا تھا فرمایا "اگلے برس کیسٹ ریکارڈر لے آنا۔ اندازے کے مطابق اس کی قیمت لے لو"۔ بہتیرا کہا ایسی کیا بات ہے ۔۔۔ مگر مانے نہیں مجبور ہو کر ان سے پانچ روپے لے لئے اگلے برس سونی کا بیٹری اور بجلی سے چلنے والا کیسٹ ریکارڈر لے آیا۔ ناراض ہوئے اتنی بھاری رقم خرچ کر دی ہے بے فائدہ ۔۔۔ بڑی منت سماجت کے بعد راضی ہوئے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کے عقیدت مندوں میں ایک صاحب عاشق بٹ بھی ہیں۔ انہوں نے مختلف قوالیاں ریکارڈ کر دیں۔ جنہیں حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب سنتے تھے جہاں حضور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم، مولا علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور حسینؑ ابن علیؑ ابن ابی طالبؑ شہید کربلا کا ذکر سنتے زار و قطار رونے لگتے تھے۔

آپریشن کے بعد حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کو لاہور علامہ اقبال ٹاؤن میں لایا گیا تھا۔ غنودگی کی حالت میں آرام کر رہے تھے کسی نے کیسٹ لگا دی "مست مست، علی علی" فوراً ہوشیار ہو کر اٹھ بیٹھے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب ٹی وی دیکھتے تھے مگر صرف قوالی یا حمد و نعت کے پروگرام۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور اہلِ بیتِ اطہار کے ذکر اذکار پر آنسوؤں سے منہ دھوتے رہتے تھے۔

تعلیم و تربیت

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کی عمر چار برس ہو گی جب والد ماجد کا سایہ سر سے اُٹھا۔ بچپن ہی سے پڑھنے لکھنے کا شوق تھا سکول بھی جاتے تھے۔ مگر طبابت کا شوق فزوں رکھتے تھے۔ اس زمانے میں درس و تدریس کی زبان اور کتابیں عربی و فارسی میں ہوتی تھیں گھر والوں کو بتلائے بغیر عربی فارسی کے ماہر، عالم و فاضل کی تلاش فرمانے لگے تگ و دو کے بعد پتہ چلا کہ سید عمر شاہ صاحب ریٹائرڈ تحصیلدار عربی و فارسی زبانوں میں ماہر مانے جاتے ہیں اور فنِ طبابت میں بھی ید طولیٰ رکھتے ہیں چنانچہ حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب معہ قانونچہ عربی، درِ دولت پر حاضر ہوئے پوچھا "کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟" فرمایا "پیرزادوں سے ہوں اولادِ سید کبیر الدین دریائی"۔ کہنے لگے "جاؤ بیٹا، اپنا کام کرو تمہیں ان چیزوں سے مطلب، مزار شریف کے چڑھاووں سے معقول آمدنی ہے۔۔۔" حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے فرمایا "مجھے اس لئے پڑھانے سے گریزاں ہیں کہ یتیم ہوں کوئی بڑا سفارشی نہیں رکھتا"۔ سید صاحب کا دل پسیج گیا کہا "اچھا کل آ جاؤ باقاعدگی سے پڑھو"۔ اگلے روز سبق دیا کہا "یاد کر کے آنا"۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب واپس آئے حسب معمول کام کاج میں مصروف رہے ساتھ ساتھ سبق یاد کرتے رہے۔۔۔ استاد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ دوستوں میں بیٹھے بات چیت کر رہے تھے فرمایا "سبق سناؤ" حضرت پیر سید رشید الدولہ نے استادِ محترم کو کتاب دے دی اور خود سبق زبانی سنا دیا استادِ محترم چونک گئے کہا "اچھا۔۔۔ دوبارہ سنانا"، دوبارہ اعتبار و اعتماد سے سبق دہرا دیا۔

استادِ محترم نے گلے لگایا اور مزید توجہ سے پڑھانے لگے۔۔۔ رفتہ رفتہ انہیں معلوم ہو گیا سید گلاب شاہ صاحب کے بیٹے ہیں جو حافظِ قرآن تھے۔ بڑے بھائی آغا صاحب حافظِ قرآن ان کے چھوٹے بھائی امین الدولہ حافظِ قرآن ہیں۔۔۔ حضرت استاد پر جلد یہ بھی انکشاف ہوا کہ غیر معمولی قابلیت کے مالک ہیں ایک بار جو پڑھ لیں یاد ہو جاتا ہے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب آٹھویں جماعت میں پڑھتے تھے ہیڈ ماسٹر صاحب نے اعلان

کیا کہ کل انسپکٹر صاحب معائینہ سکول کے لئے تشریف لائیں گے سب طلبا اہتمام کے ساتھ صاف ستھرے کپڑے پہن کر سر پر ٹوپی یا پگڑی کے ساتھ آئیں۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کی والدہ صاحبہ نے پگڑی کے لئے سر کا دوپٹہ اُتار کر دے دیا انسپکٹر صاحب، ہیڈ ماسٹر صاحب اور سٹاف ہال میں آئے انسپکٹر صاحب نے سوال کیا "آپ کے مذہب میں جہنم کے سات درجے ہیں ان کے نام بتلائیں"۔ سٹاف میں کسی کو معلوم نہیں تھا۔ یہی سوال لڑکوں سے کیا سب چپ چاپ بیٹھے رہے انہوں نے تاہم دیکھا ایک بچہ جواب دینا چاہتا ہے مگر پس و پیش کر رہا ہے انہوں نے اشارہ کیا "تم جواب دے سکتے ہو!"۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کھڑے ہوئے اور نام بنام درجے گنا دیئے انسپکٹر صاحب خوش ہوئے انہیں ڈائس پر بلایا کہا "اپنے استادوں کی طرف منہ کر کے پھر گناؤ۔۔۔" پوچھا "تمہیں کس نے تعلیم کیا ہے" فرمایا "میرے والد صاحب حافظِ قرآن تھے عالمِ دین تھے میری والدہ مجھے قرآن اور تفسیر سناتی رہتی ہیں"۔ انسپکٹر صاحب نے ایک روپیہ چاندی کا انعام دیا پوچھا "اس سے کیا خریدو گے؟"۔ فرمایا "میری ماں نے اپنا دوپٹہ میرے سر کی پگڑی بنا دیا ہے اس روپیہ کا دوپٹہ لے کر ان کے سر پر ڈالوں گا"۔

سر پر دوپٹہ ڈالنے کی شرم حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے یوں نبھائی کہ عمر بھر والدہ صاحبہ کے احکامات کی بلا چوں و چرا تعمیل فرمائی۔

نوٹ :- جہنم کے مندرجہ ذیل سات نام ہیں۔

(۱) جہنم (۲) جحیم (۳) سعیر (۴) سقر (۵) لظیٰ (۶) ھاویہ (۷) حطمہ

انکساری

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے طبی کونسل کا اجرا کیا جس نے اطبا کو رجسٹر کر کے عطائیوں سے نجات کی صورت دکھلائی۔

جناب حکیم نیر واسطی اس کونسل کے صاحب صدر اور جناب آفتاب قرشی سیکرٹری تھے۔ (آفتاب قرشی صاحب اسلامیہ کالج کے دنوں کے دوست تھے اور قبل تقسیم ہند ہم اکٹھے مسلم لیگ کے پراپیگنڈا کے لئے دور دراز ہندوستان کے علاقوں میں گئے اور کئی دفعہ سیر کے لئے کشمیر بھی گئے) کونسل کے اراکین شہر شہر گئے اور طبیہ کالج کے فارغ شدہ مستند اطباء کو رجسٹر کیا۔

اسی سلسلہ میں جناب حکیم نیر واسطی گجرات تشریف لائے اور حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کے صاحب زادے حکیم عزیز الدولہ کو رجسٹر کیا۔۔۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ کی شہرت گجرات سے باہر شہر شہر سارے ہندوستان پھیلی تھی مگر حضرت پیر سید رشید الدولہ کاغذات سمیت اپنے عام لباس میں انکساری کے ساتھ بورڈ کے سامنے پیش ہوئے۔۔۔ حکیم نیر واسطی صاحب کاغذات دیکھ رہے تھے آفتاب قرشی نے سرِراہے پوچھا "آپ نے طب عَربی میں پڑھی؟" فرمایا "نہیں، عَربی میں پڑھی تھی"۔ حکیم نیر واسطی نے جناب آفتاب قرشی کی طرف دیکھا۔ اُٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت پیر سید رشید الدولہ سے بغل گیر ہوئے کہا "ہم نے انہیں رجسٹر نہیں کرنا، انہوں نے ہمیں رجسٹر کرنا ہے"۔۔۔ حکیم نیر واسطی گجرات گاہے گاہے حضرت پیر سید رشید الدولہ سے ملاقات کی خاطر تشریف لاتے تھے۔

کلمہ سیدھا کرلیں

کئی برس کی بات ہے چند افراد تبلیغی جماعت سے متعلق، مطب میں تشریف لائے حضرت پیر سید رشید الدولہ مطب کرتے تھے تو کھڑے رہتے تھے۔۔۔ ہاتھ میں شربت کی بوتل تھی۔ دوسرا ہاتھ نبض پر تھا۔ نسخہ ترتیب دینے کی فکر میں تھے کہ ان حضرات نے موجودگی کا احساس دلانے کے لئے کہا "اسلام علیکم"۔ حسبِ عادت حضرت پیر سید رشید الدولہ نے خندہ پیشانی سے بہتر جواب سلام دیا۔ فرمایا "تشریف رکھیں"۔ مگر وہ کھڑے ہی رہے حضرت پیر سید رشید الدولہ نے نرمی سے بار دیگر فرمایا "یہ بنچ اور کرسیاں بے زبان، زبان حال سے کہہ رہی ہیں کہ انہیں استعمال میں لایا جائے"۔ ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ کھڑے رہے حضرت پیر سید رشید الدولہ مریضوں کو چھوڑ کر ان سے مخاطب ہوئے "فرمائیے کیا خدمت کروں" انہوں نے کہا "آپ پہلے اپنا کلمہ سیدھا کریں" حضرت پیر سید رشید الدولہ پر جلالی کیفیت طاری ہوگئی اور پھر۔۔۔ آنکھیں برسنے لگیں۔ طبیعت سنبھلی تو فرمایا "وہ کون۔۔۔ ہے جس نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے کلمے کو ٹیڑھا کر دیا ہے۔ اسی کو پکڑتے ہاں ورنہ ہم کلمہ سیدھا کرتے رہیں گے اور وہ ٹیڑھا۔۔۔ اسے کیفر کردار تک پہنچانا تو قرض ہوا۔۔۔" وہ ایک ایک کر کے کھسکنے لگے۔۔۔ مگر چند دنوں بعد ایک عرب، عربی لباس میں ملبوس معہ مترجم ہمراہ لئے مطب میں آئے۔ اس مرتبہ خود ہی بیٹھ گئے ایک نے کہا "یہ عرب عالم ہیں تورات، زبور، انجیل اور دیگر آسمانی

صحیفوں کا علم رکھتے ہیں ہم نے آپ کی رہنمائی کے لئے انہیں تکلیف دی ہے پاکستانی عربی نہیں جانتے یہ مترجم بھی اسی غرض سے ساتھ ہیں کہ سمجھنے سمجھانے میں آسانی ہو"۔ کوئی ڈیڑھ دو گھنٹہ انہوں نے عربی میں تورات، زبور، انجیل پر سیر حاصل بحث فرمائی ترجمان ان کے مضامین عالیہ اردو میں بیان کرتا رہا۔ اب انہوں نے خود کرسی سے ٹیک لگائی اور خاموش ہو گئے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے دریافت فرمایا "محترم استاد کو اور کچھ کہنا ہے" کہا "نہیں بس کافی ہے" اب حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے اس عالم دین کو عربی میں مخاطب فرمایا۔ حیرانی میں انہوں نے دریافت کیا "آپ کو عربی پر عبور حاصل ہے"۔ فرمایا "یہ بات فالتو ہے کام کی بات ہونی چاہیے آپ نے تورات، زبور، انجیل اور دیگر آسمانی صحائف سے نبیؐ آخر الزماں کی بعثت کے سلسلہ میں اشارے بیان فرمائے ہیں تورات، زبور، انجیل تحریف شدہ ہیں۔ ان کے مقابلہ میں قرآن ہے جس کی حفاظت کا اہتمام ذاتِ خداوندی نے خود اپنے ذمہ لیا ہے۔ قرآن رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نازل ہوا اس کا نقطہ مدو شد نہ بدلا گیا ہے نہ بدلا جا سکتا ہے آپ حضورؐ کے نبی آخر الزماں ہونے کے سلسلہ میں متروک کتابوں کے حوالے دیتے ہیں۔ رمز و اشارے بتلاتے ہیں جن کے دوسرے معنی ہو سکتے ہیں ۔۔۔ آپ کی عقل کا ماتم کروں یا نہ کروں ۔۔۔ اور اس کے سوا کیا کہہ سکتا ہوں یا کر سکتا ہوں ۔۔۔" معلوم نہیں بات کیا رخ اختیار کرتی مگر وہ اٹھے اور اپنے حواریوں کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اور پھر کبھی نہیں لوٹے ؎

نسیمِ صبح تیری مہربانی

موہری

یہ غالباً ۱۹۴۴ء کا ذکر ہے کہ حضرت پیر سید رشید الدولہ کی انگلی میں ایک "موہری" نکل آئی جو سخت تکلیف دہ تھی۔ سبھی دیکھ رہے تھے کہ بڑا دکھ جھیل رہے ہیں مگر حضرت پیر سید رشید الدولہ تکلیف برداشت کئے جاتے تھے۔ جراح بآسانی چیرا دے سکتا تھا مگر چیرے کے خیال ہی سے گھبراہٹ ہوتی تھی۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ کے احباب جن میں حاجی محمد دین صاحب، استاد غلام رسول صاحب، حکیم عبیداللہ صاحب اور میرزا قدیر صاحب سبھی شامل تھے تکلیف دیکھتے رہے اور مشورہ وہی چیرہ دینے دلانے کا دیتے تھے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ کی والدہ صاحبہ نے سختی سے اپنی "موہری" کا علاج گجرات کے مشہور جراح معراج دین سے کرانے کا حکم دیا جس کی جراحی کی دکان سبزی منڈی میں تھی۔ (یہ دکان آغا سلیم خاں صاحب جو ٹیلیفون انجینئر ہیں کے مکان کے سامنے تھی) اور دوستوں سے کہا "تم کیسے دوست ہو کہ دوست کو پکڑ کر اس کی انگلی میں چیرہ نہیں دلا سکتے"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ اپنے کمرہ میں جو ان کا کتاب خانہ تھا بے چین بیٹھے تھے احباب باہر دیوان خانہ میں تھے میرزا قدیر نے رحمے سے کہا کہ جراح کو بلائے ۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ میرزا قدیر سے ناراض ہوئے اور رحمے کو بھی ڈانٹا مگر والدہ صاحبہ نے مکرر حکم دیا۔ اب سب نے مل کر حضرت پیر سید رشید الدولہ کو قابو کر لیا۔ جراح نے نشتر سنبھالا حضرت پیر سید رشید الدولہ نے اور شور مچایا۔ مگر جراح نے بڑی چابک دستی سے چیرہ دے ہی دیا۔ اس سے تکلیف تو ہوئی تھی مگر مواد نکل گیا، آرام بھی آیا۔ احباب اب حضرت سید رشید الدولہ کو ہوا میں باہر لے آئے درد کم ہوتا گیا اور ساتھ غصہ رفع دفع ہوا۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا "مجھے بھی علم تھا جب تک مواد نہیں نکلے گا آرام نہیں آ سکتا مگر نشتر سے متعلق اطمینان نہیں تھا کہ جراثیم سے پاک صاف ہو گا" میرزا قدیر اور حکیم عبید اللہ کو البتہ لطیفہ مذاق ہاتھ آ گیا حضرت پیر سید رشید الدولہ کو سنا دیا کرتے تھے۔

"ایس ویلے وڈیاں گلاں کرناں ے، چھوٹے جیہے نہیرنے کولوں ڈر گیا سیں"

ایسا سوال

جناب غلام احمد پرویز ادارہ طلوع اسلام کی وجہ سے بھی مشہور و معروف تھے اور اپنے علم و ادب اور خاص انداز دین داری کے لئے بھی ۔۔۔ ان کے ماننے والوں کی اچھی خاصی جماعت ہے جو پرویزی کہلاتے ہیں۔

گجرات کچہری روڈ، ڈاکٹر اکرم مرزا کے کلینک جناب غلام احمد پرویز تشریف لائے۔ اعلان کیا گیا کہ جناب غلام احمد پرویز وعظ فرمائیں گے کسی صاحب کو کوئی سوال پوچھنا ہو تو آ جائیں۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ تشریف لے گئے۔ عادت شریفہ میں شامل تھا کہ صف آخر میں بیٹھ جاتے تھے۔ آج ہال بھرا ہوا تھا پیچھے ہی بیٹھ گئے سوالات و جوابات کا سلسلہ شروع ہوا آخر کار سٹیج سے دور ایک سوال کیا گیا

پرویز صاحب نے کہا "آپ آگے تشریف لے آئیں"۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا "میرا سوال آپ تک پہنچ گیا ہے میرے آگے آنے کی ضرورت نہیں ہے"۔ کہا "آپ شاید رشید الدولہ ہیں، ایسا سوال کسی نے کیا تو یہ رشید الدولہ ہی کر سکتے ہیں مجھے علم تھا"۔ فرمایا "نام سے کیا فرق پڑتا ہے جواب دیں" کہا "یہی سوال میرے ذہن میں تھا جو میں نے آپ سے کرنا تھا میں سوچ رہا تھا کہ درِ دولت پر حاضر ہو کر اس گتھی کو سلجھاؤں گا"۔

پھر ڈاکٹر اکرم مرزا اور غلام احمد پرویز حاضر خدمت ہوئے۔ ڈاکٹر اکرم مرزا نے تو آنا جانا شروع کر دیا۔

حکم حاکم

حضرت پیر سید رشید الدولہ کی زمینیں یوسف گاؤں دولت نگر میں تھیں۔ تقسیم ہندوستان سے پہلے مزارع ہندو تھے تقسیم کے بعد مسلمان مزارع ملے۔ وقت گزرنے کے ساتھ گیہوں یا دوسرے اناج کہاں، حضرت پیر سید رشید الدولہ صرف مالیہ (آبیانہ) ادا فرماتے رہے۔

گیہوں کی ساٹھ ستر بوریاں حضرت پیر سید رشید الدولہ منگواتے تھے ۰۰۰ گرمی سخت تھی ابھی گیہوں نہیں آئی تھی۔ ادھر بے جی کی تاکید تھی کہ آج گندم آ جانی چاہیے۔ رحمت جسے رحما کہتے تھے اور فضل الٰہی کو حضرت پیر سید رشید الدولہ نے گاؤں روانہ فرمایا ۰۰۰ بوریاں بھرتے بھرلادتے لادتے دیر ہو گئی۔ ۴ بوری فی اونٹ بالآخر گندم لدی گئی۔ ۵ ہندو مزارع اور دو مسلمان ساتھ ہوئے انتظام یہ کیا کہ سب سے پچھلے کی دم میں رسی باندھ کر فضل الٰہی کو تھما دی تاکہ رات کے وقت اندھیرے میں ادھر ادھر نہ ہو جائے قافلہ راستوں سے بچتا بچاتا صبح کی اذان کے وقت گجرات دیوان خانہ پہنچ گیا۔ کاشتکاروں نے اونٹ بٹھا دیے۔ تمام رات مزارع رحمہ اور فضل جاگتے اور سفر کرتے رہے تھے گجرات پہنچے تو تھکن کے مارے بُرا حال تھا۔ رحمہ، فضل اور مسلمان کاشتکاروں کے لئے حضرت پیر سید رشید الدولہ نے شکر کا شربت ستو کے ساتھ بنوایا۔ ہندوؤں کو نقد دیا کہ بندوبست کر لیں ۰۰۰ اور خود چپ چاپ کسی کو خبر نہ ہوئی انور سلمہ کو ساتھ لیا اور ایک ایک کر کے گندم کی بوریاں اٹھائیں۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ انور کا ہاتھ پکڑتے اور بوری سنبھال کر دوسرے ہاتھ سے بوری کو تھامے رہتے اس طرح اناج کے کمرے میں لا کر رکھتے رہے ۰۰۰ اسی دن آرام فرمانے سے پہلے حضرت پیر

سید رشید الدولہ نے گھر میں کام کاج کرنے والوں کے گھروں میں حصہ رسدی اناج پہنچا دیا۔

نفسِ امارہ

استاد ذوق مرحوم نے فرمایا ؎

بڑے موذی کو مارا نفسِ امارہ کو گر مارا
اگر پارے کو دے اکسیر گر مارا تو کیا مارا

گرمی کا موسم تھا حضرت پیر سید رشید الدولہ، شالی، صوفی لیاقت اور دیگر چند ایک احباب کی معیت میں حافظ آباد شاہ رحمان کے عرس و میلہ دیکھنے تشریف لے گئے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے نفس امارہ پر پورا قابو پا لیا تھا اور صرف اس طرح سے کہ جب ان کی خواہش ہوتی کہ فلاں چیز کھائی جائے بس وہی نہیں کھاتے تھے۔

میلہ کے میدان میں جامن کے بڑے بڑے پیڑ لگے ہوئے تھے ان کے سایہ میں فقیروں درویشوں کی ٹولیاں بیٹھی ہوئی تھیں کچھ پی پلا کر مست الست تھے کچھ تیاریاں فرما رہے تھے۔

اسلام کا جھنڈا ہاتھ میں لے
توحید کا ڈنڈا ہاتھ میں لے
اے مست قلندر دھر رگڑا
رگڑے پہ رگڑا دھر رگڑا

گرمی عروج پر تھی حضرت پیر سید رشید الدولہ نے ملائی قلفی والے کو دیکھا جس نے قلفیوں کا ڈبہ سائیکل پر پیچھے باندھ رکھا تھا۔۔۔ اسے بلایا۔

جناب صوفی لیاقت کو حضرت پیر سید رشید الدولہ سے محبت عقیدت کی حد تک تھی۔ ہر وقت خدمت کے لئے کمر بستہ رہتے تھے۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ کے خزانچی بھی صوفی لیاقت تھے۔ جب کسی میلے عرس میں تشریف لے جاتے تھے۔ انہیں کچھ رقم دے دیتے تھے۔ اور پھر ہدایت کے مطابق صوفی لیاقت خرچ کرتے رہتے تھے۔

پیر سید رشید الدولہ نے دریافت فرمایا "اس ڈبہ میں کتنی قلفیاں ہیں"۔ کہا "جی پچاس ہوں گی"۔ فرمایا "ان پر کیا لاگت آئی"۔ کہا "کوئی تیس روپے"۔ فرمایا "سارا ڈبہ کتنے کا بک جائے گا" کہا "پچاس

یا ساٹھ روپے میں"۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے خزانچی سے فرمایا "اسے ساٹھ روپے دے دیں۔۔۔" فرمایا" یہ ڈبہ یہیں رکھ دو اور قلفیاں لے آؤ۔۔۔" وہ میلہ میں سے تین قلفی فروش لے آیا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا" ساٹھ روپے فی کس کے حساب سے انہیں ادا کر دیں۔۔۔" جناب صوفی لیاقت نے ذرا پس و پیش کیا فرمایا" تمہارا کام ادائیگی ہے اور بس۔۔۔" پھر توقف کے بعد فرمایا" یہ ساری قلفیاں لے جاؤ اور درویشوں کو کھلا دو"۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ قلفی کھانا چاہتے تھے مگر نفس کی بات کیسے مانتے۔

فرض کو قرض

حضرت پیر سید رشید الدولہ کی صاحب زادی خالدہ سلمہا کی شادی خانہ آبادی ہوئی۔ خالدہ کو شوہر کے ساتھ آبائی قبرستان میں لے گئے۔ بڑے بھائی آغا صاحب کی قبر کے قریب پہنچ کر گلو گیر آواز میں فرمایا" آغا صاحب، آپ کی ذمہ داری پوری کر دی ہے۔"

دوسری صاحب زادی فرخ جمشید سلمہا کو میرے ساتھ آبائی قبرستان میں لائے اور میری والدہ مرحومہ کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا" بہن جی میں نے آپ کی مرضی کے مطابق آپ کی خواہش پوری کر دی ہے"۔

دوسری دونوں صاحب زادیوں کو ان کے شوہروں کے ساتھ آبائی قبرستان میں مرحومہ بیوی کی قبر پر لائے اور یہی دہرایا" تمہاری ذمہ داری تمہاری مرضی کے مطابق پوری کر دی ہے"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ کی تیسری بیٹی کی شادی خانہ آبادی حافظ جی کے اکلوتے بیٹے نصر الدولہ سے ہوئی نصر الدولہ کی والدہ صاحبہ زندہ تھیں مگر حافظ جی انتقال فرما گئے تھے حافظ جی کی قبر پر لے جا کر فرمایا" میں نے آپ کی مرضی کے مطابق آپ کی خواہش پوری کر دی ہے"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ فرض کو قرض سمجھتے تھے۔ جس کی ادائیگی مرحوم پیاروں کی طرف سے کی جانی ضروری ہو سکتی تھی۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ کی چھوٹی صاحب زادیوں کی شادی ہوئی بیوی صاحبہ انتقال فرما گئی تھیں۔ صاحب زادی فرخ جمشید راقم کی زوجہ سے کہا جو کچھ بھی سامان جہیز وہ دونوں خریدنا چاہیں انہیں خرید دو محسوس نہ کریں ان کی ماں اب دنیا میں موجود نہیں۔

بچوں سے شفقت

حضرت پیر سید رشید الدولہ بچوں بالوں کے کھیل کود اور دیگر دلچسپیوں میں برابر شریک ہو جاتے تھے ان کے دل بہلا دے کے لئے کبھی کبھی کھڑے ہو کر یا زمین پر بیٹھ کر دو گیند نے کر اچھالتے تھے اچھالتے جاتے تھے اور بولتے تیسرا گیند دو، اب تین گیند اچھالتے تھے اس میں چوتھا شامل کر لیتے اور پھر پانچواں اور چھٹا۔ مسلسل ہاتھ کے اشاروں سے گیند اچھلتے رہتے تھے۔

کافی دیر کمال کا مظاہرہ کرتے اور بچے حضرت پیر سید رشید الدولہ کے گرد گھیرا ڈالے تماشہ دیکھا کرتے۔ پھر اسی طرح ایک ایک گیند کم کرتے جاتے اور پھر وہی دو گیند رہ جاتے جنہیں کچھ دیر اور اچھال کر کھیل تمام کرتے تھے۔ بچے خوشی سے تالیاں بجاتے تھے۔ اسی طرح حضرت پیر سید رشید الدولہ دو ریکٹ (شٹل کاک سے کھیلنے والے) لیتے انہیں تھام کر اچھالتے تھے پھر تین اور پھر چار ریکٹ یاد رہے جب پیر صاحب گیند یا ریکٹ اچھالتے تھے تو ہم مزید بال یا ریکٹ دیتے جاتے تھے تاکہ تسلسل قائم رہے یہ ریکٹ اس طرح اچھلتے جیسے پڑھا لکھا دیا ہو۔ جس کے بعد جو استاد نے کہنا ریکٹ نے کرنا۔۔۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا "بچوں کو میرے پاس آنے دیں۔ بچے جنت میں ہوں گے"۔

میں تو یہی رہوں گا

ہندوستان اور پاکستان کی جنگ ہوئی حضرت پیر سید رشید الدولہ کے خالہ زاد بھائی سید شبیر شاہ ڈنگہ سے تشریف لائے۔۔۔ دیوان خانہ میں چند خندقیں کھودی گئیں۔ رات سبھی ان خندقوں میں بسر کرنے لگے۔ سید ظہیر الدولہ سلمہ، اس وقت دو، اڑھائی برس کے ہوں گے خندق میں بہت گھبراتے تھے جب روتے تو پھپھو فرخ جمشید اس کے منہ میں چوسنی لگا دیتی تھیں۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ، بے جی کو خود اٹھا کر لاتے تھے۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے سب مستورات کو ایک ایک پڑیا دی فرمایا "سکھ وغیرہ آئیں تو موقعہ کی نزاکت کے مطابق ضروری کاروائی کرنا لازم ہے"۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے مزید فرمایا "البتہ میں یہیں رہوں گا۔ بے جی کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا"۔

محبت اہلِ بیتِ اطہار

ایک زمانہ میں شبیہ ذوالجناح اور تعزیہ کا جلوس شیعوں کی نگرانی۔ امام بارگاہ جسے اب امام بارگاہ

امامیہ کہتے ہیں ڈیرہ سے نکلتا تھا۔ جلوس کی ساری رات حضرت پیر سید رشید الدولہ آنکھوں میں کاٹتے تھے تعزیہ اٹھاتے تھے۔ برابر ماتم کرتے اور نوحہ خوانی میں شریک ہوتے تھے۔

جلوس بازار سے گزرتا تھا۔ تین جگہوں پر رکتا تھا۔ ہر مقام پر کھڑے ہو کر حضرت پیر سید رشید الدولہ عزاداروں سے خطاب فرماتے تھے مصائب اہلِ بیتِ اطہار پر خود روتے تھے عزاداروں کو بھی رلاتے تھے۔

محبتِ اہلِ بیتِ اطہار نے حضرت پیر سید رشید الدولہ کے رویوں کو بدل دیا تھا۔ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا باادب ہو بیٹھتے تھے درود پڑھتے تھے چہرہ پر عجیب نور جھلکنے لگتا تھا ذکرِ امیر المومنین، امام ۔ ۔ ۔ علی ابن ابی طالب علیہ السلام پر جوش و جذبہ پور پور سے پھوٹتا نظر آتا تھا۔ حسین علیہ السلام و اصحابِ امامِ عالی مقام کے ذکر پر آنکھیں چھلکنے لگتی تھیں۔ شدتِ گریہ سے آواز بند ہو جاتی تھی۔ صرف صندوقِ سینہ میں جذبہ موجیں مارتا دکھائی دیتا تھا۔

نامِ حسینؑ لیا جاتا تو حضرت پیر سید رشید الدولہ ہمہ تن گوش ہو جاتے ۔ ۔ ۔ نامِ حسینؑ لینے والا کوئی ہو، کیسا ہو کبھی کوئی کراہت محسوس نہیں کرتے تھے پاس بٹھا لیتے تھے۔ شفقت سے سر پر ہاتھ رکھتے تھے پیار سے بات کرتے تھے ۔ ۔ ۔ ایسا ہی رویہ حضرت پیر سید رشید الدولہ کا اس خراب خستہ حال ست تھا جسے "باندی" کہتے تھے منہ ہاتھ سر پیر گرد و غبار سے اٹے ہوئے کپڑے گندے میلے کچیلے، خولی ۔ ۔ ۔ اور یہی خوبی حضرت پیر سید رشید الدولہ کے لئے سب سے خوبی کی خوبی کہ جب دیکھو باندی ماتم حسینؑ میں سینہ کوبی کرنے کھڑا ہو جاتا تھا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ اس کا ہاتھ دھلاتے کپڑے اندر بھیج دیتے کہ دھو دیں۔ کھانے پینے کے لئے بسکٹ چائے کا اہتمام فرماتے انہیں مطلق کراہت محسوس نہیں ہوتی تھی بلکہ "باندی"، نامِ حسینؑ، ماتم حسین کرتا تو عجیب جان میں جان پڑتی معلوم ہوتی تھی۔

سلسلہ عزاداری

پیروں کے گھروں میں اندر باہر، عرس فاتحہ ختم شریف، درود و سلام کی محفلیں ہوتی ہیں قوالیوں کے علاوہ ناچ گانے بھی رہتے ہیں ۔ ۔ ۔ حمیدہ، رشیدہ دونوں دیوان خانہ آتی تھیں۔ ان میں سے ایک کی بیٹی ماضی کی نامور ہیروئن نشو ہے۔

ڈھولکی کا شوق عام گھروں میں بھی بچیوں کو ہوتا ہے شادی بیاہ کے موقعہ پر ڈھولکی خود ہی دل...

کی سہیلیاں بجاتی اور مل کر گاتی ہیں اور خوب رونق رہتی ہے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ کی صاحب زادی فرخ جمشید ڈھولکی اچھی بجاتی ہیں انہوں نے حمیدہ رشیدہ، سے ڈھولک بجانا سیکھی تھی۔۔۔ اِن کا اصل کمال سوز و نوحہ خوانی ہے ذاکری کی تربیت انہوں نے پھوپھو زبیدہ خانم راقم کی والدہ سے لی تھی۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ محرم کی اس زنانہ مجالس کا اہتمام فرماتے تھے۔ مجلس عزا میں اعلیٰ پایہ ذاکر اور نوحہ خواں خواتین کو شرکت کی دعوت دی جاتی تھی۔ تمام اخراجات حضرت پیر سید رشید الدولہ اپنی جیب سے کرتے تھے۔

محرم میں مردانہ مجالس کا اہتمام بھی کیا جاتا تھا حافظ کفایت حسین اعلیٰ اللہ مقامہ اور خطیب آل محمدؐ مولانا اظہر حسین زیدی، علامہ الحاج محمد بشیر صاحب انصاری فاتح ٹیکسلا، ذاکر قنبر، مولوی گلفام، ذاکر ذوق، عاشق بی۔اے اور جوہر شاہ صاحب کے نام قابل ذکر ہیں۔

اس ضمن میں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ قدیمی امام بارگاہ امامیہ میں جب یہ محسوس ہوا کہ جائے تنگ است، مردم بسیار تو حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے امام بارگاہ کی تعمیر کا بیڑا اٹھایا۔ چنانچہ دیوان خانے کے شمال کی طرف دو کنال زمین خریدی گئی۔ دیگر حصہ داروں کو جو سبھی پیرزادگان تھے حصہ رسدی رقومات ادا کی گئیں اور امام بارگاہ امامیہ کے نام رجسٹری کرالی گئی۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے یہ رجسٹری جناب ڈاکٹر سید ذوالفقار حیدر کو دی اور کیونکہ آپ عمر کے اس حصہ میں تھے کہ وہ بھاگ دوڑ نہیں کر سکتے تھے اس لیۓ امام بارگاہ کی تعمیر کی ذمہ داری لگائی۔

زمین کی سطح نیچے ہونے کی وجہ سے حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کی زوجہ محترمہ، راقم کی والدہ ماجدہ، نصر الدولہ کی والدہ صاحبہ اور چاچی سرداراں صاحبہ (پیر سید محمد طفیل صاحب کی زوجہ) نے اپنی جیب خاص سے بھرتی ڈلوائی۔ اور راقم کی زوجہ فرخ جمشید نے نلکہ لگوایا۔

وہاں ایک "برنا" کا درخت تھا جو بوڑھا اور بیمار ہو چکا تھا۔ حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب نے اس درخت کو کٹوا کر ایک "بوڑھ" کا درخت لگایا۔ جو اب خوب پروان چڑھا ہوا ہے۔ اس جگہ چند ایک مجالس کا اہتمام بھی کیا گیا۔ ان مجالس میں جہاں تک مجھے یاد ہے گجرات کے مشہور ذاکرِ اہلِ بیت جناب اشرف صاحب نے خطاب فرمایا اور باقاعدہ ذوالجناح برآمد کیا گیا۔

جناب ڈاکٹر ذوالفقار حیدر صاحب نے عمارت کا نقشہ بنوایا۔ تجویز یہ تھی کہ عمارت اس انداز سے بنوائی جائے کہ محرم کے دنوں میں مجالس ہوں۔ اور باقی سارا سال امامیہ پبلک سکول بیاد حکیم پیر سید رشید الدولہ کام کرتا رہے۔۰۰۰ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صاحب کے دورِ حکومت میں چند شر پسندوں نے (جو معمولی آدمی تھے اور ڈاکٹر ذوالفقار کی علاج بالغربا کی فہرست پر بھی تھے) نے شکایت کی کہ سامنے اہلِ حدیث کی مسجد ہے۔ امام بارگاہ کی تعمیر سے نقضِ امن کا اندیشہ ہے۔

مارشل لار والوں نے انہیں کوئی گھاس نہ ڈالا۰۰۰ شکایت بے جا۔ ناواجب دی گئی مگر امام بارگاہ اور سکول بھی بننا تھا، نہ بنا۔ مگر انجمن امامیہ کے حق میں کی ہوئی رجسٹری، انجمن حسینیہ کے نام تبدیل ہو گی۔ اور اب وہاں ایک رہائشی مکان بنا ہوا ہے۔

حضرت پیر رشید الدولہ صاحب کے انتقالِ پُر ملال کے بعد راقم نے امامیہ انجمن کو جائز حق دلانے کے لئے مقدمہ بازی شروع کی مگر ع

شعلے سے بے محل ہے الجھنا شرار کا

والی بات ثابت ہوئی۔

دینزویلا سے فرخ جمشید کے ساتھ محرم میں گجرات آتے تھے حضرت پیر سید رشید الدولہ کی صاحب زادی فرخ جمشید نے سلسلہ عزاداری اسی انداز میں جاری رکھا ہے۔

ڈاکٹر منیر احمد سلیچ، گجرات، نے پیر صاحب کا سنِ وفات (۱۹۸۶ء) اس مادۂ تاریخ سے برآمد کیا ہے۔

"فقیرِ روشن ضمیر" = ۱۹۸۶ء

پیر فیروز شاہ

حضرت پیر سید رشید الدولہ شہر سے باہر گئے تھے تایا زاد بھائی سید فیروز شاہ صاحب خاصے عمر رسیدہ تیز طبیعت تھے خلافِ مزاج بات برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ان کی طبیعت ناساز تھی حکم دیا کہ کسی "سیانے" (یاد رہے اس زمانے میں ڈاکٹر کو "سیانا" کہا جاتا تھا) کو دکھلاؤ ایک کمپوڈر کا کلینک شاہدولہ دروازے کے اندر سنہری مسجد والی گلی کے موڑ پر تھا۔ اس کے سامنے حضرت پیر سید رشید الدولہ کے عقیدت مند حکیم عبیداللہ کے بھائی صاحب عبدالرشید عطار کی دکان تھی جو لطیفہ بازی میں بھی کمال رکھتے تھے۔ پیر فیروز شاہ صاحب سے ان کی گاڑھی چھنتی تھی۔ پیر فیروز شاہ لاٹھی ٹیکتے دوسرا ہاتھ میرے کندھے پر رکھے، عبدالرشید عطار سے دو چونچلے کے بعد ڈاکٹر صاحب کے کلینک میں داخل ہوئے کہا" ۔۔۔ مہاراج خیریت ہے"۔

فرمایا" بالکل نہیں پیٹ میں درد ہے۔ بخار بھی ہے۔ دیکھو"۔ ڈاکٹر صاحب کے دونوں ہاتھ سرد گردن رعشہ زدہ تھے نبض پر ہاتھ رکھا۔ سر ہلنے لگا۔ یہ سمجھے کہہ رہے ہیں اب بچنا محال ہے۔ پھر کیا تھا، گالیوں کا طوفان پھٹ پڑا ڈاکٹر صاحب نے ہاتھ جوڑے "مہاراج کیا قصور ہوا" سید فیروز شاہ نے اپنی لاٹھی لہرائی۔ لوگ جمع ہو گئے پیر فیروز شاہ برابر گالیاں دیتے ہوئے ہنکارے "ادئے منڈیا، گھر لے چل" سارے راستہ غصہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ "سر ہلا کر ہندو کافر کا بچہ کہتا ہے بچنا محال ہے۔ کیس خراب ہے، مایوسی میں سر ہلاتا ہے مزاج درست نہ کروائے پھر فیروز شاہ نہ کہنا"۔

پیر سید فیروز شاہ صاحب کا تکیہ کلام "ناخواندہ" تھا۔ ہر خاص و عام کو ناخواندہ کہہ کر ہی مخاطب ہوتے تھے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے چند احباب کے ساتھ موسم گرما میں حسب دستور سابق ریاست کشمیر کی سیر کا پروگرام بنایا۔ حافظ جی کشمیر کی سیر میں ساتھ جاتے تھے مگر اس بار معذوری و مجبوری کا

اظہار فرمایا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ چاہتے تھے کہ پروگرام رہنے دیں مگر تایا زاد بھائی پیر سید فیروز شاہ نے جو کبھی حضرت پیر سید رشید الدولہ پر چوٹ کرنے سے نہ چوکتے تھے۔ اصرار فرمایا کہ وہ ساتھ جائیں گے۔ گجرات بات دوسری تھی سب اپنے تھے حضرت پیر سید رشید الدولہ کو جانتے تھے اور پیر سید فیروز شاہ کی حرکات سے بھی آگاہ تھے مگر کشمیر میں اپنے بیگانوں کے درمیان یہ کیسے قابل برداشت ہوں گے۔ اسی باعث حضرت پیر سید رشید الدولہ نے ٹال مٹول شروع کی۔ مگر آخر کار ہار مان کر کشمیر کی سیر کے لئے نکلے اور سید پیر فیروز شاہ کو ساتھ لیا۔

اس بار وادی میں جانے کے بجائے حضرت پیر سید رشید الدولہ نے پیر پنجال کے ایک گاؤں میں ڈیرہ ڈال دیا۔ لوگ باگ معتقد تھے اور اصرار کر رہے تھے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ سیر و سفر میں بھی خدمت خلق سے غافل نہیں ہوتے تھے حسب دستور بہت سی دوائیاں ساتھ رکھ لی تھیں تاکہ علاج الغربا میں آسانی ہو۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ سال بسال حضرت پیر سید رشید الدولہ کے جاننے اور ماننے والوں میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔۔۔ مریض ان کے گرد اگرد گھیرے رہتے تھے اور شفایاب ہو کر دعائیں دیتے نہ تھکتے تھے۔

میزبان کے گاؤں سے ایک دیہاتی نے لڑکے کی طرف اشارہ کیا کہ اسے دیکھیں اس کی آنکھوں اور کان میں تکلیف تھی فرمایا "اس وقت میرے پاس اس کی دوا نہیں گجرات جاؤں گا دوا بھیج دوں گا۔ کوئی آدمی ساتھ بھیج دینا۔ ایسی فکر کی بات نہیں۔۔۔" مگر وہ چاہتا تھا کہ بچے کا علاج ابھی اسی وقت کریں۔ سب کو معلوم تھا کہ حضرت پیر سید رشید الدولہ بڑے بھائی کا حکم نہیں ٹالیں گے وہ پیر سید فیروز شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہا "آپ جیسے نیک دل عالی ظرف کی موجودگی میں حضرت پیر سید رشید الدولہ علاج نہ فرمائیں تو اندھیر ہے۔۔۔" پیر فیروز شاہ صاحب نے حکم دیا کہ بچے کا علاج فوراً شروع کریں۔ بہتیرا سمجھایا دوا موجود نہیں گجرات سے بھجوا دوں گا فرمایا "میں نہیں جانتا اور ابھی اور اسی دم دو۔۔۔" برہمی میں چند در چند سخت باتیں اور کہہ گئے۔ مگر دوا نہیں تھی۔ اب انہوں نے کہا اچھا "اپنی دوا سنبھال رکھو میں بچے کو دوا دوں گا۔۔۔" خاموشی کے ساتھ نوکر سے کہا چند سوکھی لال مرچیں لے آؤ۔ انہیں باریک پسوا کر سرمہ کی شیشی میں بھر کر دے دیا کہا "ایک سلائی اب ایک شام ایک صبح لگاؤ"۔

پھر حضرت پیر سید رشید الدولہ سے کہا "جب ہمیں ان گاؤں والوں کی خدمت نہیں کرنا ہے تو

ٹھہرنے کا فائدہ۔ دوسرے گاؤں چلو"۔ جب حضرت پیر سید رشید الدولہ نے پس و پیش فرمائی تو کہا "اچھا نہ سہی میں چلا جاتا ہوں" انہوں نے جو "علاج الغربا" فرمایا اس کے خیال سے کانپ رہے تھے۔ اس کی پاداش میں سب کو مار پڑے گی۔۔۔ وہ سوچ رہے تھے بس چل دیئے اور حضرت پیر سید رشید الدولہ بھی ساتھ ہوئے راہ میں ساری کرتوت کہہ سنائی دوسرے گاؤں ابھی نہیں پہنچے تھے کہ سب گاؤں والے شور مچاتے دوڑتے بھاگتے آتے ہوئے نظر آئے۔ حضرت فیروز شاہ جی تیز رفتاری کے ساتھ گاؤں پہنچ کر جان بچانے کی فکر تیز تیز آگے بڑھنے کی کوشش میں تھے کہ گاؤں والوں نے آلیا۔ منت سماجت کی کہا "واپس چلیں ایسا کیا قصور ہوا کہ بلا اطلاع رخصت ہوئے"۔ پھر آگے بڑھ کر کوئی حضرت پیر رشید الدولہ کوئی حضرت پیر فیروز شاہ کے ہاتھ چومنے لگا سب انہیں طبیب کامل ہونے پر دعائیں بھی دیتے جاتے تھے۔

پیر سید رشید الدولہ صاحب مجرب نسخہ کے استعمال سے فائدہ بخوبی سمجھ گئے تھے آنکھ میں کوئی جھلّی سی اُتر رہی تھی اس سے آنکھ کو دیکھنے بھالنے میں تکلیف ہوتی تھی مرچوں کی سلائی لگائی تو تکلیف تو سخت ہوئی مگر جھلّی کٹ گئی اور بچہ صاف دیکھنے لگا۔ "کار سازِ مابہ فکرِ کارِ ما"۔ کہہ کر حضرت پیر سید رشید الدولہ نے خدا کا شکر کیا فرمایا "واپس چلتے ہیں مگر سرمہ کی شیشی مع سلائی واپس لا کر دے دیں۔۔۔ استدعا ہے۔ خدارا آپ یہ نسخہ نہ استعمال کریں"۔

پروفیسر ڈاکٹر پیر نصیر الدولہ

کہتے ہیں ماں باپ کی خدمت فرض ہے اور قرض ہے۔ مگر کیا ماں باپ پر اولاد کا حق نہیں؟
راقم کے والد صاحب نے میری والدہ کو جب اپنے گھر سے نکالا تو انکیلئے اپنے بھائی حضرت پیر سید رشید الدولہ کے گھر میں پناہ لینے کے سوا ان کے پاس اور کوئی محفوظ ٹھکانہ نہ تھا۔ لہذا راقم کی پیدائش بھی اپنے ماموں کے دیوان خانے میں ہوئی۔ یاد رہے یہ دیوان خانہ "کوٹھی والوں" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

والد صاحب اچھی خاصی زمین اور جائیداد والے تھے۔ مگر ان کی زندگی میں ہی میرے چچا کی اولاد جائیداد کی آمدن سے مُستفید ہوتی رہی۔ پھر ان کے انتقال کے بعد جو جائداد میری اور میرے چچا کی اولاد کی مشترک ہے۔ اس کو میرے چچا کی اولاد اکیلے ہی بیچ کر عیش کر رہی ہے۔
جب کبھی میری چچازاد بھائی سے ملاقات ہوتی تو مجھے ہمیشہ یہی کہا جاتا " تمہارے حصے کی رقم جمع ہو رہی ہے۔ تم فکر نہ کرو تمہیں مل جائے گی" وہ تو یہی کہتے کہتے ۱۹۹۴ء میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ جب ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی تو دفن کرنے سے پہلے رسمِ دنیا کے مطابق جنازے کے قریب کھڑے ہو کر مرحوم کے صاحبزادے نے اعلان کیا " جس کسی کا میرے والد صاحب سے لینا دینا ہو اپنا حساب کتاب مجھ سے کر لے" میرے قریب کھڑے ہوئے ایک رشتہ دار نے مجھے مشورہ دیا کہ یہ موقع ہے اپنے حصے کا مطالبہ کر لو۔ " جس گھر میں میری پرورش ہوئی ہے اور جس شخص کے زیر سایہ (حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب) میں پل کر جوان ہوا ہوں وہ ہمیشہ یہی کہا کرتے تھے کہ جب کبھی درخواست کی نوبت آئے تو اوپر والی عدالت میں درخواست کر دیا کرو" میں نے جواب دیا۔
اب بھی جب میری اس صاحب زادے سے سرراہ ملاقات ہوتی ہے تو وہ میرے پوچھے بغیر ہی میرے حصے کی رقم کے جمع ہونے کا سندیسہ دے دیتا ہے۔
کہتے ہیں کہ بارہ سال بعد رُوڑی کی بھی سنی جاتی ہے۔ مگر میری والدہ صاحبہ کی ۱۴ سال بعد سنی

گئی۔ لہذا میری والدہ صاحبہ ایک دفعہ پھر سسرال گئیں مگر اپنے میاں کے آبائی مکان میں نہیں بلکہ کوچہ بندی کے ایک اور مکان میں جو کہ میرے والد صاحب کی ملکیت تھا یہ گھر آباد بھی کیا ہونا تھا۔ بس ایک رسم نبھائی گئی۔ میں تو اپنے ماموں کے ہاں ہی رہا۔ میرے والد صاحب، والدہ صاحبہ اور ان کے ملنے والوں کے لئے تین وقت کا کھانا میرے ماموں کے دیوان خانے سے ہی بھیجا جایا کرتا تھا۔ اسی لئے کہ میری والدہ رات کو تنہائی محسوس نہ کریں میرے ماموں کا ایک لے پالک بیٹا فضل الٰہی وہاں جا کر سوتا۔ دن کو تو میرے ماموں کے دیوان خانے سے کئی نوکر اور نوکرانیاں وہاں چکر لگاتی رہتی تھیں۔

میرے والد صاحب کو تو اتنی توفیق بھی نصیب نہ ہوئی کہ گھر کے میرے اخراجات برداشت کریں۔ ہاں مگر ایک بات ہے کہ وہ اپنے دیوان خانے جو کہ "صابری کٹیا" کے نام سے سارے شہر میں مشہور تھا میں رنگ رلیاں مناتے۔ مگر پھر بھی کھانا ان کے لئے اور ان کے مہمانوں کے لئے میرے ماموں کے دیوان خانے سے ہی جاتا تھا۔

میری والدہ صاحبہ یہ دکھ زیادہ دیر برداشت نہ کر سکیں اور ان کی صحت دن بدن گرتی چلی گئی۔ مگر میرے والد صاحب کے کانوں پر جوں تک نہ رینگتی۔ اور وہ صابری کٹیا کی زینت ہی بنے رہے۔ لہذا نوبت یہاں تک پہنچی کہ والدہ صاحبہ ان دکھوں کی وجہ سے علاج کے قابل نہ رہیں اور پھر ایک دفعہ انہیں اپنے بھائی پیر رشید الدولہ صاحب کی چوکھٹ پر آنا پڑا۔

کوچہ بندی میں وہ مکان جہاں میری والدہ صاحبہ چند دن رہیں وہ میری وراثت میں آتا تھا۔ مگر میرے والد صاحب کی وفات کے فوراً بعد میری چچا زاد بہن نے قبضہ کر لیا۔ میں ان دنوں ملازمت کے سلسلے میں بیرون ملک تھا۔ جب کبھی واپس لوٹتا تو میری یہ ہمشیرہ صاحبہ ہمیشہ یہ رونا لے کر میرے پاس آتیں "نصیر اپنا مکان مجھے دے دو" آخر اس رونے پیٹنے سے تنگ آ کر میں نے اونی پونی رقم پر مکان انہیں دے دیا۔

مخالفت اور کمینگی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ جب میری والدہ صاحبہ کا انتقال ہوا تو میرے والد صاحب اور میرے چچا زاد بھائیوں نے کھلم کھلا اعلان کیا کہ میری والدہ صاحبہ کو اپنے آبائی قبرستان میں دفن نہیں ہونے دیں گے۔ اگر کوشش بھی کی گئی تو کشت خون ہو جائے گا۔

میرے ماموں حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب جیسے ٹھنڈے مزاج کے شخص کو بھی غصہ آ گیا۔ مگر پھر بھی ضبط سے کام لیا۔ اور اپنے یاروں دوستوں کی ایک بڑی تعداد جو کہ اس حالت میں لڑنے مرنے

کے لئے تیار بیٹھی تھی کے ہمراہ اپنی بہن کو اپنے آبائی قبرستان جو کہ میرے والد صاحب کے آبائی قبرستان کے ملحق ہے میں خاموشی سے دفن کر دیا۔

ہاتھ کالمس

اسلامیہ کالج، ریواز ہوسٹل، میں مقیم تھا حضرت پیر سید رشید الدولہ کی صاحب زادی اور صاحب زادے طبیہ کالج میں پڑھتے تھے۔ ان کے لئے مزنگ، لاہور، میں بابو چراغ دین کے مکان کے قریب کرایہ کے مکان کا بندوبست کیا گیا تھا۔ بابو چراغ دین خاکسار اور حضرت پیر سید رشید الدولہ کے احباب میں تھے۔

لیبارٹری میں تجربہ کرتے ہوئے ٹسٹ ٹیوب گرم ہو گئی اور پھٹ گئی جس سے انگلی زخمی ہو گئی۔ تین ٹانکے لگائے گئے ۔۔۔ دوسرے دن تھیوری کا امتحان تھا۔ درد شدید تھا۔ ارادہ کیا مزنگ چل کر تیاری کروں۔

سردی کا موسم تھا چھوٹے سے کمرے میں بیٹھ کر پڑھنے لگا۔ دائیں ہاتھ قبرستان تھا۔ آتش دان میں لکڑیاں جلالیں۔ کرسی پر بیٹھ کر کمبل اوڑھ لیا۔ دروازہ ذرا کھول دیا کہ دھواں نکلتا رہے کیمسٹری کی کتاب سے Empirical فارمولا یاد کر رہا تھا مگر زخم میں درد تھا۔ پڑھائی میں خلل پڑ رہا تھا۔ فکر یہ کہ صبح امتحان ہے۔ درد اور فکر کی وجہ سے نیند بھی نہیں آ رہی تھی۔ رات کے بارہ بج چکے ہوں گے۔ محسوس کیا جیسے میری والدہ آئی ہیں اور کرسی کے پیچھے کھڑی ہیں۔ انہوں نے شانے پر ہاتھ رکھا اور کہا "بیٹا فکر نہ کرو مولاؑ کے صدقہ امتحان میں کامیاب ہو گے"۔

میری والدہ صاحبہ کا چند مہینے ہوا انتقال ہو چکا تھا ۔۔۔ مڑ کر دیکھا وہاں کوئی نہیں، ہوا کا جھونکا ہو گا مگر ان کے ہاتھ کالمس ۔۔۔ شانے پر خود محسوس کیا تھا۔

آنکھیں برسنے لگیں

بہر حال امتحان دیا نتیجہ نکلا۔ کیمسٹری میں اول رہا۔

حکیم الہند میرے شاہ

خاکساروں کا کہیں کیمپ لگا اور حضرت پیر سید رشید الدولہ شمولیت کے لئے گجرات سے باہر تشریف لے گئے ادھر مجھے بخار ہو گیا چنانچہ حسب عادت دہائی دینا شروع کی۔ انگریزی دوا کوئی ہوتی، اس

کی ایک خوراک بھی کھانے پینے کا سوال نہیں تھا۔اور اگر ایسا کیا بھی جاتا تو الٹی ہو جاتی تھی ۔۔۔ دیوان خانہ سے باہر بیروں کی چھاؤں میں چارپائی پر لیٹا ہائے وائے کا شور مچا رہا تھا کہ چوہدری اصغر حیات جوڑا اور ان کے چچا محمد حسین نمبر دار تشریف لے آئے جن کے ہمارے خاندان سے دیرینہ تعلقات تھے۔ دروازے کی اوٹ سے والدہ صاحبہ نے کہا " بڑے اچھے وقت پر آپ آئے ہیں حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب گھر پر نہیں اور اِسے بخار ہے انگریزی دوا یہ نہیں کھائے گا کسی حکیم جی کو بلا دیں " چوہدری محمد حسین نمبر دار صاحب چارپائی پاس بچھا کر بیٹھ گئے اور دلداری میں مصروف ہو گئے۔جناب اصغر حیات صاحب حکیم صاحب کو بلانے چلے گئے ۔۔۔ مقبرہ پانڈی شاہ کے قریب ایک مکان نکڑ پر واقع تھا اس پر بورڈ لکھا تھا۔ "حکیم الہند ۔۔۔" مشہور تھا کہ حکیم صاحب بہ نفسِ نفیس مریض کو گھر پر جا کر دیکھنا پسند فرماتے ہیں۔ سفید گھوڑا رکھا ہوا تھا۔ سفید اچکن کے تمام بٹن بند سفید چوڑی دار پاجامہ اور سلیم شاہی جوتا پہنے رہتے تھے سر پر ہرے رنگ کی پگڑی گلے میں ہرا پٹکا رکھتے تھے گھوڑے کی لگام مریض کا گھر والا تھامتا اور حکیم صاحب کی سواری بڑے شان سے آتی تھی۔

جوڑا صاحب اصغر حیات نے رکاب تھامی حکیم صاحب اترے نبض دیکھی کاغذ قلم دوات منگوائے نسخہ لکھتے رہے اور ہدایت کی کہ ہری سنگھ جی پنساری سے نسخہ بندھایا جائے مزید کہا "اس کی ہٹ ہمارے راستہ پر ہے اس لئے سواری لے چلو ۔۔۔" ان سے کھانے پینے کو پوچھا فرمایا " دوا کے بعد انشاءاللہ کھانے دانے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ دوا، دو (۲) بار پانی سے کھلانا ضروری ہے"۔

جناب اصغر حیات صاحب تشریف لائے ادویات کی گٹھڑی بندھی ہوئی ساتھ تھی۔ پہلی خوراک نوش جان فرمائی اس کی مقدار اس قدر تھی کہ بلا شبہ کھانے دانے کی ضرورت کئی دن تک نہ ہو سکتی تھی۔ اس کے علاوہ دوا کی ایک ہی خوراک سے چاروں طبق روشن ہو گئے۔

فیلڈ مارشل جنرل محمد ایوب خاں

جنرل محمد ایوب خاں صاحب جو ایک طویل عرصہ تک جمہوریہ پاکستان کے صدر رہے۔ وہ بے پناہ خوبیوں کے مالک تھے۔ ان کے دورِ حکومت میں نہ صرف انڈسٹری نے جنم لیا بلکہ دوسرے شعبوں نے بھی کافی ترقی کی۔ میں اپنے ذاتی مشاہدے کی بنا پر یہ ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ خصوصاً اعلیٰ تعلیم کے لئے جتنے مواقع ایوب صاحب کی حکومت نے مہیا کئے اتنے نہ تو اس پہلے کسی حکومت نے کئے نہ

ہی بعد آنے میں آنے والی کسی حکومت کو توفیق ہوئی۔ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ مستقبل قریب میں بھی مجھے ایسی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی۔

جب راقم انگلینڈ میں ۱۹۵۸ء کے آخر میں پی ایچ ڈی کرنے کے بعد برمنگھم یونیورسٹی میں ملازمت کر رہا تھا۔ (یاد رہے کہ میرے تمام اخراجات میرے مرحوم و مغفور ماموں حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب نے برداشت کئے۔ اس وقت حکومت پاکستان کا قانون تھا۔ کہ ملک سے باہر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے چالیس پونڈ مہینے سے زیادہ فارن ایکسچینج کی سہولت حاصل نہ تھی۔ چنانچہ پیر صاحب مجھے چالیس پونڈ بینک کے ذریعے بھجواتے۔ اور وقتاً فوقتاً ناگہانی ضرورتوں کے لئے حکیم صاحب نے اپنے ایک معتمد دوست میر عبدالغنی صاحب جلال پور جٹاں والے کی خدمات حاصل کی ہوئی تھیں۔ میر صاحب کا ایک داماد مانچسٹر ہوا کرتا تھا۔ میں ضرورت پڑنے پر حکیم صاحب کو پاکستان مطلع کرتا اور وہاں سے اجازت ملنے پر مانچسٹر میں رقم وصول کر لیتا۔ بعد میں پیر صاحب میر عبدالغنی صاحب کو پاکستانی کرنسی میں رقم ادا کر دیتے۔) تو جتنے بھی طالب علم جو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے انگلینڈ گئے ہوئے تھے۔ جب کبھی ان سے ملاقات ہوئی تو ان سے پتہ چلتا کہ تمام کے تمام جنرل صاحب کی تعلیمی پالیسیوں کے مرہون منت تھے اور انہیں مختلف قسم کے سکالر شپ ملے ہوئے تھے۔ جیسا کہ کولمبو پلان، آر سی ڈی اور حکومتِ پاکستان کے اپنے متعلقہ شعبے۔ اس طرح ملک میں بھی تعلیم اور پیشوں کے سلسلے میں کئی اچھی پالیسیاں وضع کیں۔

اُستاد محمد صدیق

استاد دیقہ کے ساتھ جن کا نام نامی محمد صدیق ہے۔ جو فی الحال لاہور میں شاد آباد ہیں فلم دیکھنے گئے فلم لمبی تھی جیسی فلمیں اس دور میں ہوتی تھیں۔ بس دیر ہو گئی ۰۰۰ قدرتی طور پر سب گھر والے پریشان ہو گئے زیادہ پریشانی حضرت پیر سید رشید الدولہ کو تھی یا والدہ صاحبہ کو ۰۰۰ والد صاحب نذیر الدولہ صاحب کے گھر والوں نے دہشت پھیلا رکھی تھی کہ موقعہ ملتے ہی اپنے وارث بیٹے کو اٹھا لے جائیں گے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے ہر طرف لوگ دوڑائے۔ ڈھنڈیا پڑ گئی ۰۰۰ ہاف ٹائم ہوا تھا کہ دیقہ کے ساتھ باہر آئے تاکہ کچھ کھا پی کر تازہ دم ہو جائیں ۰۰۰ ایک آدمی نے پہچان لیا کہا "گھر چلو۔

سب بہت پریشان ہیں" دیتہ جی سے کہا" انتظام جلد از جلد گھر جانے کا کرو۔ ڈر ہے آج خوب مرمت ہو گی" کہا" یار چلے جانا فلم تو پوری کر لو"۔ کہا" نہیں اب جاتا ہوں"۔ تانگے تھے مگر سالم کا کرایہ مانگتے پیسے تو کھانے پینے میں ہی اٹھ گئے تھے کوئی سائیکل والا جان پہچان والا دُور دُور تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ بارے ایک محلہ دار گھوڑے سمیت گھاس دانا خرید رہا تھا اسی سے کہا۔ اس نے از راہِ مہربانی کہا" اچھا پہلے تمہیں چھوڑ آتا ہوں"۔ گھوڑے کی کمر پر ٹاٹ کی بوری تھی اس نے سوار کرایا اور پھر آگے چھلانگ لگا کر بیٹھ گیا کہا" مضبوطی سے کمر میں بازو ڈال لو۔۔۔" اللہ کا نام لے کر گھوڑا چلا پریشانی بڑھتی جاتی تھی۔ کہا" بھائی اسے تیز چلا تاکہ جلدی گھر پہنچیں" اس نے ایڑ لگائی گھوڑی دلکی ہو گئی زیادہ اچھلنے سے "لاگا" لگنا شروع ہو گیا۔

دیوان خانہ آئے والدہ صاحبہ رو رہی تھی حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب بے چینی سے ادھر سے ادھر چکر لگا رہے تھے۔ دیکھ کر گھوڑے سے اتارا اور ہال کمرے میں لائے ہائی اٹھائی کہا" دیکھو یہ ماں کا حال ہے اور یہ نانی جی کا۔۔۔" بہر حال نانی جی نے جاں بخشی کرائی۔ ادھر مار کھا کر رو رہے تھے گھر والے ترس کھا کر ان کی ہمدردی پا کر اور زور زور سے رونے لگے۔ جہاں ذرا دیکھا رونے دھونے میں کمی آ رہی ہے اور رونے لگے اور سبھی رونے لگے۔۔۔ یہ تماشہ تب ختم ہوا جب رونے کی سکت باقی نہیں رہی۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے کسی گدھے والے کو بلایا فرمایا" لاگا کا علاج کیا ہے" اس نے کہا "یہ تکلیف ہمارے بچوں کو بھی شروع شروع میں سواری گھوڑے گدھے سے ہو جاتی ہے۔۔۔ ایک پتھر لیں جو درمیان سے ذرا گہرا ہو اس میں پانی ڈالیں اور بانس لے کر رگڑیں حتیٰ کہ مرہم سا بن جائے" مرہم تیار کرنے میں اتنی دیر لگی کہ صندل لگنا اور لگانا درد سر یہ بھی تو ہے کی صداقت دل نشین ہو گئی مگر مرہم نے اثر دکھلایا اور تکلیف رفع دفع ہو گئی۔ (کبھی بھی بغیر اجازت و اطلاع کے گھر سے نکلنے کی قسم کھائی)۔

اکرام اللہ خاں انور

حضرت علامہ مشرقی کے علم و فضل کا ایک جہان معترف ہے۔۔۔ اور۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ کے علم و فضل کے حضرت علامہ مشرقی معترف تھے حضرت علامہ مشرقی کے بڑے صاحب

زادے اکرام اللہ خاں انور کو بطورِ خاص حضرت پیر سید رشید الدولہ کی خدمت میں بھیجا تاکہ تعلیماتِ قرآنی سے بہرہ ور ہوں اور نظم و ضبط سیکھیں۔ حضرت علامہ مشرقی کے صاحب زادے نے تین برس گجرات میں حضرت پیر سید رشید الدولہ کے گھر میں ایک فرد کی طرح سے قیام کیا۔

انور سائیکل چلانا جانتے تھے سائیکل سیکھنے کا شوق ہوا۔۔۔ گجرات کی ایک سیاسی شخصیت ڈاکٹر محمد عالم صاحب تھے۔ ان کے صاحب زادہ یوسف کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے شاہدولہ، سادہ چک روڑ پر آبادی سے ہٹ کر باغ لگوایا جس کا نام "کنعانِ یوسف" رکھا۔ یہیں صاحب زادہ کی قبر ہے جس کے نزدیک مسجد بنوائی جو آباد ہے باغ کے مشرقی حصہ میں ڈاکٹر عالم کی کوٹھی تھی۔ ڈاکٹر عالم عام طور پر لاہور میں رہتے تھے مگر گجرات آتے جاتے تھے۔۔۔ تقسیم ملک کے بعد یہ کوٹھی معہ باغ حکیم محمد یوسف صاحب نے خرید لی۔ اب انہی کی اولاد یہیں شاد آباد ہے سڑک پر آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی اس لئے سائیکل سیکھنے سکھلانے کے لئے یہ سڑک بہت موزوں تھی۔ ہفتہ عشرہ میں سائیکل چلانا آ گیا۔

ایک دن انور سائیکل پر لئے آ رہے تھے کہ ایک گدھا اچانک سامنے آ گیا بریک لگانے سے دونوں سوار ٹکرا کر گڑھے میں جا گرے جس سے منہ زخمی ہوا اور خون جاری ہو گیا۔۔۔ انور نے پہلے سائیکل نکالا پھر "دوست" کو اٹھایا اور اسے اسی طرح روتے چلاتے دیوان خانہ لے آیا اور "دوست" اور بھی اونچی آواز سے رونے لگا۔ زنان خانہ میں بے جی نے دیکھا، سنا کہ یہ انور کی کارستانی ہے۔ کہا "یہی تھا کہ انور نے گڑھے میں پھینک دیا تھا"۔ سخت ناراض ہوئیں اور خطرناک نتائج کی دھمکیاں دینے لگیں۔۔۔ انور نے سائیکل بوہڑ کے درخت کے سہارے کھڑا کیا اور مسکین صورت بنا کر مطب کے برآمدے میں بیٹھ گیا حضرت پیر سید رشید الدولہ نے انور کو ذرا سہما دیکھا۔ ادھر والدہ صاحبہ کی گھن گرج بھی سن رہے تھے مریضوں کو چھوڑ چھاڑ نزدیک آئے پیار سے سر پر ہاتھ رکھا پوچھا تو انور نے من و عن واقعہ سنایا۔ فرمایا "سائیکل سیکھنے سکھلانے میں ایسا ہو جاتا ہے چلو اندر بے جی کے پاس جاؤ"۔ انور اندر جانا نہیں چاہتا تھا بے جی کی خاطر تواضع سے دل ڈرتا تھا۔ دیوان خانہ سے زنان خانہ کے دروازے پر لائے فرمایا "اب چلو اندر۔۔۔ کہا "نہیں پہلے آپ چلیں" حضرت پیر سید رشید الدولہ انور کی پیشی پہلے چاہتے تھے۔۔۔ اسی دم والدہ صاحبہ جسے سب آنٹی جی کہتے تھے اصرار و انکار سن کر دروازے پر آئیں انور کو گلے لگایا اور پیار کیا اور اندر لے گئیں۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے اطمینان کا سانس لیا اور مطب آ گئے۔

حضرت امام بری کا عرس

تماشائیوں عقیدت مندوں کو جہاں جگہ ملتی رات بسر کر لیتے تھے۔۔۔ رات کو ڈیروں کی روشنیوں کو دور سے دیکھیں تو کوہ دمن ستاروں بھرے نظر آتے ہیں۔

انور پان فروش زندہ دل آدمی اور خاکسار تھا گجرات سے ہر برس حضرت بری امام کے مزار شریف پر حاضری دیتا تھا۔ اور موقعہ دیکھتا تو ساتھ لے جاتا تھا۔ وہاں مری روڈ پر کمیٹی باغ (لیاقت باغ) کے نزدیک دوسرے خاکسار کا گھر تھا۔ ان کا تعلق بھی گجرات سے تھا۔ غالباً نامِ نامی اصغر تھا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ کے عقیدت مندوں میں تھے۔ رات کا ٹھکانہ تھا مگر ویسے دن رات میلہ کی رونقیں تھیں اور ہم تھے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ کے ایک مریض امیر خان صاحب تھے جو راولپنڈی کے قریب ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ آرمی سے ریٹائرڈ تھے۔ عرس و میلہ شریف سے چند روز پہلے گجرات دوا دارو کے سلسلہ میں تشریف لائے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ سے گزارش کی کہ عرس و میلہ پر جیپ میں چلے جائیں گے۔

دامنِ کوہسار میں اسلام آباد ہو گا کسی کو سان گمان نہیں تھا۔ نور پور شاہاں میں بری امام کی سرکار کا مزار پُر انوار مرجع خلائق تھا۔ سالانہ عرس میلہ کئی دن (۱۳) تک چلتا تھا۔ ہندوستان کے کونے کونے سے مشہور گانے والیاں اور قوال عرضِ ہنر کے واسطے آتے تھے۔

سارا راستہ راولپنڈی سے بارہ تیرہ میل ہو گا۔ اور سارا کا سارا ویران۔۔۔ ائیر فورس کے جوان البتہ پیراشوٹ کے ساتھ جہازوں سے کودنے کی مشق کرتے نظر آتے تھے۔ عرس و میلہ کے زمانہ میں دور دور تک پہاڑوں پر ڈیرے قائم ہو جاتے تھے یہیں گانے والیوں اور قوالوں کو ٹھہرنا ہوتا تھا یہ ڈیرے پٹھانوں کے تھے جو شام ہوتے ہی زندہ ہو جاتے تھے پھر گانے بجانے والوں اور والیوں پر روپوں کی بارش ہوتی تھی۔ شراب کے علاوہ دیگر منشیات عام دستیاب تھیں اور استعمال کی جاتی تھیں۔۔۔ دن کے وقت ہر جگہ جواریوں کی ٹولیاں جوا کھیلتی تھیں۔ بری امام کا نعرہ لگا کر دانہ پھینکا جاتا تھا۔ صرف ہارنے والے کہتے تھے

بری اے کہ طوطا دبیا اے

بری گھر بلا کے لٹیا اے

یوں انور اور اپنا ساتھ ایک بار پھر ہو گیا۔

گجر خاں سے گزرے ہلکی بارش ہو رہی تھی تیز بارش ہونے لگی مگر سفر جاری رہا پل پر جو نالے پر بنا تھا جیپ پھسل گئی اور لوہے کے جنگلے میں پھنس گئی اس طرح کہ اگلے دو پہیے نالے کے اوپر تھے جھٹکے کے ساتھ انور کے ساتھ ہی نیچے جا پڑے مگر ریت تھی پانی بمشکل گھٹنوں تک ہو گا۔ چوٹ نہیں آئی امیر خاں کے دوست کو بھی اٹھایا دیکھا کہ امیر خاں صاحب سٹیرنگ پر بیٹھے ہیں کودنے کا خطرہ مول نہ لینا چاہتے تھے ایسا نہ ہو جھٹکے کے ساتھ جیپ ان پر آن پڑے تینوں دوڑتے ہوئے پل پر آئے دوست نے کہا "امیر خاں میرا ہاتھ پکڑ۔ جیپ گرے نہ گرے تم نہیں گرو گے ۔ ۔ ۔ " یوں امیر خاں کو کھینچ کر پل پر لے آئے ۔ ۔ ۔ اب جیپ کو پل پر کیسے لائیں۔ اتنی دیر میں بس آ گئی ڈرائیور کو اشارہ کیا اس نے پل پار کیا اور بس روک لی مسافر اترے۔ جیپ کو بس سے رسے لے کر باندھ دیا۔ لوگوں نے بھی بس کے ساتھ مل کر زور لگایا جیپ پل پر آ گئی سامان دیکھا معلوم ہوا ایک بکس ایک گٹھڑی نہیں۔ نالہ میں پھر اترے اور اٹھا لائے۔ امیر خاں نے گاڑی کو سلف مارا اور جیپ سٹارٹ ہو گئی۔ اس جیپ میں بری امام کے عرس میلہ میں مزے سے دن گزارے اور پھر بخیر و عافیت گجرات واپسی ہوئی۔

محمد خاں اور احمد خاں صاحب کے ساتھ سفر

محمد خاں اور احمد خاں دو بھائی چک دینہ، لالہ موسیٰ کے قریب ایک گاؤں کے بڑے زمیندار تھے اور حضرت پیر سید رشید الدولہ سے عقیدت رکھتے تھے گرمیوں کی چھٹیوں میں دو چار روز کے لئے ان کے چک کی سیر ہو جاتی تھی۔ گجرات سے لالہ موسیٰ ٹرین میں سفر کرتے تھے اور پھر سواری کے لئے گھوڑا آ جاتا تھا۔

میاں احمد حسین، اپنے چاچا جی کا پروگرام بھی بن گیا۔ محمد خاں اور احمد خاں صاحبان کو اطلاع دے دی گئی سٹیشن پر دو مزید سواریاں لے آئے ایک کالے رنگ کا گھوڑا تھا۔ یہ منہ زور نہیں تھا۔ اس پر سوار ہو گئے۔ دونوں بھائی اپنے گھوڑوں پر تھے ایک مشکی پر چاچا احمد حسین تھے۔ کالا گھوڑا اور میاں میں تھا۔ گاؤں میں داخل ہو رہے تھے کہ چند عورتوں نے روک لیا۔ ایک خاصی عمر کی عورت نے کہا " تم گھوڑے پر ہو، دوائی بتلاؤ ۔ ۔ ۔ " کہا " میں حکیم ڈاکٹر نہیں " ۔ دوسری نے کہا " بچہ بیمار ہے کسی دوائی

کا نام لے دو۔ بیماری جاتی رہے گی"۔ بڑا سمجھایا مگر بے سود محمد خاں صاحب اور احمد خاں صاحب برابر سنتے رہے۔ یاد آیا ڈاکٹر حیات نے پیچش کی دوا کاربینٹرم (Carbentrum) تجویز کی تھی وہی بتلا دی، کہا" نام مشکل ہے کسی اور دوائی کا نام" ہزار کوشش کے باوجود ذہن میں نہ آیا۔ تین چار بار دوائی کا نام آہستہ آہستہ دہرایا۔ انہوں نے یاد کر لیا۔

یہ گاؤں کی روایت ہے کوئی بیمار ہو جائے تو کالے گھوڑے والے کا انتظار کرتے ہیں جو دوا دہ "تجویز" کرے دے دیتے ہیں اس سے بیماری جاتی رہتی ہے۔

اُسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن
اُسی کے فیض سے میرے سبو میں ہے جیحوں

فرخ جمشید

یہ حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کی بڑی بیٹی خالدہ خانم سے چھوٹی ہیں۔ پیر صاحب کی یہ ہونہار بیٹی نے لاہور طبیہ کالج برانڈ تھ روڈ سے زبدۃ الحکما کی سند لی۔ یاد رہے اپنے وقت پاکستان بھر میں یہ پہلی خاتون تھیں جنہیں یہ اعزاز حاصل ہوا۔ اس طرح اہلِ بیتِ اطہار کی یاد میں جن مجالس کا سلسلہ حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کی بڑی ہمشیرہ اور راقم کی والدہ، زبیدہ خانم صاحبہ نے شروع کیا تھا۔ آج تک قائم اور دائم رکھا ہوا ہے۔ اور جس کے لئے نہ پہلے کبھی چندہ اکٹھا کیا جاتا نہ اب اہلِ بیت کی طفیل ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ بلکہ اس نیک مقصد کے لئے ۱۹۹۵ء میں ایک نیا ہال تعمیر کیا ہے۔ جو صرف اور صرف زنانہ مجالس کے لئے مخصوص ہے۔

راقم کی شادی پیر صاحب کی اس بیٹی فرخ جمشید سے ۱۱ دسمبر ۱۹۶۴ء میں ہوئی۔ اور شادی کے کوئی دو ہفتے کے بعد میری خوش دامن یعنی فرخ جمشید کی والدہ صاحبہ کا انتقال ہو گیا۔ اور چونکہ میری بیوی گھر میں بڑی تھیں اس لئے ان حالات میں اس کا گھر میں رہنا ضروری ہو گیا۔ اور راقم ملازمت کے سلسلے میں واپس وینزویلا چلا گیا۔ حسب معمول جب اگلے سال چھٹیاں گزارنے پاکستان آیا تو بیگم کو اپنے ہمراہ لے گیا۔ جہاں ہم نے زندگی کے بڑے خوشگوار دن گزارے۔ جہاں تک اولاد کا تعلق ہے یہ ایک المناک داستان ہے۔ جو اپنی دوسری آنے والی کتاب "زندگی میرے دنوں میں" میں تفصیل سے بیان کی جائے گی۔

دایمان اور عقیدے کی بات ہی اور ہے ہندو بتوں سے مرادیں پاتے ہیں لوگ پاک مزاروں خانقاہوں پر جاتے ہیں نذر نیاز مانتے ہیں۔ کبھی کبھی دیکھا ہے بھلے چنگے لوگ کسی مجذوب کے آگے ہاتھ جوڑے کھڑے ہیں۔ خیال ہے ان کی صرف ایک نگاہِ التفات سے دنیا بدل جائے گی۔

وینزویلا سے بیگم سمیت محرم کے لئے پاکستان آئے۔ بیگم صاحبہ بیبیاں پاک دامن گڑھی شاہو میں واقعہ روضہ مبارکہ کی زیارت کے لئے گئیں مشہور یہ ہے یہ حضرت غازی عباس علمدار لشکر حسین

شہید کربلا کی چھوٹی بہن رقیہ علیہ اسلام ہیں۔ وہیں سے علم کی چادریں بھی لیں۔ پھر ایک نوٹ نکال کر مزار مبارک سے مس کیا اور مجھے دے کر کہا" یہ نوٹ جب تک پرس میں رکھیں گے اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہ طفیل محمدؐ و آل محمدؐ صلواۃ اللہ خالی نہیں رہے گا۰۰۰" اور بات حرف بحرف سچ نکلی۔

اس ضمن میں ایک اور بات سنیں۔ یہ کوئی بیس سال پرانا واقعہ ہے کہ میں اور میری بیگم وینزویلا میں تھے کہ ماہ رمضان آگیا اور میری بیگم صاحبہ نے حسبِ معمول روزے رکھنے شروع کر دیئے۔ غالباً تیسرا یا چوتھا روزہ تھا کہ مجھے یونیورسٹی میں نوکرانی ماریا (Maria) نے اطلاع دی کہ بیگم صاحبہ کے سر میں سخت قسم کا درد ہے۔ اور کسی پل چین نہیں آرہا۔ بہر حال اس وقت کمرے کی گھٹن سے باہر نکال پائیں باغ میں آرام کرسی پر بٹھا دیا ہے۔ آپ ڈاکٹر کو اطلاع کر کے گھر فوراً پہنچ جائیں۔

مجھے ان سے اتنی محبت ہے کہ ان کی تکلیف کا سنتے ہی میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور کسی ڈاکٹر کو مطلع کئے بغیر کوئی بارہ تیرہ منٹ کی ڈرائیو کے بعد میں گھر پہنچ گیا۔ دیکھتا کیا ہوں بیگم صاحبہ درد سے نڈھال ہو رہی ہیں۔ چنانچہ یہ سب کچھ مجھ سے دیکھا نہ گیا اور میں نے فوراً فیملی ڈاکٹر فریڈی پریرا (Freddy Pereira) کو کال کیا۔ ہماری خوش قسمتی دیکھئے کہ ڈاکٹر موصوف پہلی ہی کال پر مل گئے۔ بیگم صاحبہ کی حالت دیکھ کر اس نے سب سے پہلے روزہ توڑنے کے لئے کہا۔ بہر حال بیگم صاحبہ نے کافی بحث و تمحیص کے بعد روزہ توڑا۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب کے کہنے کے مطابق زندگی اور موت کا سوال تھا۔ پھر مکمل طبی معائنہ کرنے کے بعد اس نے مشورہ دیا کہ انہیں فوراً فلاں فلاں پرائیویٹ کلینک (San Vicente de Paul) میں شفٹ کریں۔ جہاں اس نے کوئی دوا وغیرہ دینے کی بجائے بیگم صاحبہ کو بستر پر اوندھا لٹا کر ایک بڑی سرنج سے (lumber puncture) لمبر پنکچر کیا اور جب (spinal fluid) سرنج میں آرہا تھا کو دیکھنے کو کہا جب وہ مطلوبہ fluid نکال چکا۔ تو میں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا" ڈاکٹر تم نے مجھے سرنج سے fluid کی رفتار دیکھنے کے لئے کیوں کہا" پھر ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا" نصیر میں نے اس لئے تمہیں دیکھنے کے لئے کہا تھا کہ fluid سرنج میں نارمل رفتار سے داخل نہیں ہو رہا تھا"، " ڈاکٹر صاحب میں آپ کی بات نہیں سمجھ سکا" ڈاکٹر صاحب نے فرمایا" میرا مطلب یہ ہے کہ دماغ نارمل حالت میں نہیں اور اس پر ضرورت سے زیادہ دباؤ پڑ رہا ہے اور یہ حالت تشویشناک ہے۔ تمہارا ایک دوست Dr. Padrino ہے جو کہ کاراکس (وینزویلا کا دارالخلافہ ہے) میں رہتا ہے اور غالباً Metropolitan Poly Clinic میں کام کرتا

ہے۔ وہ مشہور Neuro-surgeon جس کا نام Dr. Santos Erminy کو جانتا ہو گا۔ اس سے جلد از جلد رابطہ کرو۔ اس کام میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔"

وہ رات بہر حال ہم نے وہیں بڑی مشکل سے کاٹی۔ مگر کسی نہ کسی طرح Dr. Padrina سے رابطہ قائم کر لیا۔ اور دوسرے روز ہوائی جہاز سے کاراکس پہنچ گئے۔ ڈاکٹر نے ایئر پورٹ پر ایمبولنس کا انتظام کیا ہوا تھا۔ اور اس طرح ہم کوئی دو گھنٹے بعد ہسپتال پہنچ گئے۔ اور رسمی کاروائی کے بعد مختلف ٹیسٹ ہوئے جن میں CT scan قابل ذکر ہے جس سے پتہ چلا دماغ میں ایک ہڈی ہوتی ہے جس کو ٹرکش چیر (Turkish chair) کہتے ہیں۔ اس ہڈی پر گلینڈ (غدود) ہوتا ہے۔ جو اکثر عورتوں میں ایک عمر کے بعد بڑھ جاتا ہے۔ اور یہی درد کا باعث ہے۔ چنانچہ جیسے ہی ہلکی سی درد کا بھی احساس ہو تو دو ٹکیاں اور چند ایک دوسری میڈیسن کی خوراک لے لیں۔ اور اگر پھر بھی آرام نہ آئے تو ایک گولی کی اور خوراک لے لیں۔ کوئی تیرہ دن کے بعد ہم واپس گھر لوٹے مگر درد تھی کہ دوا کھانے سے افاقہ ہو جاتا مگر تھوڑی دیر بعد پھر وہ تکلیف اور درد رہتی۔

ایک رات بیگم صاحبہ اس درد سے عاجز آ کر اپنے عقیدے کے مطابق اہلِ بیت معصومین اور خاص کر غازی عباس علمدار کو واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ کہ مجھے کم از کم اپنی بیٹی غازیہ کی شادی تک زندہ رہنے کی اجازت دے دی جائے۔ اور یہی دعا کرتے کرتے سو گئیں۔ اور نصیب جاگ اٹھے۔ کسی پاک ہستی کے ہیولہ نے آٹھ دفعہ میرے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو دبایا اور فرمایا کہ بنونے سے پہلے یہ دو آیات پڑھا کرو۔ اسی رات، رات کے کسی اور پہر میں ایک اور بابرکت خواب دیکھا کہ میں کسی جنگل میں ہوں اور وہاں کچھ ہستیاں ہیں۔ مگر یہ تمیز نہیں ہو رہی کہ کون مرد ہے اور کون عورت۔ بہر حال ان کا ایک جیسا لباس ہے۔ ان میں سے ایک ہستی نے مجھے ایک پیالہ عنایت کیا جس میں تھوڑا سا مشروب تھا۔ اور فرمایا کہ بیبیؑ اللہ کا نام لے کر پی جاؤ۔ چنانچہ میں نے حکم کی تعمیل کی۔

دوسرے دن صبح ناشتہ کے میز پر بیٹھے تو بیگم صاحبہ نے مجھے بتایا کہ نصیر اب مجھے اللہ اور اہل بیت کے فضل سے کوئی اور درد ہو تو ہو مگر وہ سر کی درد نہیں ہو گی۔ میں انشاء اللہ بیٹی کے ہاتھ پیلے کرنے تک زندہ رہوں گی۔ پھر انہوں نے وہ خواب سنایا۔

ہر رات بیگم صاحبہ باقاعدگی سے ان دو آیات کا وظیفہ کرتی ہیں اور اس مرض سے نجات مل گئی ہے۔

پروفیسر نصرالدولہ عرف پینا

اپنے یار بیلی، نصرالدولہ کو "پینا" کہتے ہیں۔ اپنا ماموں زاد اور حضرت پیر رشید الدولہ صاحب کا بھتیجا۔ گرمیوں سردیوں، دوستوں کی محفل سجتی تھی اس لئے نصرالدولہ رات گئے گھر لوٹتا تھا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب اصرار کرتے تھے کہ کوئی دیر سے گھر نہ لوٹے۔ اٹھ کر اطمینان بھی کرتے تھے کہ سب بخیر و عافیت سو رہے ہیں۔ نصیرالدولہ نے مشکل کا ایک حل آخر نکال لیا۔ سردیوں میں سب کے سو جانے کے بعد میں برآمدہ کی چٹکنی کھول دیتا تھا اور نصرالدولہ کو ہدایت دے دی تھی کہ دبے پاؤں اندر آکر چٹکنی ضرور لگا دے۔ گرمیوں میں سب باہر سوتے تھے یہ مسئلہ یوں حل کیا کہ چارپائی کی پائنتی پر ایک اینٹ رکھ کر چادر کھینچ کر اس کا دوسرا سرا تکیہ کے نیچے دبا دیتا سرسری دیکھنے والا بھی سمجھتا کوئی چادر تانے سو رہا ہے اور دھوکا کھا جاتا تھا۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب حد درجہ احتیاط کرتے تھے سب کے سو جانے کے بعد دروازے کھڑکیاں دیکھتے تھے کہ بند کر دی گئی ہیں پلنگوں چارپائیوں کے نیچے بیٹری کی مدد سے اطمینان کرتے کہ کوئی چور اچکا چھپا ہوا نہ ہو۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے واقعہ سنایا کہ ایک عورت بے چاری گھر میں اکیلی تھی سردی کا موسم تھا۔ چور خاموشی سے دبے پاؤں آیا اور پلنگ کے نیچے گھس گیا اس نے پائنتی کی رسی میں پاؤں پھنسائے اور انگلیوں سے سرہانے کی رسیوں کو مضبوطی سے تھام لیا اور یوں پلنگ سے چپک گیا ڈر تھا کہ سونے سے پہلے کسی نے پلنگ کے نیچے اطمینان کے لئے جھانکا تو وہ پکڑا جائے گا۔ مگر کسی نے چیک نہ کیا پلنگ کی چادر دونوں طرف نیچے لٹکی ہوئی تھی سردی کی وجہ سے بستر بھاری بچھایا گیا تھا اور پائنتی پر ایک موٹا لحاف رکھا ہوا تھا۔ بڑی احتیاط کے ساتھ اس نے نکل کر گھر کا صفایا کیا پھر سوتی ہوئی عورت کے ہاتھوں سے سونے کے کڑے اتارنے لگا تو اس کی آنکھ کھل گئی چور نے اس کا گلا دبا کر اسے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ دیوان خانہ والوں کو بھی جو صحن میں سوتے تھے باقاعدہ چیک کرتے

تھے۔

کچھ ہفتہ بھر سب یونہی چلتا رہا مگر ایک روز اتفاق سے پائنتی والی اینٹ رکھنا بھول گیا جب آنکھ کھلی پریشانی تھی کہ آخر حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے معلوم کر لیا تھا کہ ماجرا کیا ہے۔۔۔ اٹھ کر دیکھا انور آرام سے پڑا سو رہا تھا۔۔۔ اگلی رات جب چادر کو اسی انداز میں اینٹ اور سرہانے کی مدد سے درست کرنے اٹھا تو دیکھا کہ سارا بندوبست پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔ دبے پاؤں حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کی چارپائی کے پاس سے گزرا تو فرمایا "بیٹا تمہاری بجائے سارا کام جو تم روز کرتے تھے میں نے کر دیا ہے۔۔۔" ایسی شرمندگی کبھی نہیں ہوئی جو اس وقت ہوئی۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب اس وقت تک جاگتے رہے جب تک انور واپس نہیں آیا۔ اب اسے سمجھایا کہ رات کو باہر رہنا شریفوں کے طور طریقے نہیں اسی میں بھلا ہے گھر جلد لوٹ کر آؤ۔ مجھے بھی کہا آئندہ اینٹ وغیرہ کا بندوبست نہ کرنا برائی ختم کرو نہ کہ اسے سہارا دو۔ میں نے اس کے بعد انور کو کبھی دیر سے گھر آتے نہیں دیکھا۔ اور جب کبھی باہر جانے کی معقول وجہ ہوتی تو بتا کر جاتا۔ اور ایسے موقعوں پر پیر صاحب کبھی اس کی گزارش رد نہ کرتے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب چاہتے تھے کہ سب ایک دستر خوان پر کھانا ساتھ کھائیں خیال تھا دستر خوان پر اہتمام و انتظام اتنا ہی ضروری ہے جتنا زندگی کے کسی اور شعبہ میں۔۔۔ بے جی خود پکاتیں اور خود کھانا ڈال ڈال کر پلیٹ دیتی جاتی تھیں جب ان کی طبیعت ناساز ہوتی تو ممانی صاحبہ یہ فرض ادا کرتی تھیں۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کو پیار تو سب سے تھا مگر وہ یتیم بھتیجے کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کی والدہ صاحبہ (بے جی) کھانا پلیٹوں میں ڈال کر سامنے رکھتیں تو حضرت پیر سید رشید الدولہ اپنی پلیٹ انور سلمہ سے بدل لیتے تھے اور ارادتاً ایسا کرتے تھے تاکہ انور سلمہ کے دل میں کبھی خیال نہ آئے کہ وہ یتیم ہے۔۔۔ انور سلمہ شام کو ٹیوشن پڑھنے جاتے تھے گرمی ہو یا سردی آندھی یا بارش حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب خود اسے لے جاتے تھے اور خود ہی بہ نفس نفیس لے آتے تھے۔

بزمِ ندیماں

تھے جس سے دِل و دیدہ احباب منوّر
رخشندہ تھی انجم کی طرح بزمِ ندیماں

۱۔ علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی

۲۔ حاجی شیخ محمد دین صاحب

۳۔ پیر سید حیدر شاہ صاحب

۴۔ پروفیسر سید حامد حسن صاحب

۵۔ سید افتخار حیدر گیلانی صاحب

۶۔ جناب میر عبدالغنی صاحب جلالپور جٹاں والے

۷۔ جناب ڈاکٹر محمد حیات

۸۔ حکیم عبیداللہ صاحب

۹۔ میاں عبدالغنی صاحب گوجرانوالہ والے

۱۰۔ کرشن چند

۱۱۔ عبدالرحمٰن صاحب

۱۲۔ چوہدری نذیر صاحب

۱۳۔ حبیب

۱۴۔ محمد صالح صاحب

۱۵۔ سائیں نظام دین صاحب عرف ترن تارن

۱۶۔ سائیں باغ دین صاحب

۱۷۔ سائیں مسکین علی صاحب

۱۸۔ "آٹا بنی"

۱۹۔ شیخ صاحب

۲۰۔ رحمت عرف رحمہ

۲۱۔ محمد دین

۲۲۔ اللہ رکھی

۲۳۔ ریاض احمد صاحب

۲۴۔ بشیر احمد صاحب

حضرت علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی

حضرت علامہ عنایت اللہ المشرقی کے سلسلہ میں کہا جاسکتا ہے ع

آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں

مسلمانوں میں علم و فضل کی ایک روایت الکندی، الفارابی، ابن سینا، البیرونی، الغزالی سے قائم ہوئی تھی۔ کاروانِ علم و فضل میں پیچھے سہی حضرت علامہ عنایت اللہ المشرقی کسی سے نیچے نہیں۔

حضرت علامہ عنایت اللہ المشرقی نے اپنی تحریک کا حضرت پیر سید رشید الدولہ کو صاحب نشان مقرر فرمایا تھا۔ جنہیں اکیس گولوں کی سلامی دی جاتی تھی۔

حضرت علامہ عنایت اللہ المشرقی، حضرت پیر سید رشید الدولہ کو علم و فضل کے باعث بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ خاکسار تحریک کے سالار ہر علمی بحث و مباحثہ میں ہراول حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب ہوتے تھے۔

حضرت علامہ مشرقی نے اپنے سب سے بڑے صاحب زادہ انور کو گجرات بھیجا تاکہ حضرت پیر سید رشید الدولہ سے تفسیر قرآن اور دیگر دینی علوم حاصل کریں۔

حاجی شیخ محمد دین صاحب

حاجی شیخ محمد دین صاحب گجرات کے رئیس تھے۔ بڑی خوبیوں کے مالک تھے یتیموں بیواؤں کی خبر گیری کرنے والے مگر خاموشی کے ساتھ، ایک ہاتھ سے نیکی کرتے دوسرے کو خبر نہ ہوتی ۰۰۰ آزاد مسلم ہائی سکول کی امداد کھلے دل کے ساتھ فرماتے تھے اچھے طالب علموں کے لئے وظیفہ رکھے ہوئے تھے ۰۰۰ چمڑے کا وسیع کاروبار تھا۔ ایسٹرن آپٹیکل کمپنی کے مالک تھے۔ ھیڈ کوارٹر کلکتہ تھا۔ راقم کا ایک دوست محمد یادگار مشہور مزاحیہ شاعر استاد امام دین کے بیٹے پالک نے ان کے دفتر کلکتہ میں کچھ عرصہ ملازمت کی۔ مستقل رہائش البتہ محلہ خواجگان میں موجودہ تھانہ بی ڈویژن کے عقب گلی میں اندر تھی وہاں مسجد تعمیر کرائی۔ راقم کا ایک دوست ڈاکٹر محمد سرور سیٹھی حاجی صاحب کا داماد ہے۔ اور جنرل ضیاء صاحب کے دور میں کچھ عرصے کے لئے شیخ زائد ہسپتال لاہور کا ایڈمنسٹریٹر رہا۔ ڈاکٹر صاحب کے

ایک بیٹے امتیاز سرور نے جیل روڈ لاہور پر " For eyes " کے نام سے ایک کاروباری ادارہ کھول رکھا ہے۔

حاجی محمد دین شیخ گجرات ہوتے تو اکثر حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے اور تفسیری نکات سنتے سناتے تھے۔ رمضان کی آمد آمد تھی حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب روزہ کی فضیلت بیان فرما رہے تھے دورانِ کی گفتگو بات چل نکلی کہ شب زندہ دار لوگوں کو سحری کے لئے اٹھانا مشکل نہیں مگر عام آدمی نہ سحری کا وقت تعین کر سکتا ہے نہ افطار کا۔

اس زمانے میں نعت خواں نولیوں کی صورت میں دف بجاتے گلی گلی کوچہ کوچہ سے گزرتے تھے اور سحری کے لئے لوگوں کو جگایا کرتے تھے ۔۔۔ بعض لوگ کنستر پیٹتے تھے۔ یہ لوگ یقیناً جگا دیتے تھے۔ پھر ستائیسویں روزہ گھر گھر دروازہ پر آکر حقِ خدمت مانگتے تھے کبھی یوں بھی ہوتا تھا ایک کنستر پیٹنے والا وصولی کے بعد گیا ہے دوسرا آدھمکا معلوم ہوا کہ اصلی اور بڑا کنستر والا یہی ہے پہلا صرف داؤ لگا گیا ہے ۔۔۔

جناب حاجی محمد دین نے حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب سے اس مسئلہ کو مستقل بنیاد پر حل کرنے کا وعدہ کیا۔ ان کا اہتمام یہ تھا کہ مسجد کی چھت سے بارودی گولہ زبردست دھماکہ کے ساتھ چلتا تھا اور اس کی آواز سے نہ صرف گجرات بلکہ نواحی علاقوں میں لوگوں کو خبر ہو جاتی تھی تین گولے سحری کے لئے اٹھانے کے واسطے، سحری بند کرانے اور شام کو افطار کے وقت روزانہ داغے جاتے تھے ۔۔۔ چاند رات کو چار پانچ گولے اعلانِ عید کے لئے چلائے جاتے تھے ۔۔۔ یہ سلسلہ حاجی صاحب کے انتقال کے بعد بھی جاری رہا۔

پیر سید حیدر شاہ صاحب

حضرت پیر سید حیدر شاہ صاحب مرحوم حضرت دیوان حسن مسانی شریف کی اولاد سے تھے۔ اور حضرت پیر سید رشید الدولہ کے ددھیالی رشتہ داروں میں تھے۔ نوکری سے فارغ ہو کر گجرات آ گئے حضرت پیر سید رشید الدولہ سے بے حد انس تھا۔ دیوان خانہ میں ایک مخصوص پلنگ پر گاؤ تکیہ لگا کر بڑے سلیقہ تمیز سے درخواست کی جاتی تھی کہ آرام فرمائیں۔ حضرت پیر سید حیدر شاہ حقہ پیتے تھے ان کے پسندیدہ تمباکو سے حقہ بھرا جاتا تھا ۔۔۔ پیر سید حیدر شاہ رات کو سونے کے وقت رخصت ہوتے

تھے۔

جب سید حیدر شاہ صاحب کا انتقال ہوا تو انہیں آبائی قبرستان میں دفنانے سے روکا گیا مرحوم کے بڑے صاحب زادے ڈاکٹر سید سجاد حیدر حال مقیم امریکہ غم زدہ حضرت پیر سید رشید الدولہ کی خدمت میں حاضر ہوئے صورت حال سے آگاہ کیا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا "بیٹا سجاد حیدر، شاہ جی کو دیوان خانہ کے صحن میں سپرد خاک کریں۔ میرے لئے بڑے فخر کی بات ہو گی۔۔۔" ساتھ ہی آنکھوں سے ساون کی جھڑی لگ گئی۔۔۔ پھر مدعی راہ راست پر آ گئے اور حضرت پیر سید حیدر شاہ کو آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

پروفیسر سید حامد حسن صاحب

قبلہ گاہی پروفیسر حامد حسن صاحب، ایم۔اے انگلش اور اردو، سابق پرنسپل۔ حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کے نہ صرف قریبی احباب میں سے ہیں بلکہ اپنے بیٹے کی پیر صاحب کی پوتی کے ساتھ شادی کی وجہ سے رشتہ داری بھی ہے۔ آپ نے سب سے پہلے حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کی ذات گرامی کے متعلق ایک کتابچہ بھی لکھا ("تذکرہ حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب"۔ ۱۹۹۲۔ دائرۃ المصنفین۔ سلسلہ مطبوعات۔ زجاج پبلیکیشنز۔ گوہی احمد آباد۔ گجرات۔ ۱۶۰ صفحات) اس طرح آپ ۲۰ سے زائد کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ آپ کی ملاقات حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب سے کچھ اس طرح ہوئی۔

جناب ڈاکٹر ذوالفقار حیدر سے نیاز مندانہ مراسم ہیں۔ غریب خانہ پر تشریف لائے جناب افتخار حیدر ساتھ تھے۔ انہیں دیکھا نہیں تھا۔ سنا تھا۔ کینیڈا میں ہیں ادب پیشہ ہیں اور ادیب نواز، تعارف کے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ پھر گفتگو کا رخ تصوف کی طرف مڑ گیا۔۔۔ کہا "تصوف تو امام لی اہل بیت اطہار کے خلاف بغاوت تھی جسے کامیاب و ناکامیاب جو چاہیں کہہ لیں"۔ جناب افتخار حیدر نے کر اطمینان و سکون سے تصوف کی باتیں کرنے لگے۔ کچھ باتیں کتابی تھیں۔ کچھ ذاتی تجربات، ملے جلے ادھر کا اشارہ لئے ہوئے تھیں۔ پوچھا کہ یہ اور یہ بات کہاں اور کس سے ارزانی ہے۔۔۔ فرمایا "حضرت پیر سید رشید الدولہ کی عطا ہے"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ۔۔۔؟ یاد آیا جناب حکیم عبدالرحیم جمیل سے مطب میں نیاز مندانہ

بھانت کے لوگ جمع ہوتے تھے ہر روز نہ سہی دوسرے دن حاضری ہوتی تھی کبھی کبھار بے تکی بھی ہانک دیا کرتے تھے۔ حکیم صاحب فرماتے ۔۔۔ "چائے پی لی ہے"۔ "جی نہیں، ابھی حصہ کی نیاز کا انتظار ہے"۔ فرماتے ۔۔۔ "اچھا، چائے آئے، پیالی لے کر سیدھے سامنے پیر رشید الدولہ کے پاس چلے جاؤ، جو چاہو پوچھو اور جس طرح چاہو پوچھو ۔۔۔ حیرانی میں خالی پیالی بھول نہ جانا، لے آنا"۔

پروین الدولہ ایک طالب علم ہوتے تھے۔ ایک دوسرے بھی تھے سیدھا سا نام تھا اور پھر نصیر الدولہ سے ٹھیکیدار رشید صاحب کے دولت کدہ پر ملاقات ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب گلابی اردو میں ہنساہنسا کر بے وقوف بنا رہے تھے ۔۔۔ جناب حکیم ضیاء الرحمان نے اور بات سنائی فرمایا "عالم فاضل، لغت کے ماہر، فلسفہ کے استاد، قرآنی علوم پر عبور رکھتے ہیں۔ مثنوی کا درس دیتے ہیں۔ خاکسار صاحبِ نشان ہیں حضرت علامہ عنایت اللہ المشرقی کے دستِ راست، کرار حسین کے جوڑ کے آدمی ہیں۔ عربی فارسی اُردو پنجابی ہندی پوربی زبانوں میں طاق بڑے معرکے مارے ہیں مناظرہ مباحثہ میں شہرہ آفاق ہیں ۔۔۔ "خیال ہوا اپنے سائے جناب حکیم ضیاء الرحمان پر اتر آئے ہیں اور ہماری طرح سنجیدگی کے ساتھ مذاق کے موڈ میں ہیں ۔۔۔ یا یونہی غریبِ شہر کو مرعوب کر رہے ہیں۔ بہر حال حضرت پیر سید رشید الدولہ سے ملاقات نہ ہونی تھی نہ ہوئی۔

ساری عمر یوں گزری کہ کشتی بھری، اللہ کا نام لے کر دوسرے کنارے چلے، واپسی ہوئی پھر دوسرا "پور"۔ مگر وقت آ ہی گیا کہ کشتی کنارے لگا کر چپو پر سر رکھ کر آرام کر لیں ۔۔۔ "ایہو دستور ملاح بیڑے دا جدوں دن نوں ڈبدا ویکھے ۔۔۔ "مگر افتخار صاحب آ گئے ان کے ساتھ پیر حضرت رشید الدولہ کے درِ دولت پر حاضر ہوئے۔ خوشگوار حیرت ہوئی اور خوشی کہ اپنے سارے اندازے غلط نکلے، زندگی کے طویل دورانیہ میں اربابِ علم سے ملاقاتوں کا شرف ملا تھا۔ ایک قدر مشترک دیکھی کہ اس دشت کی سیاحی میں چہروں کی لکیروں سے پڑھا جا سکتا ہے۔ تحقیق، تلاش و دریافت کے یہی نتائج ہوتے ہوں گے ۔۔۔ مگر حضرت پیر سید رشید الدولہ خوشرو و خنداں تھے۔ میانہ قد، ذرا خمیدہ، وقت کے بوجھ سے نہیں، انکساری کے باعث، کھلتا ہوا رنگ، سیادت کی علامت، اندر کی روشنی سے لو دیتا ہوا چہرہ ۔۔۔ چینی سیاح دکن پہنچا تو اس نے ایک بھاری بھر کم شخص، لوہے کا کوٹ پہنے، سر پر بھاری پگڑ، اس کے اوپر چراغ جلائے، ہاتھ میں بھاری عصا لئے اعتبار و اعتماد کے ساتھ پھرتے پھراتے دیکھا، اس نے کہا کہ مجھ میں اتنا علم ہے کہ مجھے ڈر ہے پیٹ نہ پھٹ جائے اور ہر طرف اندھیرا ہے اور اندھیروں میں ٹامک

نوحے مارتے لوگوں کے لئے یہ چراغ اور اس کی روشنی میرے سر پر علامت کے طور پر ہے۔۔۔
حضرت پیر سید رشید الدولہ کو ایسا سوانگ رچانے کی ضرورت نہیں تھی۔ ع
خونِ دل عکسِ بروں می دہد از رخسارم
حضرت پیر سید رشید الدولہ، حضرت رومی کے شیخِ شہر بھی نہیں تھے جو چراغ لئے انسانم آرزو کی آواز لگاتے ہوں۔۔۔

درِ دولت پر انتظار کیا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ برآمد ہوئے۔ کئی پیروں کی برآمدگی دیکھی تھی۔ مگر یہ ذرا مختلف تھی۔ سفید سادہ لباس، سر پر سفید پگڑی کے چند پیچ ہولے ہولے دو شالہ سنبھالے ہوئے حضرت پیر سید رشید الدولہ بڑھتے آ رہے تھے افتخار صاحب اور ان سے پہلے صوفی لیاقت جی نے دوڑ کر قدم لئے۔ ہاتھوں کو آنکھوں سے لگایا حضرت پیر سید رشید الدولہ کے چہرے پر پیروں کا نہ کوئی رنگ آیا غرور و رعونت نہیں ابھری سر پر ہاتھ رکھا اور دعا دی .جناب افتخار حیدر نے تعارف کرایا۔ انگریزی کے استاد، پروفیسر، پرنسپل وغیرہ۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ متوجہ ہوئے ان کی آنکھیں ذرا ذرا نیلی تھیں جن کے پیچھے ایک بڑا آدمی جھانک رہا تھا۔ پہلی بار احساس ابھرا کہ میرے ہاتھ خالی ہیں۔ سلام کیا جس کا مدہم پیار کے انداز میں .بہتر جواب دیا، جناب افتخار حیدر نے فرمایا "یہ تصوف سے متعلق۔۔۔" حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا "سوال؟۔۔۔"کہا" تصوف عربی لفظ ہے۔ تقمص اس نے قمیض پہنا۔ تصوف اس نے لباسِ صوف پہنا، لفظ نہ قرآن میں آیا نہ حدیث میں، دوسری صدی ہجری کے اخیر تک اس کا اتہ پتہ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاٹن پسند فرماتے تھے ٹاٹ بوریہ یا صوف نہیں"۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ ہنسنے لگے۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ احتیاط کے ساتھ کار میں بیٹھ گئے صوفی لیاقت صاحب ساتھ ہو بیٹھے اشارہ فرمایا اگلی سیٹ پر بیٹھو۔ ادب کا اپنا اور تعمیل حکم کا اپنا مقام ہوتا ہے۔۔۔ بہر حال ملکی فرنیچرز کے عید گاہ کے برابر کارخانہ میں آئے۔ کار سے اتر کر انتظار کیا۔ پھر اشارہ فرمایا۔ اس طرح ہراول ہو کر حضرت پیر سید رشید الدولہ کے حلقۂ ادب میں آئے۔ حاضرین نے اٹھ کر حضرت پیر سید رشید الدولہ کا استقبال کیا۔ گجرات کے علمی ادبی حلقے دیکھے بھالے ہیں ہر حلقہ کے آداب اپنے اپنے ہیں یہاں ادب آداب میں خاموشی، سکون اور اطمینان تھے ایسی خاموشی، سکون، اطمینان جس میں اپنا جائزہ بھی لیا جا سکتا تھا۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ سے مسئلہ تخلیقِ آدم کے ضمن میں سوال ہوا۔ سوال توجہ سے سنا اور

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے بڑے اطمینان کے ساتھ جو ان کا انداز تھا سوال کا جائزہ لیا سوال کے سلسلہ میں جو دوسرے سوالات اٹھائے جاسکتے تھے گنائے۔ جہاں اختلاف شک و انکار کی راہیں نکلتی تھیں سلجھائیں، تصوف کے سلسلے میں سوال نظر انداز نہیں فرمایا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے ۱۴ جمعے، ہر جمعہ کے روز نمازِ عصر کا وقت نکل کر باقی ۲ گھنٹہ، کل ۲۸ گھنٹہ میں ارشادات عالیہ کا بیان ختم فرمایا زیادہ عرصہ یہی معلوم ہوتا تھا کہ مدرسہ حاران کا کوئی استاد ہے جسے علومِ اسلامیہ، نعت و شعر، قرآن و تفسیر، حدیثِ کلام، منطق، فلسفہ جبر و مقابلہ، جفر نجومِ فلکیات پر دسترس حاصل ہے۔۔۔ لفظی کلمائے اسلام کے سلسلہ میں، ارسطالیس حکیم کے حوالے سے یونانی علوم کے ۳ حصے کرتا ہے۔ ان علوم کا تیسرا حصہ باطنی علوم پر مشتمل تھا۔ مدرسہ حاران میں ان کا ایک استاد تھا اس سے یوحنا نے یہ علوم سیکھے۔ یوحنا کے سامنے شیخ الرئیس بو علی ابنِ سینا نے زانوے تلمذ تہہ کیا۔ ان علوم کی یہاں وہاں خبر تو آتی رہی۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے انہیں کب، کہاں کس سے حاصل فرمایا؟

حلقۂ اَدب کی دونوں آنکھیں حضرت پیر سید رشید الدولہ کو دیکھتے ہی چمک جاتی تھیں۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ کو بھی سب سے نام بنام کچھ کم محبت نہیں تھی۔۔۔ پھر ہر بات کو تولنے اور بولنے کی ذمہ داری حضرت پیر سید رشید الدولہ کو سونپ کر فارغ ہو بیٹھتے تھے۔ کانوں کے راستہ ان کے مدہم انداز میں کہی ہوئی باتیں دل میں اترتی جاتی تھیں۔ مگر ادھر کی خبر ادھر بھی ہو جاتی تھی۔ پھر ایسے نیک بخت، محافظِ اسلام جو چاہتے ہیں سب ان کے دماغ سے سوچیں۔ اور ان کی زبان سے بات کریں ادھر سے ادھر آ نکلتے تھے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ سادگی کے ساتھ کمال مہربانی سے جگہ دیتے تھے۔ انہیں پورا موقعہ دیا جاتا تھا کہ جم کر بات کریں۔ حلقۂ اَدب کا کوئی رکن اب کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ روک ٹوک نہیں سکتا تھا۔ پھر وقت کافی ہوتا تو حضرت پیر سید رشید الدولہ اسی مدہم انداز میں آغازِ کلام فرماتے ورنہ پیار سے ہاتھ تھام کر بڑی سادگی سے اگلے جمعہ آجانے کی دعوت دیتے جسے کوئی رد نہیں کرتا تھا اور نہیں کر سکتا تھا۔ اور پھر جمعہ کو اس کی اجازت کے ساتھ تمام دلائل دہراتے اور پھر ٹھہرا کر، بتلا کر، سمجھا کر آغازِ جواب باصواب فرماتے۔ مدعی روکتا، ٹوکتا مگر حضرت پیر سید رشید الدولہ رشتۂ کلام مضبوطی سے تھامے رہتے نہ بھٹکتے اور نہ بھٹکنے دیتے تھے مرادِ کلام تمام تر آیات قرآنی پر رکھتے تھے اس طرح کہ ایک آیت تلاوت فرماتے۔ سورت کا نام، نمبر شمار، کل آیات کی تعداد، رکوع کا نمبر شمار، گزشتہ آیات سے رابطہ کبھی کبھی شانِ نزول۔۔۔ اس کے بعد ترجمہ اکثر محدث دہلوی کا قدیم فارسی

اور اردو ترجمہ ۰۰۰ مگر نہ فارسی نہ اردو ترجمہ میں کسی لفظ کی کمی بیشی۔ پھر موضوع کے ضمن دوسری آتی تیسری اور چوتھی ۰۰۰ یہی حضرت پیر سید رشید الدولہ کا انداز تھا ۰۰۰ ہر مسئلہ پر سارا قرآن پیش نظر رکھنے کی سعی فرماتے۔ اس لئے نتائج یک طرفہ، نامکمل فعل نظر نہیں، قابلِ اعتبار و اعتماد ہوتے تھے ۰۰۰ اختیار کرنے والے کے لئے یہ طریقہ ہر قدم پر آزمائش ہے مگر آزمائش، استفادہ کرنے والے کے لئے بھی ہے اگر وہ صبر کی دولت سے مالامال نہیں تو جلد ہی پاؤں ٹیکنے اور پھر سر مارنے لگے گا ۰۰۰ حلقۂ آدب والوں کی بات دوسری تھی نہ کسی کو جلدی تھی نہ مسئلہ مسائل کے فوری جواب کی ضرورت جب کسی طرف سے تقاضہ بات چلتی تو کئی جمعہ چلتی رہتی تھی نہ کوئی اکتاتا نہ گھبراتا تھا یہ فرضِ عین تھا کہ بس حاضری ہو جائے حضرت پیر رشید الدولہ جو کہیں، جس طرح کہیں سبھی کچھ ان کا "تبرک" تھا۔ کوئی اس حلقہ ادب سے خالی ہاتھ نہیں اٹھتا تھا۔

سید افتخار حیدر گیلانی صاحب

جناب سید افتخار حیدر گیلانی اس زمانہ میں کینیڈا تھے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے خواب میں ہدایت فرمائی دس ہزار پونڈ انہیں بھیج دیں۔ جناب سید افتخار حیدر گیلانی نے چند ہفتوں بعد رقم ارسالِ خدمت فرمائی۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے رقم وصول فرمائی اور بنک میں امانت رکھوا دی۔ جناب سید افتخار حیدر گیلانی نے نہ خط لکھا کہ معلوم کریں آیا رقم ملی یا۔ نہیں تشریف لائے نہ اب کچھ پوچھا نہ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے ملاقات پر کچھ ذکر کیا انہیں دنوں کچھ کاروباری، کچھ دیگر وجوہات کی بنا پر جناب سید افتخار حیدر گیلانی پریشان ہوئے۔ اسی پریشانی میں حاضر خدمت ہوئے معمولی مزاج پرسی کے بعد حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا "حضرت جی آپ کے دس ہزار پاؤنڈ بنک میں جمع ہیں نکلوا لیں اور کام میں لائیں۔ وہی آپ کی پریشانیاں دور کرنے والے ہیں، وہی کریں گے"۔

جناب میر عبدالغنی جلالپور جٹاں والے

جناب میر عبدالغنی جلالپور جٹاں کی معروف، ہر دلعزیز شخصیت تھے۔ کئی بار کونسلر اور چیرمین منتخب ہوئے۔ خاکسار تھے۔ علمی و ادبی ذوق رکھتے تھے اور اسی وجہ سے حضرت پیر سید رشید الدولہ کے احباب میں شامل تھے۔ جمعہ کے روز چند دوستوں کے ساتھ دیوان خانہ میں تشریف لاتے اور سارا دن یہیں گزارتے تھے۔ جمعہ کے علاوہ بھی تشریف لے آتے فرماتے تھے حضرت پیر سید رشید الدولہ

کی محبت کھینچ لاتی ہے ۰۰۰ آخری سانس تک جناب میر عبدالغنی نے رفاقت نبھائی ااور دوستی کا بھرم رکھا ۰۰۰ لاہور ایک بار حضرت پیر سید رشید الدولہ نے جناب میر عبدالغنی کے ساتھ بھیج دیا۔ بس خراب خستہ تھی۔ گرمی کا موسم تھا۔ جھنجھلا کر کہا "اباجی کبھی لاہور کبھی راولپنڈی یونہی بھیج دیتے ہیں"۔ جناب میر عبدالغنی مسکرانے لگے اور کہا۔

بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد
کسے را با کسے کارے نہ باشد

۰۰۰ مدتوں بعد وینزدیلا سے گجرات واپسی ہوئی۔ عدالتوں کے چکر لگائے، خرابیِ بسیار دیکھی تو جناب میر عبدالغنی اور ان کا سنایا ہوا شعر یاد آیا۔ پھر اسی شعر کو وزٹنگ کارڈ پر چھپوایا جب ڈاکٹریٹ کے سلسلہ میں انگلستان میں تھے۔ پاکستان میں ایوب خاں صاحب کا مارشل لار لگا۔ ان کا حکم تھا کہ کوئی فارن یونیورسٹی کا سٹوڈنٹ ۴۰ پاؤنڈ سے زیادہ نہ منگوائے۔ داخلہ اپنے ذاتی خرچ پر تھا مگر قانون سب پر لاگو ہو گیا۔ شاہ خرچیاں اپنی عادت تھی۔ اب حضرت پیر سید رشید الدولہ کو انگلستان خرچ اخراجات کے لئے رقومات بھیجنے بھجوانے میں مسلسل مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ایک روز جناب میر عبدالغنی تشریف لائے پریشانی کا سبب معلوم ہوا۔ فرمایا "اپنا داماد مانچسٹر میں بہ سلسلہ ملازمت موجود ہے۔ اسے لکھے دیتے ہیں جس قدر رقم چاہیے جب چاہیے اسی سے لے لیں" چنانچہ جتنی رقم جب چاہتے تھے منگوا لیتے تھے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ کو اطلاع ذمہ داری کے ساتھ دے دی جاتی تھی۔ اور ۰۰۰ حضرت پیر سید رشید الدولہ فوراً ادائیگی فرما دیتے تھے۔

جناب ڈاکٹر محمد حیات صاحب

جناب ڈاکٹر محمد حیات گجرات کے پہلے ایم ایس ایل ایف تھے حکومتِ افغانستان کی سروس سے ریٹائر ہوئے اور گجرات پریکٹس شروع کر دی۔ حکیم اور ڈاکٹر صاحبان کی روایت ہے کہ حکیم صاحبان خود یا کوئی عزیز داقارب میں سے بیمار پڑے تو کسی ڈاکٹر سے رجوع کرتے ہیں خود اپنا اور اپنوں کا علاج معالجہ نہیں کرتے۔ ڈاکٹر صاحبان میں بھی کوئی بیمار ہو جائے یا ان کا کوئی عزیز داقارب ہو تو کسی مستند حکیم سے رجوع کرتے ہیں۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ سے ڈاکٹر حیات کی ملاقات اسی تقریب سے ہوئی مگر عقیدت پیدا ہوئی جو بہت جلد گہری محبت سے بدل گئی۔ ڈاکٹر صاحب علاج معالجہ کے لئے تو

خیر آتے ہی تھے۔ یوں بھی دیوان خانہ میں تشریف لاتے تھے ۰۰۰ کہاں گئے وہ لوگ! ایک بڑھیا، ڈیوڑھی میں چرخہ کاتتے ہوئے ماہیا گاتی تھیں۔ میں سمجھتا ہوں کیا خوب حقیقتِ حال کی ترجمانی ہے۔ ؎

پپلی دیا پتیا دے کیہ کھڑکھڑ لائی ہوئی آ
پرانیاں دی گئی رُت نویاں دی آئی ہوئی آ

گرمیاں ہوں گی پھر سردیاں اور برسات، موسم بدلتے رہیں گے۔ مگر بدلتے موسموں کا کیا کریں گے ؎

وہی زندگی وہی مرحلے وہی کارواں وہی راستے
مگر اپنے اپنے مقام پر کبھی تم نہیں کبھی ہم نہیں

حکیم عبیداللہ صاحب

حضرت پیر سید رشید الدولہ کے احباب میں حکیم عبیداللہ بھی تھے جو بڑی خوبیوں والے پیارے آدمی تھے۔ ان کی مثال گلاب کے پھول کی مثال تھی۔ گلاب کا خیال آتا ہے تو خوشبو، خوب صورتی اور نرم نازکی کا احساس ساتھ ہی ابھرتا ہے ۰۰۰

جناب حکیم عبیداللہ کے دل و دماغ میں ہمہ وقت خدمتِ خلقِ خدا کا جذبہ موجزن رہتا تھا ۰۰۰ تقسیم ہندوستان سے قبل گجرات میں طاعون کی وبا پھیلی۔ سارا شہر ماتم کدہ بن گیا۔ افراتفری کا یہ عالم تھا کہ گھر ہی میں کسی کا کوئی پُرسانِ حال نہیں تھا۔ مردے بے گور و کفن پڑے تھے اور عزیز و اقارب گھر چھوڑ گئے تھے۔ ان حالات میں حضرت حکیم عبیداللہ اور جناب لالہ فضل غوری، ہندو، مسلمان، سکھ عیسائی کی تمیز سے بے نیاز، چند ایک رضا کاروں کے ساتھ سب کو تمیز و قاعدہ کے ساتھ جلد از جلد سپرد خاک کر دیتے تھے۔

جناب حکیم عبیداللہ، دوست احباب، گلی محلہ کے لوگوں کی بیٹیوں کی شادی میں ضرور شریک ہوتے تھے۔ اور تمام اہم کاموں کی ذمہ داری سنبھال لیتے تھے، کھانے پکانے، کھلانے کا اہتمام کرتے تھے۔ لاگیوں کو لاگ دیتے تھے۔ غرض برات کی آمد سے لے کر رخصتی تک ہر ایک کام بحسن و خوبی سرانجام دیتے تھے۔

جناب حکیم عبیداللہ باہتمامِ خاص عرقیات اور دیگر مشروبات کشید کرتے تھے مگر خرید و فروخت

کے سلسلہ میں بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ اگر سمجھتے کہ اسے ضرورت نہیں بس شوقیہ دوا دارو چاہیے تو منہ پھیر کر کہہ دیتے تھے کہ دوا دارو، عرق و شربت کسی اور سے لے لیں۔ یہ سب عرق، شربت اور دوائیں میں نے غرض مندوں، غریبوں کے لئے محنت اور محبت سے تیار کی ہیں۔ اگر اصرار بڑھتا تو کہتے "ہاں، مرزا اللہ دتہ بٹ کی سفارش لاؤ تو دیکھیں گے"۔ جناب اللہ دتہ بٹ جھجکتے جھجکتے سفارش کرتے تھے۔ فرماتے "او ۔۔۔ حکیم الامت، تجھے معلوم ہے کونسا شربت یا عرق کس کو دینا یا نہیں دینا ہے"، اور پھر عرق شربت، دوا دارو دے دیتے تھے۔

شاہدولہ گیٹ سے باہر دکان ہوتی تھی مگر دکان کم عوامی مرکز زیادہ تھا۔ نمازِ فجر کے بعد دکان کھولتے تھے صفائی ستھرائی کے بعد حقہ تازہ کرتے تھے چند کرسیاں چند مونڈھے، ایک بنچ بچھا دیتے تھے ۔۔۔ اب شہر کے معززین کی آمد آمد ہوتی تھی۔ مرزا اللہ دتہ بٹ مینجنگ ڈائریکٹر گجرات پنجاب بس۔ صدر ضلع گجرات مسلم لیگ، محلہ خواجگان گجرات کے سیٹھ چراغ جو آنریری مجسٹریٹ رہے تھے سردیوں میں خاصا بھاری کوٹ زیب تن فرماتے تھے سر پر رومی ٹوپی ہوتی تھی ۔۔۔ افسران بالا سے کام لینے میں ید طولیٰ رکھتے تھے ۔۔۔ اس طرح غلام احمد پال اور چوہدری سلطان احمد لاہنہ سب ایک ایک کر کے جمع ہو جاتے تھے۔

میاں عبدالغنی صاحب گوجرانوالہ والے

میاں عبدالغنی کا تعلق گوجرانوالہ سے تھا۔ امیر آدمی تھے۔ وہم کے مرض میں مبتلا ہندوستان کے کونہ کونہ میں نامور حکیموں طبیبوں ڈاکٹروں سے دوائیاں لیں۔ مگر وہم کا علاج حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔ دوائیاں خریدتے تھے اور قیمتی سے قیمتی مگر وہم کے باعث استعمال کی نوبت نہیں آتی تھی کہ کہیں دوائی جان لیوا ثابت نہ ہو۔ رفتہ رفتہ گھر کا اثاثہ بکنے لگا اور نوبت غربت تک پہنچ گئی۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ کا ذکر خیر کسی نے ان کی مسیحائی اور غریب پروری کے حوالے سے کیا میاں عبدالغنی گجرات مطب آئے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ صرف طبیب حاذق نہیں تھے مردم شناس بھی تھے۔ جلدی معاملہ کی تہہ تک پہنچ گئے۔ نہ حالت پوچھی نہ مرض بتلایا نہ دوا دی بس بٹھائے رکھا۔ دوپہر ہو گئی کھانے پر ساتھ لائے آرام کا بندوبست کیا جب اصرار کیا کہ ذرا بات سنیں مرض مریض کو دیکھیں حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا "تمہارے مرض کی دوا میرے پاس نہیں"۔

اضطراب اور بڑھا تو فرمایا "آپ اس مرض کی خود ہی دوا کریں اور ۔ ۔ ۔ آپ خود ہی کر سکتے ہیں" میاں عبدالغنی نے منت سماجت شروع کی آخر حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا "آپ حد سے سوا دہی ہیں میں دوا بنادوں گا آٹھ دن میں تیار ہو گی۔ لے جائیے ۔ ۔ ۔" میاں عبدالغنی گوجرانوالہ جانے کے لئے تیار ہوئے اور ۔ ۔ ۔ بار بار التجا کی "میرے حال پر رحم کریں دوا بنادیں۔ آٹھ دن کے بعد ضرور لے جاؤں گا"۔

میاں عبدالغنی کے بڑے صاحب زادے میاں اسلم کہتے ہیں کہ گوجرانوالہ پہنچ کر میاں صاحب نے حضرت پیر سید رشید الدولہ کی تعریف و توصیف کے پل باندھ دیئے غریب پروری، مہمان نوازی کے قصیدے پڑھے بڑی امید ظاہر کی کہ دوا بن جائے گی اور انشاء اللہ مرض بھی جاتا رہے گا ۔ ۔ ۔ آٹھ دن کیسے کاٹے یہ تو خود وہی جانتے ہیں بہرحال آٹھویں دن مطب میں موجود تھے علیک سلیک کا بھی ہوش نہیں تھا بس دوا کا تقاضہ کئے جاتے تھے ۔ ۔ ۔ دوا لی ترکیب استعمال سمجھی اور الٹے پاؤں گوجرانوالہ آ گئے۔ دوا استعمال کی اور تھوڑے عرصہ میں افاقہ ہوا۔ مسلسل استعمال سے صحت یابی کی امید بندھی۔ پھر مطب پہنچے اور حضرت پیر سید رشید الدولہ کے ہاتھ چوم چوم بے دم ہو گئے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ بھی بہت خوش تھے دو مہینہ اور دوائی استعمال کرائی اور مرض جو زیادہ نفسیاتی تھا جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔

اب میاں عبدالغنی اکیلے یا ایک دو دوستوں کے ساتھ جمعہ کے جمعہ مطب آنے لگے ادھر صحت کے ساتھ کاروبار کی طرف توجہ کی جس سے بارِ دیگر خوش حالی نے حنائی انگلیوں سے دروازہ پر دستک دی سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔

میاں عبدالغنی ذہین آدمی تھے اور ساتھ ہی ہر فن مولا۔ بجلی کا کام جانتے تھے، لوہار ترکھان تھے، سائیکل یا موٹر مرمت کرتے تھے، بلکہ موٹر پمپ بھی لگاتے تھے یہ سب ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ کی زمینیں یوسف گاؤں میں تھیں علاقہ بارانی تھا۔ صرف زمینوں کے ساتھ نالہ بہتا تھا جسے اپنی زبان میں وہاں کے لوگ "ڈلی" جو شاید ڈل سے ہے جس کے معنی کشمیری میں جھیل کے ہیں کہتے تھے۔ یہاں سارا سال تھوڑا بہت پانی رہتا تھا۔ مزارعوں نے حضرت پیر سید رشید الدولہ کو مشورہ دیا اگر ڈلی پر پمپ لگوادیں تو روز روز پانی کی کمی کی شکایت دور ہو جائے گی۔ اور زمین کی پیداواری صلاحیت میں اضافہ ہو گا۔

میاں عبدالغنی نے سنا تو فوراً حضرت پیر سید رشید الدولہ کی اجازت سے بیکو پمپ ڈلی پر نصب کر دیا۔ پمپ نے ایک عرصہ خوب کام کیا مگر مشین میں گڑبڑ تو ہو ہی جاتی ہے حضرت پیر سید رشید الدولہ کے صاحب زادے عزیز الدولہ ارشد چن پیر گاؤں زمینوں پر تھے جب پمپ نے قطعی جواب دے دیا تو گجرات اطلاع دی گئی۔ اتفاق سے میاں عبدالغنی بھی موجود تھے ۔۔۔ اُٹھ کھڑے ہوئے حضرت پیر سید رشید الدولہ نے سفر میں آسانی کے لئے موٹر سائیکل کا بندوبست کر کے ایک مستری کو بھی ساتھ کر دیا۔ راستہ میں مستری صاحب جس طرح موٹر سائیکل چلاتے رہے دیکھ کر میاں عبدالغنی نے کہا "بیٹا اب میں ساری زندگی تمہارے ساتھ سفر نہیں کروں گا"۔ بہر حال گاؤں پہنچے موٹر پمپ وغیرہ ٹھیک ٹھاک ہو گئے۔ مستری گجرات واپس بھیج دیا اور خود ڈیرے پر ٹھہر گئے صبح موٹر پمپ کی کارکردگی دیکھ کر مطمئن ہو کر بھمبر روڈ پر بزرگوال پہنچے۔ گجرات پنجاب ٹرانسپورٹ کی پہلی بس آئی میاں عبدالغنی سوار ہو گئے ۔۔۔ ان دنوں شیطانیہ (اب رحمانیاں) کے برساتی نالہ بھمبر روڈ پر پل نہیں ہوتا تھا بسیں ریت میں پھنس جاتی تھیں۔ سواریاں بس کو دھکا لگا کر باہر نکالتی تھیں۔ اس روز میاں صاحب کی بس سے ذرا پہلے نکلنے والی بس ریت میں پھنسی ہوئی تھی۔ یہ بس ان کی امداد کے لئے رک گئی۔ مگر بہت کوشش کے باوصف بس ریت میں بری طرح پھنسی رہی دھوپ میں بوڑھے بچے، آدمی عورتیں پیاس کی شدت سے تڑپنے لگے۔ میاں عبدالغنی بس سے اترے ڈرائیوروں مستریوں کو ہٹایا سب انتظامات ہاتھ میں لئے کبھی جیک لگاتے، کسی کو چین لانے کو کہتے۔ کہیں خود ریت اٹھاتے اب انہوں نے بسوں کو "ٹوچین" کرنے کا حکم دیا اور خود درمیان میں کھڑے ہو گئے ریت پھسلنے لگی کسی سمت سے زور بڑھا اور میاں عبدالغنی کا سر بس کے پہیہ کے نیچے آ کر کچلا گیا اور وہیں روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

میاں عبدالغنی جب گجرات پنجاب بس سروس میں سفر کر رہے تھے تو مسافروں کو برابر حضرت پیر سید رشید الدولہ کی فنِ طبابت، مہارت، غریب غربا پروری کے قصے سنا رہے تھے۔ اب انہی لوگوں نے دیوان خانہ اس المیہ کی اطلاع دی حضرت پیر سید رشید الدولہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی مناسب انتظامات کرنے کے بعد حاجی اللہ دتہ بٹ کے پاس آدمی بھیجا کہ جلد از جلد بس دیوان خانہ پہنچائیں۔ بس میں مرحوم کی میت دیوان خانہ لائی گئی پھر سب اہل خانہ اسی بس میں گوجرانوالہ گئے کفن دفن، کھانے دانے فاتحہ درود کا سارا اہتمام حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا۔ بچوں کے سرپرست

شفقت رکھا کہا" میں رضائے الٰہی کے آگے مجبور ہوں آج سے میں تمہارا باپ ہوں مرحوم کی ساری ذمہ داریاں میری ہیں۔"

الحمدللہ ۰۰۰ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے جو کہا وہی کر دکھایا۔

میاں عبدالغنی مرحوم کے صاحب زادے محمد اسلم بٹ نے تیرہ ہزار میں ایک ڈیزل بس خرید لی۔ یہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے ۰۰۰ اور مرے کو مارے شاہ مدار چند روز بس چلائی کہ اس کا کرینک شافٹ (crank shaft) ٹوٹ گیا۔ نیا خریدنا تو رہا ایک طرف مرمت کے لئے بھی پیسے پاس نہیں تھے۔ قرض کا بھی کہیں سے انتظام نہ ہو سکا۔ آخر محمد اسلم بٹ پریشانی کے عالم میں دیوان خانہ پہنچا۔ جب محمد اسلم بٹ گجرات آتا تھا۔ دیوان خانہ میں پھل جھڑیوں کا سماں بندھ جاتا تھا۔ مگر وہ آج چپ چاپ پاس آن بیٹھا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے اسے گلے لگایا۔ پوچھا "کیا پریشانی ہے" جب اس نے کہا "بس کا شافٹ ٹوٹ گیا ہے" حضرت پیر سید رشید الدولہ نے مسکرا کر کہا "اس میں پریشانی کی کیا بات ہے اپنی حالت درست کرو۔ گھر اندر جا کر ماں، بہنوں سے ملو کھانا کھاؤ اور مسکراتے ہوئے آؤ"۔ محمد اسلم بٹ خدمت میں آیا بتلایا تین، چار ہزار روپیہ چاہیے پیر سید رشید الدولہ نے اندر سے اسے ۲۵۰۰ روپے لا کر دے دیئے فرمایا "بیٹا جب تک میں زندہ ہوں اتنی معمولی بات پر اتنا رنجیدہ نہیں ہونا چاہیے ۰۰۰" شاید اسی انداز میں، بہت حوصلہ دلانے کے باعث محمد اسلم نے دن رات کام کیا اسی پرانی بس سے دو نئی بسیں خریدیں۔

میاں عبدالغنی مرحوم کی بیٹی کی شادی تھی۔ تمام رسومات بخیر و خوبی ادا ہوئیں رخصت کے وقت دلہن نے کہا "اب مجھے ڈولی میں میرے "باپ" آکر بٹھائیں اور رخصت کریں حضرت پیر سید رشید الدولہ مہمانوں، برات والوں کی خاطر تواضع سے فارغ ہوئے تھے۔ سب انتظامات انہیں کے ہاتھ میں تھے اب حضرت پیر سید رشید الدولہ نے قرآن کے سایہ میں بیٹی کو ڈولی میں بٹھا کر رخصت کیا۔

مرحوم میاں عبدالغنی کے دوسرے صاحب زادے جمیل کا سہرا حضرت پیر سید رشید الدولہ نے خود باندھا اور اس کی دلہن کی ڈولی لے کر آئے۔

مرحوم میاں عبدالغنی کے صاحب زادے محمد اسلم، جمیل، سلیم اور اعظم جب کسی مشکل سے دوچار ہوئے حضرت پیر سید رشید الدولہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے کہ عقدہ کشائی فرمائیں۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ کے وصال کے بعد بھی بات رہی محمد اسلم بٹ اور دوسرے بھائی برابر

اسی طرح سلام کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔

ابھی کل ہی (۱۰ فروری ۱۹۹۴ء) کو میاں محمد اسلم بٹ صاحب راقم اور پیر صاحب کی دختر نیک اختر فرخ جمشید (جو راقم کے عقد میں ہے) سے ملنے آئے اور رات گئے تک پرانی باتیں اور گزرے ہوئے واقعات دہراتے رہے۔

محمد اسلم سلمہ نے کہا حضرت پیر سید رشید الدولہ نے زندگی کے مندرجہ ذیل سنہری اصول بتلائے تھے۔

"۱۔ کبھی بھول کر بھی کسی سے ایسا سلوک نہ کرنا کہ وہی تجھ سے کیا جائے تو ناگوار گزرے۔"

"۲۔ باادب بامراد۔ بے ادب بے مراد"

"۳۔ کسبِ کمال کُن کہ عزیزِ جہاں شوی"

"۴۔ دوسروں کے ساتھ ایسے پیش آؤ۔ کہ تمہاری غیر حاضری میں جب اور جہاں بھی تمہارا ذکر ہو تو تمہیں اچھے نام سے یاد کیا جائے"

کرشن چند

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں

کرشن چند ایک ہندو بنیا تھا۔ جو بازار صرافاں کی ایک گلی میں رہا کرتا تھا۔ شکل و صورت اور لباس سے تو وہ دو کوڑی کا آدمی لگتا تھا۔ مگر مالی لحاظ سے بڑا مضبوط تھا۔ اس کا کاروبار سود پر رقم دینا اور خاص طور پر زمینوں کو رہن رکھنا تھا۔ نورپور، گجرات اور ارد گرد کی بستیوں کی زمین زیادہ تر اسی کے پاس رہن تھی۔ جو زمیندار وقت مقررہ پر سود نہ ادا کر سکتا۔ تو اس وقت کے کالے قانون کے تحت اس کی زمین قرق کروا لیتا اور اسی طرح غریبوں کا خون چوس چوس کر لکھ پتی ہو گیا۔ یاد رہے کہ اس زمانے میں لکھ پتی ہونا بڑی بات تھی۔ میری نانی صاحبہ اکثر کہا کرتی تھیں کہ سو روپے کی چھاؤں میں کتا بیٹھ سکتا ہے۔

جس طرح اور شرفاء شہر اور مہذب انسان پیر صاحب کے ہاں آ کر مجلس میں بیٹھتے تھے۔ یہ مہاراج کرشن چند بھی باقاعدہ شریک ہوا کرتے تھے۔ پیر صاحب کے علم و فضل کی باتوں نے اس کے ذہن پر

گہرے نقوش چھوڑے۔ اور رفتہ رفتہ مسلمان اولیاء اکرام اور خدا رسیدہ بزرگوں کے واقعات اس کے دل میں گھر کر گئے۔ اور اس نے ہفتہ کا ایک دن باقاعدہ مقرر کر لیا جس دن وہ حضرت شاہ دولہ دریائی پر حاضری اور نذر و نیاز دیتا اور اپنے روح کی تسکین کا سامان کرتا۔ پیر صاحب کا ایک دستور تھا کہ وہ کسی مریض کو گھر پر دیکھنے سے اجتناب کرتے۔ ماسوائے چند قلبی عزیز دوستوں کے۔ کرشن چند کی دوستی رنگ لائی اور وہ بھی ان خوش نصیب دوستوں کی صف میں شامل ہو گیا۔ عقیدت یہاں تک بڑھی کہ بیاج اور سود لینے والا شخص بھی پیر صاحب کو اکثر کہتا " آپ جس کو مستحق سمجھیں میں نہ صرف سود بلکہ اصل زر بھی معاف کر دوں گا"۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ پیر صاحب کی غریب پروری، مہمان نوازی اور خدمت خلق سے بڑا متاثر تھا۔ جب کبھی گجرات میں سیلاب آتے تو پیر صاحب اپنی خاکسار تنظیم کے ساتھ بیلچہ اٹھائے خدمت خلق کرنے کو پہنچ جاتے۔ اس طرح عوام الناس کی خدمت کا ان پر گہرا اثر ہوا۔ قرآن پاک میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"کہ جو شخص میرے بندوں سے محبت کرتا ہے میں اس محبت کرتا ہوں"

اسی بات کو مغربی تہذیب یوں دہراتی ہے۔

"Service of huminity is service of God"

ہندوؤں کے بارے میں یہ مشہور ہے " چمڑی جائے پر دمڑی نہ جائے " مگر کرشن چند کی اس ماحول نے کایا پلٹ دی کہ ایک دن وہ بھاری بھرکم کتاب جس کو ہندو بہی کھاتہ کہتے ہیں جس پر مخصوص سرخ رنگ کے کپڑے کی جلد ہوا کرتی تھی۔ اٹھا کے اپنے ساتھ لے آیا۔ اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا " مہاراج جس جس زمیندار کی زمین میرے پاس گروی ہے اور آپ اسے اگر مستحق سمجھتے ہیں حکم دیجیئے میں کاغذات واپس لوٹا دیتا ہوں "

پیر صاحب یہ سن کر آبدیدہ ہو گئے اور فرمانے لگے " مہاراج میں کسی کو مستحق یا غیر مستحق ٹھہرانے والا کون ہوں، کون جانے اندر سے میں کیا ہوں اور آپ کیا ہیں۔ میں آپ کا مشکور ہوں آپ جسے مناسب سمجھتے ہیں۔ احسان کر دیں آپ کو اس کی جزا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ملے گی " کرشن چند نے تمام اہل محفل کے سامنے پاؤں چھوئے اور " آگیا " (اجازت) لی اور واپس چلا گیا۔

غالباً میں دسویں جماعت میں پڑھا کرتا تھا گرمیوں کے دن تھے۔ حکیم صاحب حسب دستور شام ڈھلے اپنی محفل جمائے بیٹھے ہوئے تھے۔ کرشن چند جن میں، میں اور لوگوں کے علاوہ استاد غلام رسول

چشتی بادشاہ والے، میاں احمد حسین، مرزا عبدالقدیر، مستری فضل کریم، مستری بلال (جن کا بھتیجا سلیم برگیڈیر ہو کر ریٹائر ہو گیا ہے اور اب اسلام آباد میں مقیم ہے۔ جس کا آبائی مکان جی جی مان نے خرید لیا ہے۔) مشہور ڈاکٹر سردار لال اور گنیش داس بیٹھے ہوئے تھے۔ کرشن چند بغل میں ایک پوٹلی دبائے اور دونوں ہاتھ سختی سے اس پر جمائے ہوئے اپنی بیٹی کملا کے ساتھ آن پہنچا۔

آپ کو ایک بات کملا کی خوبصورتی کے بارے میں عرض کرتا چلوں۔ ابھی وہ جوانی میں قدم رکھ رہی تھی۔ اور جسم کا ایک ایک زاویہ کچھ اس قدر دلکش تھا کہ میں کم سن ہونے کے باوجود متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ رنگ تھا جیسے میدے میں سیندور ملا ہو۔ ریشم سے زیادہ ملائم، شہتوت کی شاخوں سے زیادہ لچک اور ہونٹ تھے جیسے گلاب کی منہ بند کلیاں، پیلے رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس، ماتھے پر تلک چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے۔ پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر۔ نمستے کے لئے جب لب کھولے تو پیر صاحب فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اسے زنانہ میں اپنی والدہ صاحبہ کے پاس لے گئے۔ کرشن چند تو محفل میں ہی رہا۔ اور پوٹلی کو گود میں رکھے چارپائی پر بیٹھ گیا۔

میرا اشتیاق دیکھیئے کہ میں کسی بہانے اندر زنان خانے میں گیا تاکہ اسے قریب سے دیکھ سکوں۔ یا اس کی کوئی بات سن سکوں۔ نانی جی میری عیاری تاڑ گئیں۔ اور مجھے خوب ڈانٹ پلائی۔ "خبردار پھر اندر آنے کی جرات نہ کرنا۔ دیکھتے نہیں پردہ دار خواتین بیٹھی ہوئی ہیں"

سادگی تو دیکھیئے کہ انہیں پتہ ہی نہیں کہ ہندو عورتیں تو پردہ کرتی ہی نہیں۔ اور وہ دن میں پردے کے بغیر بازار میں جاتی ہیں۔ اور اب کملا دخترِ کرشن چند اندر بیٹھی ہوئی ہے اور مجھے گھر داخل ہونے کا اذن نہیں۔

گڑ والے "ستو" پینے کا موسم تھا۔ پیر صاحب خود اندر جا کر ستوؤں کے بھر گلاس لائے اور مجھے حسرت ہی رہی کہ اس خدمت کے لئے مجھے کہا جاتا۔ اور میں اس بہانے ہی اندر جا کر کملا کی ایک اور جھلک دیکھ سکوں۔

میں نے پہلی دفعہ دیکھا کہ کوئی ہندو "بھرشٹ" ہوئے بغیر مسلمان کے ہاتھ کوئی چیز کھا رہا ہے۔ میرے لئے یہ عمل حیران کن تھا چونکہ ایک دفعہ ہندو مزارع جب ہماری جاگیر سے اناج وغیرہ لے کر آئے تو وہ کوئی چیز کھا پی رہے تھے۔ میں قریب سے گزرا تو کہنے لگے کہ صاحب زادے بھگوان کے لئے یہاں سے چلے جائیں ورنہ ہمارا کھانا پینا بھرشٹ ہو جائے گا۔ اور ہمیں "اشنان" کرنا پڑے گا۔

یہ کوئی ایک سال قبل تقسیم ہند کا واقعہ ہے کہ پیر صاحب کی محفل میں علامہ عنایت اللہ خاں مشرقی کی یہ بات اُس وقت کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ کہ اگر پاکستان بن بھی گیا۔ تو مغربی پاکستان ہندو کے رحم و کرم پر ہو گا۔ چونکہ پنجاب کے بیشتر دریا ہندو کے علاقے سے گزر کر پاکستان میں داخل ہوتے ہیں اس لئے جب چاہیں دریاؤں کا رخ موڑ لیں گے۔ اور پاکستان کو ریگستان بنا دیں گے۔ چونکہ آبپاشی کا پانی ان کے کنٹرول میں ہو گا۔ اور دوسری بات یہ مشرقی پاکستان جو کہ مغربی پاکستان جغرافیائی لحاظ سے ایک ہزار میل دور ہے۔ درمیانی علاقہ ہندو، کے قبضے میں ہو گا۔ اس طرح اِدھر سے اُدھر جانا کس قدر محال ہو گا۔ اور تقریباً ۲۵ سال کے بعد مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے علیحدہ ہو جائے گا۔ یہ دونوں باتیں سو فی صد درست ثابت ہوئیں۔

علامہ صاحب کی قسم کے دور اندیش اور فہم و فراست والے لوگ اکثر دنیا میں اپنے وقت سے پہلے پیدا ہوتے ہیں۔ جاہلوں کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ پڑھے لکھے لوگوں کو بھی ان کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔ اور اگر آتی بھی ہیں تو "They turn a deaf ear" کرشن چند خاموشی سے یہ فلسفیانہ باتیں سن رہا تھا۔ مگر پہلے کی طرح ہشاش بشاش نظر نہیں آتا تھا۔ اور چہرے مہرے سے فکر کے اثرات دے رہا تھا۔ پوٹلی کو بار بار اپنی گود میں دونوں ہاتھوں سے ٹٹولتا، کرشن چند کی بے چینی دیکھ کر پیر صاحب نے خود ہی فرمایا "مہاراج میرے ساتھ برآمدے میں چلیں۔ میں نے تنہائی میں آپ سے کچھ عرض کہنا ہے۔"

کرشن چند اور پیر صاحب تھوڑی دیر کے بعد احباب میں واپس آ گئے کرشن چند بیٹھا نہیں۔ پیر صاحب اندر گئے اور کملا کو تحائف کے ساتھ لے آئے چونکہ سورج ڈھل چکا تھا۔ پیر صاحب نے اپنے نوکر رحمے سے کہا کہ بیٹی کملا اور کرشن چند جی کو ان کے مکان کے اندر تک چھوڑ کر آنا۔ اور اس وقت تک واپس نہ آنا جب تک وہ اندر سے دروازہ نہ بند کر لیں۔ ہم میں سے اس وقت کسی کو جرات نہ ہوئی۔ کہ پیر صاحب سے پوچھیں کہ معاملہ کیا ہے۔

سیاسی حالات بگڑتے جا رہے تھے ہر اک کو اپنے جان و مال کی فکر پڑی تھی اور یہ باور کیا جا رہا تھا کہ پاکستان بن کر ہی رہے گا۔ کچھ عشروں کے بعد پیر صاحب کی محفل اُسی طرح لگی ہوئی تھی۔ تو مرزا قدیر نے کہا "ہندو اپنے زیورات اور جمع پونجی شہر کے رؤسا اور ایمان دار شخصیتوں کو امانت کے طور پر سونپ رہے ہیں۔ کہ شاید حالات بہتر ہو جائیں۔ تو آ کر اپنی امانتیں واپس لے جائیں"۔

کملا کی منگنی کرشن چند نے متھرا کے کسی ہم پلا گھرانے میں طے کی ہوئی تھی۔ یہ یاد رہے کہ ہندوؤں میں ایک روایت چلی آ رہی ہے کہ وہ شادی بیاہ رشتہ داروں میں نہیں دور دراز کے اجنبی گھرانوں میں کرتے ہیں اور مثل مشہور ہے کہ سات پشتوں میں بھی اگر کوئی رشتہ نکل آئے تو پھر بھی شادی نہیں کرتے۔

وقت گزرتا گیا کرشن چندیوں تو آتا رہا مگر وہ باقاعدگی نہ رہی۔ اور دن بدن اس کی پریشانی میں اضافہ اور افسردگی بڑھتی گئی۔ جب کرشن چند کی غیر حاضری طول پکڑ جاتی تو پیر صاحب رحمے کو اس کے گھر اس کی خیریت معلوم کرنے بھیجتے حتیٰ کہ ایک دن وہ خود اس کے گھر چلے گئے۔ اور حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا کہ خطرہ بڑھتا جا رہا ہے اگر آپ مناسب سمجھیں تو اپنے بال بچے کو لے کر ہمارے گھر آ جائیں انشاء اللہ ہم آپ کی حفاظت کریں گے مگر وہ نہ مانا اور کہا "مہاراج آپ کی نیک صحبت میں بیٹھ کر مجھ میں اتنی شکتی آ گئی ہے کہ سب کچھ بھگوان کی دیا پر چھوڑ دیا ہے۔ اور میری حالت میں کئی مسلمان بھی تو اس پار نہ جانے کیا کیا تانے بانے بنتے ہوں گے"۔

گجرات میں ایک خوش الحان نعت خوان ہوا کرتا تھا جو کہ اب بھی زندہ ہے اکثر تھری ناٹ تھری ۳۰۳ کی رائفل حالات کے مطابق لئے پھرتا تھا اس وقت ہر نتھو خیرے کے پاس اسلحہ ہوا کرتا تھا۔ جس کی سر عام نمائش کرنا فخر محسوس کرتے تھے۔ کملا دیوی اس کی آواز پر کیا مر مٹی کہ ماں باپ کی عزت کو داؤ پر لگا دیا۔ اور اس سے چھپ چھپ کر گاہے بگاہے ملتی رہی۔ اور ایک دن اس کے ساتھ کسی طرف بھاگ نکلی۔ جب رات گئے کملا گھر نہ لوٹی تو کرشن چند روتا ہوا پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور حالات سے آگاہ کیا۔ آپ تو جانتے ہیں ہیں کہ نیچ لوگ ہی دوسروں کی عزت سے کھیلتے ہیں۔ جب بھی پیر صاحب کو کسی مظلوم کی مدد کے لئے بازوں کی ضرورت ہوتی تو ہمیشہ اپنے معتبر دوست لالہ حمید اور مجید بوتلاں والے کی خدمات حاصل کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس وقت مجید تو نہ مل سکا لالہ حمید پہنچ گیا۔ لالے حمید نے اپنے اثر رسوخ سے کملا کو بھمبر سے ڈھونڈ نکالا۔ اور دیوان خانہ میں لا کر اس نعت خواں کی خوب مرمت کی اور ہاتھ باندھ کر کملا کو نصیحت کی کہ جو ہوا سو ہوا آئندہ اپنے ماں باپ کا دل کبھی نہ توڑنا۔ کس ناز و نعم سے انہوں نے تجھے پالا۔ رحمہ اور لالہ حمید کملا دیوی اور کرشن چند کو ان کے گھر بحفاظت چھوڑ آئے۔

وہ پوٹلی جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ اس میں زیورات اور نقدی تھی جسے پیر صاحب نے

امانت کے طور پر رکھنے کی ذمہ داری قبول نہ کی۔ چونکہ حالات اور نیت بدلتے دیر نہیں لگتی۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے یہ ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔ روانگی کے وقت کرشن چند نے پیر صاحب کو بتایا کہ وہ پوٹلی اس نے ایک مشہور ٹرانسپورٹر اور صاحب جائداد اور سیاسی آدمی کو سونپ دی ہے۔ اور اسے یہ بھی کہا کہ میں پیر صاحب کو گاہے بگاہے اپنی امانت کے متعلق خط لکھتا رہوں گا۔ چار پانچ مرتبہ کرشن چند کے خط آنے پر پیر صاحب اس ذمہ دار شخصیت سے پوچھتے رہے اور اس نے یہی جواب دیا کہ فکر کی کوئی بات نہیں جب کرشن چند مانگے گا تو امانت اسے لوٹا دی جائے گی۔ ایک دفعہ صاف ہی انکار کر دیا کہ پیر صاحب آپ مجھے کیوں تنگ کرتے ہیں آپ کو پتہ نہیں ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا سلوک کیا ہے۔ بعد میں پتہ چلا کہ نہ صرف کرشن چند بلکہ کتنے ہی اور ہندوؤں کی امانتیں وہ ہڑپ کر گئے ہیں۔

کافی عرصہ تک کرشن چند سے پیر صاحب کی خط و کتابت جاری رہی۔ اور حالات سے آگاہی ہوتی رہی۔ ایک خط میں اس نے بڑی روح فرسا خبر سنائی۔ خبر کچھ یوں تھی کہ اس کی بیٹی کملا کی متھرا کے بگڑے رئیس سے شادی کر دی تھی مگر وہ نہ صرف جواری اور شرابی نکلا بلکہ وہ عورتوں کا رسیا بھی تھا۔ بمبے کے قریب اوٹی (صحت افزا مقام) کے مقام پر اس کا ایک بنگلہ تھا جس میں اس نے ایک داشتہ رکھی ہوئی تھی۔ جس نے دولت کے لالچ میں اس سونے کے انڈے دینے والی مرغی کو شراب میں زہر دے دیا۔ اور اس طرح کملا کے پتی کا قصہ تمام ہو گیا۔ ویسے تو کملا دیوی اس کی ان خرافات سے نالاں رہتی تھی۔ مگر جب اسے اپنے پتی کی موت کا پتہ چلا تو وہ اس صدمے کو برداشت نہ کر پائی۔ اس نے بھی چلتی ٹرین کے نیچے سر رکھ کر خودکشی کر لی۔

کون جانے میرے امروز کا فردا کیا ہے

عبدالرحمٰن صاحب

جناب عبدالرحمٰن صاحب جو آج کل پی آئی اے کراچی میں اعلیٰ عہدہ پر فائز ہیں حضرت پیر سید رشید الدولہ سے کمال درجہ عقیدت رکھنے والوں میں سے ہیں۔

جناب عبدالرحمٰن حاضر خدمت ہوئے کہا "کراچی میں پی آئی اے میں آسامیاں خالی ہیں بڑی سفارش اور دوڑ دھوپ کی ضرورت ہے مگر یہ سب کچھ میرے بس میں نہیں، معلوم نہیں کیا کروں کیا

نہ کروں ۔۔۔ بہرحال کل کراچی جارہا ہوں ۔۔۔" حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا "کل ضرور جانا کام ہو جائے گا"۔

کراچی روانگی سے پہلے صبح سویرے منہ اندھیرے جناب عبدالرحمن بر سلام حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ کمبل اوڑھے دیوان خانہ کے صحن میں درختوں تلے ان کا انتظار کر رہے تھے ۔۔۔ انہیں پچاس روپیہ دیا اور پھر ایک لفافہ دے کر کہا "یہ افسر کو دینا جس کے اختیار میں ملازمت دینا ہے فکر نہ کرنا کام ہو جائے گا"۔

جناب عبدالرحمن کراچی پہنچ کر پرائیویٹ سیکرٹری سے ملے اور صاحب سے متعلق پوچھا جنہیں خط دینا تھا۔ اجازت ملی۔ اندر گئے۔ صاحب کو خط دے دیا۔ پوچھا "کس لئے"۔ کہا "جی وہ چند ملازمتیں آپ کے محکمہ میں نکلی ہیں ایک کے لئے سفارش ہے"۔ کہا "اچھا۔ جاؤ، تین ہفتہ بعد آنا"۔

اسی شام عبدالرحمن کو بلایا اور ۔۔۔ پہلے تو عبدالرحمن کو ملازمت ملنے کی نوید سنائی۔ مگر جب عبدالرحمن شکریہ ادا کر کے واپس جانے کے لئے مڑے تو صاحب نے کہا "رکو۔ میں نے اپنے روزمرہ کے معمولات سے فارغ ہونے کے بعد جب اس لفافے کو کھولا تو اس میں ایک چٹ نکلی (اس نے وہ چٹ عبدالرحمن کو دکھائی) جس پر صرف یہ لکھا ہے "میں وہی ہوں اس فقرے نے مجھے پریشان کر دیا ہے کئی دفعہ چائے بنائی۔ ٹھنڈی ہو گئی۔ مگر اس فقرے کے اسرار ہیں۔ کہ مجھ پر کھلتے ہی نہیں۔ جن صاحب نے یہ چٹ بھیجی ہے میں تو انہیں جانتا تک بھی نہیں لیکن اس فقرے نے مجھے ابھی تک پریشان کر رکھا ہے۔ میں وہی ہوں اور کون؟ یہ بات اگرچہ میری سمجھ میں نہیں پھر بھی اس فقرے نے مجھے یہ نوکری دینے پر مجبور کر دیا ہے"۔

پھر عبدالرحمن نے پیر صاحب کے متعلق "صاحب" کو تھوڑا سا متعارف کرایا۔ اور شکریہ ادا کر کے چلا آیا۔

کچھ عرصہ کے بعد جب عبدالرحمن صاحب گجرات لوٹے تو پیر صاحب کی خدمت میں دعا و سلام کے لئے حاضر ہوئے تو اپنی ملازمت کی بھی نوید سنائی اور تمام حالات سے آگاہ کیا۔ اور "میں وہی ہوں" کے متعلق پوچھا، "میں وہی ہوں۔ وہی حضرت آدم کی اولاد۔ جو کہ تم بھی ہو۔ آج میرا کام تمہارے اختیار میں ہے۔ کیوں نہیں کرتے آخر میں وہی ہوں"

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب یہ کہہ کر خاموش ہو گئے ۔۔۔ پھر کئی دفعہ دہرایا۔ "میں وہی

ہوں" آخر میں رسول مقبولؐ کی ایک حدیث بیان کر کے خاموشی اختیار کر لی۔

"مسلمان بھائی بھائی ہیں"

چوہدری نذیر صاحب

اس کا نام نذیر تھا حضرت پیر سید رشید الدولہ کی آبائی جاگیر، یوسف گاؤں کے قریب دوسرے گاؤں کا رہنے والا تھا۔۔۔ والدین کی مالی حالت خراب تھی مگر نذیر کو پڑھائی کا شوق تھا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ اسے گڑھی شاہدولہ گھر لے آئے۔ پاس رکھا۔ کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے کا خاص خیال رکھتے تھے۔۔۔ "وہ بھی حضرت پیر سید رشید الدولہ کا بیٹا تھا"۔۔۔ نذیر کو زمیندار کالج میں داخلہ دلایا۔۔۔ سخت سردی تھی بوندا باندی ہو رہی تھی۔۔۔ نذیر سائیکل پر گاؤں جانے کے لئے تیار ہوا۔ دریافت فرمایا "ایسی کیا مصیبت ہے کہ اس سمے گاؤں جا رہے ہو"۔ کہنے لگا "میرے پاس ایک جوڑا کپڑوں کا ہے جو کالج سے واپسی پر بھیگ گیا ہے گاؤں جا کر اور کپڑے لے آتا ہوں" حضرت پیر سید رشید الدولہ کو معلوم تھا گاؤں میں کپڑے کہاں۔۔۔ آبدیدہ ہو گئے، اندر تشریف لائے اور صاحب زادی فرخ جمشید سے فرمایا "اسے ردکیں، بازار جا کر گرم کپڑوں کا جوڑا معہ گرم چادر خرید لائیں"۔ سردی میں برستی بارش میں وہ بازار گئیں۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا "بیٹا تمہیں اچھے کپڑے کی پہچان ہے۔۔۔" چادر نذیر کو دے دی جوڑا سیا گیا جو اس نے پہنا۔

غریب بیٹے کو بارش میں گاؤں جانے کی زحمت اور اس کے والدین کو غربت کے احساس سے بچانا، حضرت پیر سید رشید الدولہ کا مقصد تھا، جو پورا ہوا۔۔۔

نذیر اب واہ کینٹ ہائی سکول میں سیکنڈ ماسٹر ہے اور اپنے اس گھر سب سے ملنے ملانے آتا رہتا ہے۔

حبیب

گجرات عید گاہ کے ساتھ سناتن دھرم ہائی سکول میں مہاجروں کا کیمپ تھا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ باہر نکلے خیال تھا کارِ ثواب میں حصہ ڈالیں۔ کیمپ سے لڑکا بالا لے آئیں جس کی مناسب پرورش تعلیم و تربیت کا اہتمام کریں۔۔۔ دیوان خانہ سے نکلے تھے ایک لڑکا سڑک سے گزرتا ملا۔ لباس پھٹا پرانا، چہرے پر محرومی کی اداس گرد جمی تھی۔ کہا "مہاجر ہوں نام حبیب ہے"۔ حبیب کا نام سنا تو

آنکھیں چھلکنے لگیں ۰۰۰ اسے والدہ صاحبہ کے پاس لائے کہا "یہ میرا بیٹا ہے۔ یہی اس کا گھر ہے"۔

۳ برس حبیب اپنے گھر رہا۔

ایک دن والدہ صاحبہ نے کہا "تمہارے بیٹے کی عادتیں اچھی نہیں چوری کرتا ہے، گھر کی چیزیں غائب ہو جاتی ہیں ۰۰۰ "حضرت پیر سید رشید الدولہ خاموش ہو گئے۔

عادت شریفہ یہ تھی کہ کتب خانہ میں کتابوں تلے کرنسی نوٹس رکھ دیا کرتے تھے پھر جب جسے ضرورت ہوتی فرماتے تھے "وہاں سے لے لو ۰۰۰"

ایک دن والدہ صاحبہ برآمدے میں جہاں کتب خانے کا دروازہ کھلتا تھا۔ مصروفِ نماز تھیں۔ کسی فردِ خانہ کو کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ جہاں چاہے چلا جائے۔ حبیب کتب خانہ سے مٹھی بند کئے باہر آیا اور پھر دوڑتا ہوا نکل گیا۔ والدہ صاحبہ کو برا لگا یہ مصلے اور نماز کی بے حرمتی تھی مگر خاموش رہیں شام کے وقت حضرت پیر سید رشید الدولہ نے مخصوص کتاب تلے سے کرنسی نوٹس غائب پائے۔ والدہ صاحبہ سے چپکے سے کہا "ایسی چوری کا واقعہ پہلے کبھی نہیں ہوا"۔ والدہ صاحبہ نے بلا کم و کاست سب کہہ سنایا ۰۰۰ رات گئے تک حبیب نہ لوٹا۔ پریشان تو سبھی تھے مگر والدہ صاحبہ سخت اصول پرست تھیں اِدھر وہ آیا اُدھر اسے سخت سست کہا پھر گھر سے چلتا کیا۔ وہ باہر دیوان خانے کے مسافر خانے میں سو گیا۔ صبح سویرے حضرت پیر سید رشید الدولہ ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کے سلسلے میں مہمان خانہ تشریف لائے اور حبیب کو وہیں سویا پڑا دیکھا نہایت پیار سے وجہ پوچھی اس کے دل میں چور تھا۔ رونے لگا۔ گڑگڑا کر معافی مانگی غلطی ہوئی آئندہ ایسا کام نہیں کروں گا ۰۰۰ معاف کر دیں۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ حبیب کو اندر لے آئے والدہ صاحبہ نے دیکھا نرم ہو گئیں۔ اسے پیار کیا سبھی خوش تھے کہ حبیب گھر آ گیا۔

مگر بُری عادتیں کہاں جاتی ہیں اس بار اس نے ہاتھ ذرا لمبا مارا۔ چھوٹی صاحبزادی فرخ جمشید سوتے وقت اپنی طلائی چوڑیاں اُتار کر سرہانے رکھ کر سو گئیں۔ حبیب نے معلوم نہیں کیسے بھانپ لیا۔ موقعہ پاتے ہی چوڑیاں لے کر رات کے اندھیرے میں کھو گیا۔

وہ دن سو آج کا دن، حبیب گھر لوٹ کر نہیں آیا۔

نسیم صبح تیری مہربانی ۰۰۰ ورنہ بسیار درد سر بود

محمد صالح صاحب

بزرگ وال گجرات کے قریب ایک گاؤں ناگڑیاں ہے محمد صالح وہیں کے رہنے والے ہیں۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ کے دیوان خانہ میں اٹھ آئے تاکہ طب کی تعلیم حاصل کریں۔ ان کا ذوق و شوق دیکھ کر انہیں دوائی خانہ میں کام پر لگایا پھر باقاعدہ تعلیم شروع کی۔ وہ گھر کے فرد بن گئے۔ تعلیم مکمل کر لی تو گاؤں ہی میں علاج معالجہ کا کام شروع کیا۔

ان کا دستور تھا جب کوئی مرض سمجھ سے باہر ہوتا تو مریض کو حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کے مطب بھیج دیتے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا خاندانی مراسم اور گہرے ہوتے گئے۔ صالح صاحب پر جب اللہ نے کرم کیا اور ان کے دو بیٹے ناروے چلے گئے اور وہاں خوب کمائی کی اور ماشاء اللہ اب تک کر رہے ہیں۔ صالح صاحب کا شمار گاؤں کے امیر اور صاحب جائداد لوگوں میں ہے۔ اور اب لالہ موسیٰ میں رہائش پذیر ہیں۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کو Right supra orbital Neuralgia کی مرض کے لئے جنرل ہسپتال لاہور میں آپریشن کروانا پڑا اور یہ کامیاب آپریشن ڈاکٹر محبوب ربانی جو کہ گجرات کے رہائشی ہیں نے کیا۔ یہ بھی ذکر کرتا چلوں کہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ہمارے خاندانی مراسم ہیں اور آج کل سرجن جنرل کے عہدے پر لاہور میں فائز ہیں۔

آپریشن کے بعد ایک روز جب کہ پیر صاحب گجرات اپنے دیوان میں چارپائی پر آرام فرما رہے تھے۔ تو ایک نوجوان خاتون نے آکر آپ کے پاؤں چھوئے اور زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ راقم کی بیگم کے پوچھنے پر اس خاتون نے بتایا کہ اس کا نام "مسرت" ہے اور حکیم صالح صاحب کی رشتے میں بھانجی ہے اور وہ کچھ اس طرح سے گریہ زاری کر رہی تھی کہ سارے اہل خانہ کی آنکھ پرنم ہو گئی۔ اور اس نے مزید بتایا کیونکہ میرے ماموں جو میرے سسر بھی ہیں انہیں جو کچھ بارگاہ الٰہی سے ملا ہے وہ پیر صاحب کی دعاؤں کا ہی نتیجہ ہے۔ اور میری شادی کے جملہ انتظامات بھی پیر صاحب کے ہی مرہون منت ہیں۔ اس لئے میری دعا ہے کہ قبلہ پیر صاحب پر اللہ تعالیٰ اپنا خاص کرم کرے اور اس مرض سے جلدی ان کو چھٹکارا حاصل ہو اور ان کا سایہ ہمیشہ ہمارے سر پر رہے۔

سائیں نظام دین صاحب عرف ترن تارن

ان کا نام نامی نظام دین تھا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے بھلے زمانہ میں انگریز بہادر کے ہاں خانسامہ کی نوکری کی تھی اور انگریزی اردو گڈمڈ کر کے بولتے تھے۔ بوٹ سوٹ پہن کر سولا ہیٹ لگاتے تھے۔ نوکری پوری ہوئی تو گجرات آ گئے۔ دیوان خانہ میں ایک دوبار انگریزی کھانے پکا کر کھلائے۔ لفظ کٹلس (Cutlets) میں نے پہلی بار ان کے منہ سے سنا۔ اور بعد میں انہوں نے ہمیں کٹلس بنا کر کھلائے مگر کیا جانئے کیسے آہستہ آہستہ تبدیلی آنے لگی۔ انگریزی لباس کی جگہ پرانے اکثر پھٹے پرانے کپڑوں نے لے لی اب ہیٹ کی بجائے بال بڑھائے داڑھی رکھ لی اور اچھے خاصے نیکوں کی صورت نکل آئی ۰۰۰ ایک دن دیکھا ایک پاؤں میں جوتی ہے دوسرا ننگا ہے۔ حافظ جی نے حیران ہو کر کہا۔ "نظام دین جی کیا ماجرا ہے؟" "ایک پاؤں کی جوتی کسی طرح استعمال میں ٹوٹ گئی۔ بیگم صاحبہ نے جھڑک کر کہا کہ تم اس قابل نہیں کہ پھر نئی جوتی خرید کر دی جائے۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ تمہیں جوتی لے کر دی تھی۔ لہذا میں نے تہیہ کیا ہے ایک ہی پاؤں میں جوتا پہنوں گا اور دوسرا پاؤں اب ننگا ہی رہے گا"۔ پس اس کے بعد ہم نے انہیں ایک ہی جوتا پہنے ہوئے دیکھا۔

سائیں باغ دین صاحب

سائیں باغ دین حضرت پیر سید رشید الدولہ کی خدمت میں آتے تھے قریب کے محلہ علی مسجد میں رہتے تھے پڑھے لکھے۔ تعلیم یافتہ نہیں تھے۔ صرف بڑے آدمیوں میں اُٹھتے بیٹھتے تھے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ سے تفسیری نکات، احادیث، حرف و حکایاتِ اولیا سنتے سناتے تھے یوں دین کی اچھی خاصی سمجھ آ گئی۔ ایک دن عرض کیا "حضرت ایک بات کہوں بڑے عرصہ سے پریشان ہوں میں نے نماز کی ادائیگی پابندی کے ساتھ ترک کر دی ہے ۰۰۰ جمعہ کے روز البتہ تیاری کرتا نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہنتا خوشبو لگا کر مسجد جاتا۔ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو عجیب بات ہے۔ اندر والا غائب پاتا ہوں۔ نماز ختم کئے بنا واپس آجاتا ہوں ۰۰۰" فرمایا "باغ علی جب آپ گھر میں نماز ادا کرتے تھے تو

بھی یہی کیفیت ہوتی تھی" کہا" گھر میں اندر والے کی غیر حاضری سے مسجد جانے لگا تھا مسجد میں بھی وہی حال ہو گیا ہے اس طرح جمعہ کو بھی وہی حال ہے۔ بہت پریشان ہوں۔۔۔" حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا۔ "باغ علی جی گھر پڑھو یا مسجد میں ساری نمازیں مع جمعہ ادا کریں۔ ایک بات یاد رکھیں کہ نماز ہر حالت میں فرض ہے۔ ایسی کیفیت ان لوگوں کی ہوتی ہے جن کی نماز نماز ہے جو بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوتے ہیں۔۔۔ اب وہاں حاضری ترک نہ کریں۔ اپنے روح اور جسم کا تعلق رکھنا ہی انسانی عظمت کی نشانی ہے۔"

باغ علی صاحب کی ایک دخترِ نیک اختر اب بھی ہمارے گھر تشریف لاتی ہیں۔ اور میری بیوی کے قدم چھو کر روتی ہیں اور پیر صاحب قبلہ کی تصویر کو بڑی حسرت کی نگاہوں سے دیکھتی رہتی ہیں۔ اور اس کا کہنا ہے کہ اکثر جمعرات کو میں پیر صاحب قبلہ کی روح کے ایصالِ ثواب کے لئے نذر و نیاز دیتی رہتی ہوں پیر صاحب کے ہم پر بڑے احسان ہیں۔ اور انہوں نے ہم پر ہر مشکل گھڑی میں ہماری رہنمائی اور خفیہ طور پر ہماری مالی اعانت بھی کی۔

سائیں مسکین علی صاحب

حضرت پیر سید رشید الدولہ کے دیوان خانہ میں سائیں مسکین علی ہوا کرتے تھے جنہیں سائیں مسکین بھی کہا جاتا تھا۔ اکثر وہیں دیکھے جاتے تھے۔ معمول تھا روزانہ کشکول لے کر مانگنے نکل جاتے تھے۔۔۔ سائیں جی ہنستے ہنساتے رہتے تھے بات بات پر یا علیؑ مدد۔ یا علیؑ مدد کا نعرہ لگاتے تھے۔ ایک کان میں "مندری" ہوتی تھی کالے رنگ کا چوغہ لمبا کرتا گھٹنوں سے نیچے پہنتے تھے۔ سبز رنگ کا صافہ کندھے پر رکھتے تھے۔ سر استرے سے منڈاتے تھا صرف ایک لمبی لٹ لٹکتی رہتی تھی گرمیوں میں ننگے پاؤں رہتے تھے سردیوں میں کوئی چپل اٹکا لیتے تھے۔ رات کا کھانا دیوان خانہ میں کھاتے تھے وہیں شب بسری کرتے تھے صبح لسّی دیوان خانہ سے پیتے تھے۔۔۔ دوپہر کے کھانے کے بعد مانگنے نہیں جاتے تھے۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ کبھی کبھی دریافت فرماتے "مسکین علی کیا کھانا پسند کریں گے۔ کہتے تھے "گڑ والا حلوہ، سرکار۔۔۔" ان کے لئے گڑ کا حلوہ تیار کرایا جاتا تھا۔۔۔

لاہور تعلیم کے سلسلہ میں جانے سے پہلے مسکین علی شاہ کو ڈیرے پر دیکھا پھر ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔

آٹا بنی

نام نامی ان کا میاں احمد حسین تھا۔ سب چھوٹے بڑے، اندرون خانہ، ساری بہو بیٹیاں انہیں چچاجی کہتی تھیں۔ میاں احمد حسین، حافظ جی اور پیر سید رشید الدولہ صاحب کے خاص دوستوں میں تھے اور دیوان خانہ میں ہی رہتے تھے۔ عرسوں، میلوں ٹھیلوں، اور مزاروں کی زیارت کے لئے اکٹھے جاتے تھے۔

فضل اور چچا احمد حسین کے علاوہ تیسرے مرزا قدیر تھے۔ یہ بھی حافظ جی اور پیر سید رشید الدولہ صاحب کے قریبی دوستوں میں تھے۔ ان سے بھی گھر سے پردہ نہیں تھا۔

ان سب دوستوں کے دوست ایک اور تھے جنہیں چچاجی کے علاوہ "آٹا بنی" کہتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے پوچھا "چچاجی کو "آٹا بنی" کیوں کہتے ہیں"۔ فرمایا "اس لئے کہ وہ آٹا کے بنی ہیں"۔ جس سے بات پلے نہ پڑی۔

آٹا بنی جی کا ایک گدھا تھا۔ جسے وہ ساتھ لئے گلی گلی محلہ محلہ گھومتے تھے۔ چھوٹا قد، مضبوط جسم، سفید ریش بزرگ تھے۔ صرف آٹا مانگتے تھے اور کوئی خاص ڈھگ ہی آتا ہوگا کہ شام کو جب واپس آتے تو گدھا آٹے سے لدا پھندا ہوتا۔ گدھے کو آٹے سے لدا ہوا جدا باندھ دیتے تھے۔ اور خود چارپائی پر تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد گدھا کھولتے اور آٹا بیچنے نکل جاتے اور واپسی کا سفر گدھے پر کرتے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ کو ان سے ربطِ خاص تھا۔ راقم نے کئی بار دیکھا کہ آٹا بنی لیٹے ہیں اور پیر سید رشید الدولہ صاحب ان کا بدن دبا رہے ہیں۔ ۱۹۴۵ء میں راقم جب مزید تعلیم کے لئے لاہور گیا تو اس کے بعد آٹا بنی جی کی خیر خیریت کی کوئی خبر نہ ملی۔

شیخ صاحب

سبھی انہیں شیخ صاحب کہتے تھے کوئی نام نہیں لیتا تھا۔ اس لئے نام معلوم نہیں شاید کوئی بھی نہ جانتا ہو بوڑھے تھے ستر برس کے قریب ان کی عمر ہوگی احمد کٹ داڑھی، بڑی مونچھیں، سر پر جھالر نما گنج تھا۔ دیوان خانہ ہیں رہتے تھے باہر نہیں جاتے تھے حضرت پیر سید رشید الدولہ ان کے کھانے پینے کا بہت خیال رکھتے تھے۔ کھانا البتہ ان کی مرضی کا نہ ہوتا تو رعب کے ساتھ پلیٹ پٹک دیتے تھے اس پر ہمیشہ حضرت پیر سید رشید الدولہ رحمے سے ہنس کر کہتے "جاؤ چوک شاہدولہ سے سری پائے، مغز یا تیخ

کباب لے آؤ"۔ یہی شیخ صاحب کی مرغوب غذا تھی۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ عرض بھی کرتے کہ شیخ صاحب جو پسندِ خاطر ہو بتلا دیا کریں تا کہ وہی پکے۔ کہا "ہم موجی آدمی ہیں ہمیں کیا پتہ کب کیا پسند کریں گے"۔

شیخ صاحب بیمار رہنے لگے حضرت پیر سید رشید الدولہ نے خود علاج کیا۔ پھر ڈاکٹر حیات سے مشورہ کیا بعد ازاں حضرت پیر سید رشید الدولہ نے سول ہسپتال میں (لالہ کیدار ناتھ کے محل کے قریب) داخل کرانے کی سوچی۔ شیخ صاحب نے آزردہ ہو کر کہا "میں نے ساری عمر اسی در پر گزاری ہے مرنے کے لئے مجھے کہیں اور نہ بھیجو۔ یہیں سکون سے مرنے دو۔۔۔" اسی رات شیخ صاحب کا انتقال ہو گیا۔ پیر صاحب نے شیخ صاحب کی خواہش کے مطابق جس کا اظہار اکثر کیا کرتے تھے۔ بلی کنجری (جو مہاراجہ جموں و کشمیر کی درباری گائیکہ تھی) کے باغ کے ساتھ والے قبرستان میں سپرد خاک کیا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ کو بہت صدمہ ہوا اور۔۔۔ پھر اس کا اظہار بھی گاہے بگاہے کرنے لگے۔

بڑے عرصہ بعد معلوم ہوا کہ شیخ صاحب مرحوم آغا صاحب کے ملنے ملانے والوں میں تھے مال جائیداد والے صاحب حیثیت تھے مگر سب کچھ لٹا دیا غربت نے آن گھیرا تو آغا صاحب کے دیوان خانہ اٹھ آئے۔ اور باقی عمر وہیں بسر کر دی۔۔۔ آغا صاحب کے انتقال کے بعد حضرت پیر سید رشید الدولہ کم عمر ہی تھے مگر انہیں معلوم تھا بڑوں کے دوستوں کو کیسے بٹھاتے ہیں۔ اس کے لئے جس ہمت حوصلہ کی ضرورت ہے حضرت پیر سید رشید الدولہ میں بدرجہ اُتم موجود تھی۔ قارئین کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ اس وقت استاد اکبر چھولیاں والا مشہور باورچی تھا۔ اُسے سری پائے بنانے میں ید طولٰے حاصل تھا۔ اس کے مقابلے میں کئی لوگوں نے قسمت آزمائی کی لیکن کسی کا چراغ نہ جل سکا۔

رحمت عرف رحما

رحما اصلی نام رحمت تھا۔ نے حضرت پیر سید رشید الدولہ اور حافظ جی کے ساتھ ہی اسی گھر میں پرورش پائی تھی۔ بھائی چارے کی فضا میں پلنے کی وجہ سے وہ بھی وہ گھر کا فرد بن گیا تھا سب سے بے تکلف تھا۔ چھوٹوں کو ڈانٹتا، حکم چلاتا اور کام لیتا تھا۔

رحما سخت بیمار ہوا۔ بچنے کی امید نہ رہی خاندانی ڈاکٹر محمد حیات مرحوم نے جواب دے دیا۔ صرف یہ

کہا "اس کی کوئی آخری خواہش ہے تو اسے پوری کر دیں"۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے دریافت کیا "رحمے کوئی خواہش"۔ کہا "ساری عمر دیسی شراب پی ہے۔ ولائتی لا دیں۔"

حضرت پیر سید رشید الدولہ حقہ سگریٹ پیتے تھے نہ کچھ اور مگر گھر آئے مہمانوں کو حقہ بھر دیتے تھے۔ ہر قسم کے سگریٹ رکھتے تھے اور جو سگریٹ ا نگتا تھا دے دیتے تھے۔

رحمہ بہت بیمار تھا اس میں اب بستر سے اٹھ بیٹھنے کی سکت بھی نہیں تھی۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ کراہت کے بنا، آلائش تک اس کے بستر سے دھوتے تھے کسی دوسرے سے نہ کہتے تھے نہ کسی کو کرنے دیتے تھے شاید کراہت محسوس کرے۔

ولائتی شراب کی خواہش کے پیش نظر حضرت پیر سید رشید الدولہ خود ٹھیکہ پر تشریف لے گئے شراب لائے اور اسے دے دی چند گھونٹ لے کر وہ ۔۔۔ دور دیس سدھارا۔

محمد دین

محمد دین ہمیں کھلاتا پلاتا تھا اسے والدہ صاحبہ سے جو حضرت پیر سید رشید الدولہ کی بڑی بہن تھیں بڑی عقیدت تھی اور ہم سبھوں سے بہت محبت ۔۔ اپنی دیکھ بھال اسی کے ذمہ تھی۔

محمد دین غریب والدین کا بیٹا تھا جو اسے حضرت پیر سید رشید الدولہ کے آستانہ پر چھوڑ گئے اور یہیں اس کی پرورش ہوئی ۔۔۔ جوانی میں اس کی شادی حضرت پیر سید رشید الدولہ نے کرائی اور اس کی ڈولی گھر لائے ۔۔۔ محمد دین پھر بیوی لے کر اپنے گاؤں سدھارا مگر گاہے گاہے "اپنے گھر" آتا رہتا تھا۔

محمد دین فوت ہو گیا اس کے بیوی بچوں سے رابطہ نہیں رہا نہ وہ "اپنے گھر" اب کبھی آئے ہیں۔

اللہ رکھی

اللہ رکھی کی تین بہنیں اور تھیں برکت، فضلاں اور عشرت ۔۔۔ سب نے اسی گھر میں پرورش پائی۔ والدہ اندھی تھی وہ بھی ساتھ رہتی تھی باپ جسے سب بابا بڈھا کہتے تھے گجرات کے قریب ایک گاؤں نُور پور میں رہتا تھا۔

ان سب کی شادیاں حضرت پیر سید رشید الدولہ نے کیں۔ سب کی باراتیں گھر آئیں جہاں سے انہیں رخصت فرمایا۔

فضلاں جہلم میں پوتے پوتیاں والی ہے۔ اور شاد آباد ہے۔

برکت شادی کے بعد کراچی چلی گئیں۔

اللہ رکھی بچوں سمیت حافظ آباد کے گاؤں راگھو میں رہتی ہے۔

اس کی ایک اور بہن تھی جو اس وقت کم سن تھی وہ اللہ رکھی کے ساتھ چلی گئی معلوم نہیں کہاں ہے۔ کہاں بیاہی گئی ہے۔۔۔ مگر ان کا "اپنے گھر" سے ناتا ہے اور وہ سب گھر آتی جاتی رہتی ہیں۔

بابا بڈھا بیمار ہوا حضرت پیر سید رشید الدولہ نے بہ نفس نفیس اس کا علاج معالجہ فرمایا اور جب قضائے الٰہی سے بابا بڈھا فوت ہوا حضرت پیر سید رشید الدولہ نے کفن دفن کا انتظام فرمایا۔ گاؤں والوں نے کہا "کاش حضرت پیر سید رشید الدولہ ہمیں بھی یونہی دار فانی سے رخصت فرمائیں" آمین۔

ریاض احمد صاحب

ریاض احمد صاحب کو عام طور پر بھائی ریاض کہا جاتا ہے اور یوں تو قصبہ ہیلاں کے رہنے والے ہیں مگر ایک عرصے سے گجرات شہر میں مکین ہیں اور یہاں ہی دیسی گھی کا تھوک اور پرچون کا کاروبار کرتے ہیں۔

بھائی ریاض اپنی بھاری بھرکم شخصیت کے ساتھ ساتھ موقعہ کی نزاکت اور پُر اثر گفتگو سے محفل پر چھانے کے ہنر سے بھی آشنا ہیں ان کی شخصیت کا نمایاں پہلو ان کی حق گوئی اور سچ بات پر کٹ مرنا ہے۔ بالخصوص کسی غریب اور بے یار و مددگار انسان کی مدد کے لئے بڑی سے بڑی شخصیت سے ٹکرا جانا ان کے لئے کوئی بڑی بات نہیں۔

یوں تو ان گنت ایسے واقعات ہیں کہ انہوں نے تنہا، ناآشنا مگر سچے لوگوں کی مدد کے لئے اکیلے ہی سر پر کفن باندھ کر اپنے آپ کو آتشِ نمرود میں جھونک دیا مگر طوالت سے بچنے کے لئے یہاں ایک ہی واقع پیش کرتا ہوں۔ تھوڑا عرصہ پہلے کی بات ہے کہ مسلم بازار میں ایک شریف النفس اور حلیم الطبع دوکاندار کی شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے۔ چند غنڈے جن کی سرپرستی ایک بدنام زمانہ سیاسی قبضہ گروپ کر رہا تھا۔ دوکان پر قبضہ کرنے کو آ گئے۔ جان سے مار دینے کی دھمکیوں کے ساتھ باقاعدہ دوکان کا سامان اٹھا کر باہر پھینکنا شروع کر دیا۔ ان کی دہشت اس قدر تھی کہ بھرے بازار میں کسی نے ان کا ہاتھ نہ روکا۔ بھائی ریاض جو نزدیک کسی یار دوست کی دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ شور و غل سن کر

جائے وقوع پر پہنچے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ بیچارہ دو کاندار ان "کن ٹٹوں" کے آگے ہاتھ جوڑ رہا ہے۔ منت سماجت اور خدا اور رسول کا واسطہ دے رہا ہے۔ مگر ان غنڈوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگ رہی۔ وہ بلا خوف و خطر سامان باہر پھینکنے میں مصروف ہیں اور لوگ ہیں کہ بس تماشا دیکھ رہے ہیں۔ بھائی ریاض سے اس بھلے مانس دو کاندار کی یہ درگت دیکھی نہ گئی۔ تن بدن کو آگ لگ گئی۔ سر پر منڈاسا باندھا اور نعرہ حیدری لگا کر میدان میں کود پڑے۔ ایک دو کن ٹٹوں کو جو گدی سے پکڑا اور اٹھا کر دو کان سے باہر پھینکا تو باقی عناصر نے بھاگنے میں ہی عافیت جانی۔ بھائی ریاض کی اس دلیری سے اس بیچارے کی جان و مال اور دکان محفوظ ہوئی۔

بھائی ریاض کی حق گوئی اور معاملہ فہمی کی شہرت دور دور تک ہے۔ اور لوگ قرب و جوار سے اپنے مسائل کے حل کے لئے اور خصوصاً **"برھیا"** میں اپنی طرف سے نمائندگی کے لئے درخواست کرتے ہیں۔ بھائی ریاض نے کسی سائل کو کبھی مایوس نہیں کیا۔ اور نہ ہی دور و نزدیک کا کبھی بہانہ بنایا۔ خلوصِ دل سے اور اپنی جیب سے پیسے خرچ کر کے لوگوں کی خدمت کی ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اسے اس نیکی کا اجر یہاں بھی اور اگلے جہاں میں بھی دے گا۔

بھائی ریاض کی حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب سے یاد اللہ کافی مدت سے ہے اور دیوان خانہ کی روزمرہ کی مجالس میں اکثر و بیشتر حاضر ہوتے اور یوں بھی بھائی ریاض خاکسار تنظیم سے وابستہ تھے اور حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب سالارِ مندوب تھے تو اس تعلقِ لطیف کی بنا پر بھی تعلقات میں بڑی گرم جوشی تھی۔ اور بھائی ریاض کی یہ شدید خواہش تھی کہ میں کسی طرح پیر صاحب کے کسی کام آسکوں۔ ویسے بھی حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کے دیوان خانے میں قرآن و حدیث پر بھی درس دیا جاتا تھا۔ جسے بھائی ریاض بڑے ذوق و شوق سے سنتے اور کوشش کرتے کسی دوست کو ہمراہ لائیں تاکہ اس کی دین اور دنیا بھی سنور جائے۔

اس طرح ان کے ساتھ ایک دفعہ ایک شخص مولوی کرم الٰہی صاحب تشریف لائے اور پھر وہ یہی کے ہو کر رہ گئے۔ علمی تشنگی نے انہیں کہیں کا نہ چھوڑا۔ نان و نفقہ کے لئے اگرچہ وہ کھڈی پر کپڑا بننے کا کام کرتے مگر علم دوستی اور علم نوازی کے لئے وہ کوئی نہ کوئی وقت نکال لیتے اور حکیم سید رشید الدولہ صاحب کے دیوان خانہ میں مذہبی اور ادبی محفلوں میں ضرور حاضر ہوتے۔

مولوی کرم الٰہی صاحب اپنے فنِ بافندگی سے پہلے کون سے ایسے خوشحال تھے کہ بہن کی بیوگی نے

اضافی مالی بوجھ ڈال دیا اور تنگ دستی نے گھر کا دروازہ دیکھ لیا۔ مگر اس مردِ خدا کی پیشانی پر کوئی بل نہ پڑا۔ چنانچہ انہوں نے معمول بنالیا کہ دن کے وقت جو مزدوری کریں گے اس سے اپنی بہن کی مالی امداد کریں گے اور رات کو مزدوری کر کے اپنے لئے نانِ جویں حاصل کریں گے۔ قہرِ درویش برجانِ درویش۔ اور یونہی عمر بتادی۔

ان مصائب اور آلام کے باوجود اپنی عسکری خاکسار تنظیم کے لئے وقت نکال لیتے اور ہاں وہ تحصیل پھالیہ کی تنظیم کے سالار بھی تھے۔ ۱۹۴۲ء میں جب بنگال میں قحط پڑا تو علامہ عنایت اللہ خان المشرقی نے خاکساروں کا بنگال میں قحط زدہ لوگوں کی خدمت کے لئے کیمپ لگایا۔ تو مولوی کرم الٰہی صاحب قلیل زادِ راہ کے ساتھ پاپیادہ سالار کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بنگال پہنچ گئے۔ اس طرح جب ۱۹۴۷ء کے اوائل میں جب خاکسار تنظیم نے دہلی میں کیمپ لگایا تو بھی اطاعتِ امیر میں پیدل دہلی روانہ ہوئے۔

مفلسی اور وقت کی کمیابی کے باوجود ادب سے بھی دلچسپی قائم رکھی۔ میاں محمد بخشؒ صاحب کی شہرہ آفاق مثنوی سیف الملوک کا نثر میں ترجمہ کیا۔ مگر وسائل کی کمی کی وجہ سے اسے چھپوا نہ سکے۔ مگر الحمدللہ وہ نسخہ ابھی تک محفوظ ہے اور کسی محفوظ ہاتھوں میں جانے کا منتظر ہے۔

بشیر احمد صاحب

ایک صاحب جن کا نام بشیر احمد ہے۔ اب کوئی ستر برس کے لگ بھگ ہیں۔ جب ان کی عمر کوئی بیس سال کی ہوگی کہ وہ پیر صاحب کے دیوان خانے میں آنے جانے لگے۔

اسی دور میں حکیم صاحب کے ایک عقیدت مند شاہ محمد ہوا کرتے تھے۔ جو گجرات کے ایک نواحی گاؤں مزار پور کے رہنے والے تھے۔ اکثر پیر صاحب کے پاس دیوان خانے میں آیا کرتے تھے۔ انہی ایام میں پیر صاحب نے محسوس کیا کہ شاہ محمد صاحب کچھ کہنا چاہتے ہیں مگر کہہ نہیں پاتے۔ شاید ہمت حوصلہ نہ پا رہے ہوں۔ بہر حال ایک دن شاہ محمد صاحب نے جرأت رندانہ سے کام لیتے ہوئے حرفِ مطلب زبان پر لائے۔ پیر صاحب ایک مخلص اور جہاں دیدہ انسان تھے۔ شاہ محمد صاحب کے دکھ کو سمجھ گئے۔ اور پیر صاحب نے بشیر صاحب کی شادی ان کی بیٹی سے کرادی۔ بارات بھی دیوان خانے سے نکلی اور دلہن کی ڈولی بھی دیوان خانے میں آئی۔ اس طرح پیر صاحب نے شادی کے تمام تر اخراجات

بھی اپنی جیب خاص سے کئے۔

کچھ عرصہ تو بشیر صاحب اور ان کی بیگم دیوان خانے میں رہے جہاں ان کی تمام ضروریات کا خاص خیال رکھا گیا۔ پھر بشیر صاحب کے والدین، بہو بیٹے کو اپنے گھر جو دیوان خانے سے قریب ہی تھا لے گئے۔ بشیر صاحب کے ابھی دو چھوٹے چھوٹے بیٹے تھے کہ ایک دفعہ ماں باپ سے کسی بات پر اختلاف ہو گیا۔ اور دوبارہ اہل و عیال کے ساتھ دیوان خانے واپس آ گئے۔ کچھ عرصہ رہنے کے بعد پیر صاحب کے ایک ملنے والے نے بشیر صاحب کو دیوان خانے کے قریب ایک مکان کرائے پر لے دیا جس کا کرایہ پیر صاحب ادا کیا کرتے تھے۔ دن کے وقت تو وہ تمام خاندان دیوان خانے میں رہتا۔ کھانا، پینا اور شام سونے کے لئے گھر چلے جاتے۔

چند ہفتوں کے بعد بشیر صاحب نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ نواب شاہ، سندھ جانے کا ارادہ کیا۔ جہاں ان کے ماموں پولیس میں ملازم تھے۔ پیر صاحب نے زادِ راہ دیا اور پیار سے رخصت کرتے ہوئے تاکید کی کہ تمہاری بیوی میری بیٹی ہے اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دینا۔ وہاں سندھ میں بشیر صاحب کے ماموں نے بشیر کو بھی پولیس میں بھرتی کروا دیا۔ وہاں بشیر صاحب کے دو اور بیٹے اور ایک بیٹی ہوئی۔ کچھ عرصے کے بعد بشیر صاحب کی بیگم چیچک کی وجہ سے فوت ہو گئی۔

بشیر صاحب دوبارہ اپنے چار بیٹوں اور ایک بیٹی کو لے کر پیر صاحب کے دیوان پر آ گئے۔ اور یہاں ہی رہنا شروع کر دیا۔

پیر صاحب نے سڑک پر واقع اپنی دو دوکانوں میں سے ایک دوکان بشیر کو دے دی کیونکہ وہ ہوٹل کا کاروبار کرنا چاہتا تھا۔ پیر صاحب نے اس سلسلے میں بھی مدد فرمائی اور ہوٹل کا سارا مال بھی خرید دیا۔

مراڑ پور کی ایک لڑکی جو بشیر صاحب کی مرحوم بیوی کی رشتہ دار تھی نے بشیر صاحب سے علیک سلیک پیدا کر لی اور گاہے بگاہے ہوٹل پر آنے لگی۔ بس پھر کیا تھا آگ دونوں طرف بھڑک اُٹھی۔۔۔ ایک روز پیر صاحب کو بتائے بغیر بشیر صاحب اس عورت اور اپنے بچوں کو لے کر کوئٹہ چلے گئے۔ کہتے ہیں بشیر صاحب نے کوئٹہ میں اسی عورت سے نکاح پڑھوا لیا وہاں اس عورت کے بطن سے دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی جو زیادہ دن زندہ نہ رہ سکی۔ یہ بیوی بھی کوئٹہ میں اپنڈیکس (appendecitis) کی وجہ سے راہیٔ ملکِ عدم ہوئی۔

پیر صاحب بشیر کے اچانک غائب ہونے سے بڑے پریشان تھے۔ جب شاہ محمد صاحب دیوان خانہ حسبِ عادت آئے تو انہوں نے راز فاش کیا۔ کہ بشیر تو مراڑ پور ک ایک لڑکی کو بھگا کر لے گیا ہے۔ بس پیر صاحب نے یہ وحشت اثر خبر سُنی تھی کہ بے اختیار رونا شروع کیا کہ پردیس میں کسی کی بیٹی پر کیا گزر رہی ہو گی۔ ویسے بھی پیر صاحب کو بشیر کے اچانک غائب ہونے کا دکھ تھا۔ کیونکہ وہ تو ان کے گھر کا ایک فرد تھا۔ قدرت کے کھیل دیکھیئے کوئٹہ میں ایک ایکسیڈنٹ میں بشیر صاحب کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اور بشیر صاحب اپنے بچوں کے ہمراہ لاٹھی کا سہارا لیتے ہوئے پیر صاحب کے دیوان میں واپس لوٹے۔ ان کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر پیر صاحب آبدیدہ ہو گئے اور کہنے لگے " یہ سب تمہاری بد اعمالیوں کی سزا ہے۔ کسی کی بیٹی کو ورغلا کر جو لے گئے تھے" بشیر صاحب بھی چند دن اپنی حالت پر نوحہ کناں رہے۔ اور پیر صاحب کو اپنی داستانِ حسرت سنا سنا کر رلاتے رہے۔

بشیر صاحب کی ٹانگ کا باقاعدہ مستند ڈاکٹر سے علاج کرایا گیا اور وہ خدا کے فضل سے جلد صحت یاب ہو گئے۔ وقت گزر تا گیا بشیر صاحب کے بیٹے سن بلوغت کو پہنچے۔ پیر صاحب تو اللہ کو پیارے ہو گے۔ مگر اس دوران بشیر صاحب کا کاروبار خوب چمکا اور اب اچھے آسودہ حال ہیں۔ پہلے تو پیر صاحب کی وفات کے بعد بشیر صاحب دیوان خانے میں اکثر آتے جاتے رہتے تھے۔ مگر اب تو وہ جیسے راستہ ہی بھول گئے ہوں۔ کبھی کبھی راقم اور بیگم صاحبہ کو منہ دکھانے آ جاتے ہیں۔ ستم ظریفی دیکھیئے بشیر صاحب کی رہائش دیوان خانے سے چند قدم کے فاصلے پر ہے۔

پوشیدہ ہیں زمانے کی نظر سے

پوچھ اس سے کہ مقبول ہے فطرت کی گواہی
تُو صاحبِ منزل ہے کہ بھٹکا ہوا راہی
کافر ہے مسلماں تو نہ شاہی نہ فقیری
مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی

۱۔ سائیں کانواں والی سرکار

۲۔ سائیں رحمت صاحب

۳۔ سائیں چُپ صاحب

۴۔ سائیں شریف صاحب

۵۔ علمِ دین

۶۔ ایک درویش

۷۔ شاہ جی

۸۔ بی بی جی

۹۔ جو مرضی سرکار

۱۰۔ دارو چوہی

سائیں کرم الٰہیؒ المعروف کانواں والی سرکار

آپ کا اسم مبارک کرم الٰہی ہے۔ جو آپ کے والد مہر غلام محمد صاحب نے آپ کی پیدائش پر رکھا۔ آپ نے ۲ اپریل ۱۸۳۸ء کو بی بی بھولاں صاحبہ کے بطن سے محلہ اندرون کانیاں والی میں جنم لیا۔ آپ کی وفات پانچ بجے شام ۲۲ صفر ۱۳۴۹ھ کو ہوئی۔ جو دیسی مہینے ساون کی پانچ تاریخ اور اتوار کا دن تھا۔ وصال کے وقت آپ کی عمر ۹۰ سال تھی۔ آپ ۳ بھائی تھے۔ دو بھائی نظام دین اور فضل دین صاحب آپ سے عمر میں بڑے تھے۔ آپ کا تعلق پنجاب کی مشہور قوم آرائیں سے تھا۔

آپ سائیں کانواں والی سرکار کے نام سے مشہور ہوئے۔ کیونکہ آپ کو کوؤں سے بہت پیار تھا۔ لوگ باگ جو بھی نذر و نیاز آپ کی خدمت میں پیش کرتے۔ آپ سرکار کوؤں کے آگے ڈال دیتے۔ اور کبھی کبھی اگر کسی پر نظرِ عنائیت فرماتے تو اسے بھی اس نذر سے کچھ دے دیتے۔

ابتدائی حالات

آپ کے منجھلے بھائی مہر فضل دین صاحب کا کہنا ہے کہ صبح صادق کے وقت جب آپ کی ولادت ہوئی تو ایک نورانی روشنی نے کمرہ کا احاطہ کر لیا۔ کمرہ میں موجود ہر چیز جگمگا اٹھی۔ شروع ہی سے آپ اپنی خوراک یعنی دودھ وغیرہ سے بے نیاز تھے۔ کبھی دودھ پی لیا۔ کبھی نہ پیا۔ اسی طرح بڑا ہونے پر کھانے دانے سے بھی آپ کی کوئی رغبت نہ تھی۔ جب آپ ہوش و تمیز کی عمر کو پہنچے تو آپ کو حسبِ دستور قرآنِ پاک پڑھنے کے لئے اس وقت کے مشہور سالک میاں نتھا صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا۔ جو ان دنوں دربار چشتی بادشاہ کے مجاور تھے۔ اور شہر بھر کے بچے آپ سے قرآنی تعلیم حاصل کرنے حاضر خدمت ہوتے۔ یوں تو ہر شخص آپ (میاں نتھا صاحب) کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا تھا۔ مگر آپ اپنے شاگردِ رشید کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ نے چند دنوں میں باطن کی نظر سے اپنے اس گوہرِ تابدار کی خفیہ صلاحیتوں کو دیکھ لیا تھا۔ اور اپنے اس شاگردِ عزیز کے قرب کو اپنے لئے خوش بختی تصور کرتے تھے۔

حالاتِ زندگی

سائیں کرم الٰہیؒ کے آباؤ اجداد کا پیشہ کھیتی باڑی تھا اور آپ کے خاندان کی زمین کوئی ڈیڑھ کلو میٹر دور شہر سے شمال کی جانب تھی۔ آپ جب کبھی والد صاحب کی معاونت کے لئے ہل وغیرہ چلاتے تو آپ کے استادِ محترم میاں ننھا صاحب کو شہر میں کشف کے ذریعے علم ہو جاتا۔ اور وہ فوراً آپ کے پاس زمینوں پر پہنچ جاتے۔ آپ کو کسی درخت کی گھنی چھاؤں میں بیٹھا کر خود ہل چلاتے اور وہ مطلوبہ کام ختم کر کے گھر لوٹتے۔ جب آپ کے والد مہر غلام محمد نے دیکھا کہ شہر کا برگزیدہ سالک میرے بیٹے کی اتنی عزت کرتا ہے تو انہوں نے خود بھی اور اپنے سارے عزیز واقارب کو آپ سے کام لینے کی سختی سے ممانعت کر دی۔۔۔ آپ خود کبھی کبھی ہل وغیرہ چلاتے اور گائے بھینسوں کے لئے چارہ کاٹتے تھے۔

آپ کا شروع سے نماز اور روزے کی طرف رجحان تھا۔ آپ کے عزیز دن بھر کھیتی باڑی کرنے کے بعد جب شام کو مال ڈنگر لے کر شہر چلے آتے تو آپ وہاں کنوئیں پر ہی رہ جاتے اور ساری ساری رات عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے۔ آپ کے کنوئیں کے نزدیک تقریباً ۸ کنال زمین ایسی تھی جو قابل کاشت نہ تھی۔ وہاں جنگلی کیکروں کی بہتات تھی۔ اس لئے اس قطعہ اراضی کو جھنگی کہتے تھے۔ آپ چونکہ اکثر و بیشتر اس بے آباد جھنگی میں بیٹھ کر حمد و ثنا میں مشغول رہتے تھے۔ اس لئے آپ کو کچھ لوگ جھنگی والی سرکار بھی کہتے ہیں۔ اور یہی جھنگی کوؤں کا بھی مسکن تھا۔۔ جو ہر وقت آپ کے ارد گرد بیٹھے رہتے۔

سائیں کرم الٰہیؒ کی طبیعت میں درویشوں اور فقیروں کے لئے بڑا میلان تھا۔ آپ ان کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے چنانچہ یہ میلان ایک دن رنگ لایا اور آپ کی ملاقات ایک مرد کامل سے ہوئی اس وقت آپ کی عمر صرف سولہ سال تھی۔

اس مرشدِ کامل کا نام سید امام شاہ ہے اور جن کا مزار جمن پٹھنڈالہ گجرات میں مرجع خلائق خاص و عام ہے۔ اُن کا سلسلۂ طریقت قادریہ رزاقیہ تھا اور اُن کے ماتحت ۳۶۰ (تین سو ساٹھ) اولیاء کرام تھے۔ سائیں کرم الٰہی صاحب اُن کے بیعت ہوئے تو وہ تمام اولیا کرام آپ کے ماتحت ہو گئے۔ اُسی مرشد نے آپ کو خوشخبری سنائی کہ آپ کو مزید فیوضِ ربانی حاصل کرنے کے لئے دہلی کا سفر اختیار کرنا

ہو گا۔ آپ نے مُرشد کے حکم کے مطابق دہلی کا پیدل سفر کیا اور دہلی پہنچنے پر اس درویش نے خود آپ کی پذیرائی کی اور ہدایت فرمائی کہ آپ کو ابھی سفر جاری رکھنا ہے۔

اور "سرکارِ خاص" کے پاس کشمیر حاضر ہونا ہے۔ جہاں آپ کو نوازا جائے گا۔ چنانچہ کعبہِ مقصود پر پہنچنے کے لئے آپ نے ایک دفعہ پھر سفر اختیار کیا اگرچہ راستہ دشوار تھا مگر من کی لگن کب ان کو خاطر میں لانے والی تھی۔ "سرکارِ خاص" کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ پہلے ہی دو دنوں سے آپ کے منتظر تھے۔ "دعا اور توجہ" سے سرفراز فرمایا اور سرکار کی ایک ہی نظر میں آپ کا قلب منور ہو گیا۔ اور چند روز کے مزید مجاہدے سے آپ قطب الاقطاب کے مقامِ جلیلہ پر فائز ہو گئے ۰۰۰ بلکہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے حضوری بھی عطا ہوئی ۰۰۰ چند دنوں کے بعد کشمیر والی سرکارِ خاص نے آپ کو گوجر خان کے نزدیک ترکی والے زیرِ تعمیر پل پر پہنچنے کی ہدایت فرمائی۔ آپ نے فوراً گوجر خان کی راہ لی اور پل پر پہنچ کر دم لیا ۰۰۰ چند دن آپ نے دوسرے مزدوروں کے ساتھ مل کر پل کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لیکن ایک دن ایسا ہوا کہ دفعتاً پل کے ٹھیکیدار پیر بخش جو منگوال ضلع گجرات کا رہنے والا تھا کی نظر ایک مزدور پر پڑی۔ دیکھتا کیا ہے کہ مٹی سے بھری ٹوکری اُس مزدور کے سر سے کوئی بالشت بھر اونچی ہوا میں معلق ہے یہ مزدور آپ سرکار تھے ٹھیکیدار فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آج سے آپ مزدوروں کے ساتھ کام نہیں کریں گے بلکہ آپ صرف یہاں دیکھ بھال کریں گے۔ مزید خوشنودی حاصل کرنے کے عرض کی کہ آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو آپ حکم کریں ۰۰۰ لیکن آپ تو فنافی اللہ تھے آپ کو کیا حاجت ہو سکتی تھی ۰۰۰ ویسے بھی آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے آپ اکثر خشک آٹا پھانک لیتے اور کبھی پانی میں گھول کر پی لیتے تھے آپ نے اس ٹھیکیدار کی کسی چکنی چپڑی بات پر کان نہ دھرے۔ اپنے حال میں مست رہے۔ لیکن ایک دن ٹھیکیدار جو آتشک جیسی موذی مرض میں مبتلا تھا اور کافی علاج معالجہ کرانے کے باوجود اس مرض سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکا۔ نے موقع دیکھتے ہوئے آپ سے اس مرض کا ذکر کیا۔ آپ نے سرخ مرچ پانی میں گھول کر دی اور حکم کیا "فوراً پی جاؤ"۔ اِدھر محلول حلق سے نیچے اُترا۔ اُدھر مرض یہ جا وہ جا ۰۰۰ بس پھر کیا تھا۔ ٹھیکیدار آپ کے آگے پیچھے ہونے لگا۔ اور ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر کسی حکم کے لئے منتظر رہنے لگا۔ سائیں کرم الٰہی صاحب نے جب یہ حال دیکھا کہ راز فاش ہو گیا ہے۔ تو آپ نے اپنی مزدوری کی اجرت بھی چھوڑی اور چپکے سے وہاں سے بھاگ دوڑے۔ سیدھے

اپنے مرشد کے حضور حاضر ہوئے مرشد نے نگاہِ باطن سے دیکھا کہ سونا کندن ہو گیا ہے اور معیار پر پورا اُترتا ہے تو انہوں نے چند دن کے بعد جھنگی اپنی زمینوں پر جانے کو کہا۔

اُس وقت آپ کی عمر کو ۲۵ سال کے قریب تھی۔ جب آپ نے جھنگی ڈیرہ لگایا۔ صرف شہر گجرات ہی کیا دور دراز سے لوگ باگ آپ کی زیارت کو آنے لگے۔ ہر وقت اس ویرانہ میں میلہ سا لگا رہتا۔ خاص و عام اپنی درخواست پیش کرنے کے لئے نذر و نیاز کے ساتھ حاضر ہوتے اور اپنے من کی مرادیں پاتے۔

حضرت کرم الٰہی صاحب کبھی تو سرکنڈوں کو تسبیح کے دانوں کی طرح استعمال کرنے میں مشغول کبھی عشقِ الٰہی میں ہوش کھوئے ہوئے مجذوبانہ حالت میں مست الست ہوتے آپ کا لباس بڑا ہی مختصر یعنی آپ سرکار صرف ایک لنگوٹی پر اکتفا کرتے۔ کچھ لوگوں کو آپ کی اس ستر پوشی پر اعتراض ہے۔ مجھے آج یہاں اُن کج فہم لوگوں کی خدمت میں عرض کرنا ہے ع شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات۔ راہِ حق کے متلاشی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک سالک جو ہوش و حواس میں رہ کر مالک حقیقی کی عبادت کرتے ہیں دوسرے مجذوب جو فنافی اللہ ہوتے۔ یہ لوگ عشقِ الٰہی میں ایسے غرق ہوتے ہیں جیسے قطرہ سمندر میں ہم آغوش ہو کر فنا اور بقا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگ اندیشہ ہائے سود و زیاں سے نکل کر جلوہِ جاناں میں گم ہو جاتے ہیں۔ اُنہیں بود اور ہست کی فکر نہیں رہتی۔ اُن پر جذب کی ایسی مستی اور بے خودی چھاتی ہے کہ اُنہیں نزدیک کے ڈھول بھی سہانے لگتے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا
میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا

انہیں دنیا اور دنیا والوں سے کیا لینا۔ یہ لوگ زمان و مکان سے بے نیاز خالقِ کون و مکاں کی تسبیح پر ہی اکتفا کرتے ہیں ان کے ہاں "میں" "میں" نہیں بس "تُو" ہی "تُو" رہ جاتا ہے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ اُن کو لباس سے کوئی غرض رہ جائے گی۔؟

اِسی طرح کچھ لوگ معترض ہیں کہ کانواں والی سرکار اپنے سائلوں کو گالیاں دیتے تھے۔ اُن کے لئے عرض ہے کہ ہم لوگ کنویں کے مینڈک کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں ہم نے اپنے ارد گرد دائرے کھینچ رکھے ہیں۔ اور کبھی ان دائروں سے بارہ نکلتے ہی نہیں۔ ہماری سوچوں کے خاص زاویے ہیں اور

ہم اُسی اینگل سے دیکھتے ہیں۔ اسی لئے ہمیں اپنی آنکھ کا شہتیر تو نظر نہیں آتا مگر دوسروں کی آنکھ کا تنکا بھی فوراً نظر آجاتا ہے۔ تو جہ چاہتا ہوں انگلی اٹھانے والے دنیادار حرص و حواس کے چیلے۔ کس پر اٹھا رہے ہیں جس فقیر نے کب کی دنیا کو طلاق دے دی ہوئی ہے۔ جس کی کوئی غرض نہیں۔ جس کا کسی سے کوئی واسطہ نہیں۔ جس کی صبح کی ابتدا اُس کے نام ہوتی ہے جس کی رات کی انتہا اُس کے کام سے ہوتی ہے جس کے لئے ہر طرف اُسی ذات کے جلوے ہیں جس کا کسی سے کوئی اختلاف نہیں جس کی کسی سے من و تُو کی کوئی بحث نہیں۔ یہ تو اُس بے صورت کی صورت کے نظاروں میں ہر وقت گم ہیں۔ ان کے لئے کوئی مشرق مشرق نہیں۔ کوئی مغرب مغرب نہیں۔ اگر کچھ ہے تو بس اُس کی تسلیم و رضا اور اُسی کا قُرب چاہتے ہیں اور یہ اُس وقت حاصل ہوتا ہے جب فقیر بے ضرر ہو اور لوگوں کے لئے منفعت بخش ہو آپ سرکار کے پاس تو ہر وقت ایک جمگھٹا رہتا تھا جو اپنی مرادیں اور آرزوئیں لے کر آتے تھے۔ مرادیں بر آنے پر خوش خوش گھر ڈھول کی تال پر ناچتے لوٹتے تھے۔ اور ہاں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا جب راہِ حق کا متلاشی لوگوں کے شور شرابے اور ناجائز تقاضوں سے تنگ آ کر ڈھول دھپہ یا گالی دے دیتے تھے۔۔ مگرع

رانجھن نوں میں گالیاں دیواں من وچ کراں دعائیں

بہر حال ان کا مقصد ہرگز ہرگز کسی کی تضحیک یا اُس کو دکھ دینا مقصود نہ تھا۔

اس طرح کبھی کبھی لوگوں کو دور ہٹانے کے لئے بھی فقیر ایسی حرکت کرتے ہیں جس سے لوگ متنفر ہو کر پرے ہٹ جاتے ہیں۔

بہر حال کچھ بھی ہو فقیر کا مقصد کسی کو شرمندہ کرنا نہیں اور نہ آزار دینا ہے وہ تو اُن کے لئے ہر وقت دعا گو اور بہی خواہ ہوتا ہے۔

ایک اور خوبصورت بات یاد آئی ہے اور عرض کرتا چلو۔ حضرت کرم الٰہی سرکار صرف کوؤں کو ہی کیوں پسند کرتے تھے۔ کسی طوطا و مینا، کسی چڑیا یا کسی کبوتر کا کیوں خیال نہیں رکھتے تھے۔ تو عرض ہے کہ کوا منافق نہیں۔ اندر اور باہر سے کالا ہے کسی بگلے بھگت کی طرح تن کا اُجلا اور باطن کا بد نہیں۔ کوا باحیا پرندہ ہے۔ کسی نے کبھی کسی کوے کو "میل ملاپ" (Intercourse) کرتے نہیں دیکھا ہو گا۔ کوا جب گھونسلا بناتا ہے۔ تو کبھی درخت کی سبز ٹہنی نہیں لیتا۔ بلکہ خشک ٹہنیوں کو **استعمال** کرتا ہے۔ ایک اور وضاحت کرتا چلوں کہ اگر ٹہنی دورانِ پرواز چونچ سے گر جائے تو دوبارہ اُس کو

نہیں اٹھاتا آپ شاید پوچھیں کیوں؟ وہ اس لئے کہ کوے کا خیال ہے کہ ٹہنی زمین پر گر کر ناپاک ہو گئی اب گھونسلے میں لگانے کے قابل نہیں۔

ایک اور صفت جو کوّے کو خاص کر کے بارگاہ الٰہی سے ودیعت ہوئی کہ جب کاگ بنیرے پر بیٹھ کر بولتا ہے تو پردیسی گھر لوٹ آتے ہیں۔ اس طرح وصالِ یار ہوتا ہے یہ تو آپ کی محبت کا اعجاز ہے کہ آپ وصال سے کیا معنی لیتے ہیں۔ "مجاز" یا "حقیقت"

شاید یہی وہ اوصاف ہیں جو حضرت کرم الٰہیؒ کو پسند آئے ہوں جو انہوں نے زندگی بھر انہیں اپنے نزدیک رکھا۔

کرامات

سرکار کی کرامات کا ذکر کرنے کے لئے اک عمر چاہیے اس لئے میں نے ایک دو ہی کرامات بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے ۔۔۔

سرکار کے منجھلے بھائی محمد فضل دین کے بیٹے مہر محمد خاں صاحب کی زبانی ایک مشہور کرامت سنیئے۔

ایک بوڑھی عورت جناب کرم الٰہیؒ کی خدمت میں آئی۔ اس وقت وہاں ایک پانی کا مٹکا پڑا ہوا تھا۔ اور وہ عورت اس سے پانی پینا چاہتی تھی۔ سائیں صاحب نے اسے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ عورت نے کہا "کیا اس مٹکے میں دودھ ہے جو پینے سے منع کر رہے ہو"۔ سائیں صاحب نے فرمایا "اگر دودھ پینا مقصود ہے تو جاؤ اس کنوئیں سے پیو" وہ عورت کنوئیں پر گئی۔ تو کیا دیکھتی ہے کہ واقعی وہاں پانی کی جگہ دودھ ہے۔ اس نے خود بھی پیا اور دوسرے لوگوں کو بھی صدا دی۔ بس پھر کیا تھا شہر بھر میں یہ خبر آناً فاناً پھیل گئی۔ یہاں تک کہ ہندوستان کے کونے کونے سے لوگ ہزاروں کی تعداد میں یہ کرامت دیکھنے کے لئے آنے لگے۔ اور جاتی دفعہ گھڑے دودھ کے بھر کر لے جاتے۔ یاد رہے اس وقت انگریز کی حکمرانی تھی۔ انگریز افسر صرف دفتر میں ہی بیٹھ کر نہیں حکومت کرتے تھے۔ بلکہ جہاں کہیں کوئی غیر معمولی بات وقوع پذیر ہوتی۔ نفسِ نفیس وہاں پہنچ جاتے۔ اس طرح جب کنوئیں کے دودھ ہونے کی خبر اڑی تو انگریز ڈپٹی کمشنر اور ہیلتھ آفیسر بھی موقع پر پہنچ گئے اور باقاعدہ دودھ کا معائنہ کیا۔ آخر کار یہ نتیجہ نکالا کہ یہ سب درویش، اللہ کے ولی کی کرامت ہے ۔۔۔ یہ دودھ کوئی آٹھ پہر یعنی

چوبیس گھنٹے تک رہا اور ہر مذہب اور ملت کے لوگ اس کرامت سے مستفید ہوتے رہے۔

اس طرح مستری فضل کریم صاحب کی زبانی ایک اور کرامت سنیئے۔ مستری صاحب فرماتے ہیں کہ ان کے والد صاحب ہر جمعرات کو ایک نمکین روٹی پکوا کر سرکار کی خدمت میں پیش کرتے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میری والدہ صاحبہ نے جس ایندھن سے روٹی پکائی تھی۔ وہ سرکاری باغ سے لیا گیا تھا۔ جب میرے والد صاحب روٹی لے کر حاضر ہوئے۔ تو انہوں نے فرمایا "چوری کی لکڑیاں میری روٹی پکانے کے لئے استعمال کی گئیں" وہ واپس آگئے اور نئی روٹی پکا کر سائیں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

آخر میں مجھے مولانا روم کا ایک شعر عرض کرنا ہے ؂

اولیا را ہست قدرت از الہٰ

تیر جستہ باز گرداند ز راہ

ترجمہ:۔ اولیا کو خدا کی طرف سے قدرت ہوتی ہے کہ وہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو واپس لا سکتے ہیں۔

وفات

سائیں صاحب کی وفات بتاریخ **۲۲ صفر ۱۳۴۹ھ** کو ہوئی جو دیسی مہینے کی ساون کی پانچ تاریخ تھی اور اتوار کا دن تھا۔ اس دن پانچ بجے شام آپ کا وصال ہوا اور دوسرے روز ظہر کے وقت تین بار جنازہ پڑھایا گیا اور ساڑھے پانچ بجے دفنایا گیا۔ لاکھوں عقیدت مندوں نے جنازہ پڑھا اور آخری زیارت کی۔ جھنگی میں آپ کو دفنایا گیا۔ اور وہیں مقبرہ کی عمارت تعمیر ہوئی جس کے بلند و بالا مینار دور سے دکھائی دیتے ہیں۔ ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد بھی تعمیر کی گئی۔

قارئین کی دلچسپی کے لئے عرض ہے کہ سائیں کرم الٰہیؒ سرکار کا حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب سے ایک روحانی تعلق تھا۔ پیر صاحب کے والد ماجد جناب حافظ سید گلاب شاہ صاحب پر سائیں کرم الٰہیؒ سرکار نے ہمیشہ نظر عنایت فرمائی اور زندگی کے تمام نشیب و فراز میں راہنمائی کی۔ یہاں تک کہ حافظ سید گلاب شاہ صاحب کی وفات کے بعد بھی سائیں کرم الٰہیؒ نے ان کے اہل خانہ پر محبت اور فیض کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب والدہ پیر سید رشید الدولہ کوچہ بندی والے مکان سے اٹھ کر باہر موجودہ دیوان خانہ والی جگہ پر رہائش کی باقاعدہ تعمیر کا کام شروع کرنا چاہتی تھیں مگر عزیز و اقارب کے ہاتھوں

مجبور تھیں۔ تو ایک دن حسب معمول سائیں کانواں والی سرکار حال احوال دریافت فرمانے آئے تو والدہ پیر سید رشید الدولہ نے سائیں صاحب کی خدمت میں من و عن تمام باتیں کہہ ڈالیں اور آپ سرکار سے عرض کی اب آپ جو کچھ حکم کریں گے میں ویسا ہی کروں گی۔ بس کیا تھا۔ حضرت کرم الٰہیؒ نے کمال شفقت فرمائی۔ اور حکم دیا کہ تعمیر شروع کی جائے اور تعمیر شروع ہوئی کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ کوئی روڑہ اٹکائے۔ حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب جب تک زندہ رہے اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ باقاعدہ مزار پر حاضری دیتے رہے۔

سائیں رحمت صاحب

حضرت پیر سید رشید الدولہ کے "خاص احباب" میں سائیں رحمت تھے جو شادی وال، گجرات کے قریب ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ اونچا قد تھا، پتلا ڈبلا جسم، مگر صحت اچھی تھی جسم پر لنگوٹی صرف یا کبھی پھٹے پرانے کپڑے ہوتے تھے۔ ننگ دھڑنگ بھی دیکھے جاتے تھے۔ لمبے بال تھے۔ ڈھول مٹی سے اٹے ہوئے نالی یا نالے کے گندے پانی میں گرمی سردی نہاتے۔ ریلوے روڈ اور پرانے بس کے اڈے پر چکر لگاتے دیکھے جاتے تھے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے کوئی خاص بات ضرور دیکھی ہوگی... کبھی کبھی صوفی لیاقت سے فرماتے تھے "رکشا لے آؤ"۔ اور پھر... صوفی لیاقت کے ساتھ حضرت پیر سید رشید الدولہ سائیں رحمت کو ریلوے روڈ یا بس کے اڈے پر دیکھنے کے بہانے چلے جاتے تھے... دیوان خانہ پر واپسی ہوتی عین اسی وقت سائیں جی آ پہنچتے تھے۔ فرماتے "آپ نے یاد کیا تھا، میں آ گیا ہوں"

ایک روز یونہی لوگوں سے کہا "قبر کھودو" اور پھر قبر میں جا لیٹے کہا "مٹی ڈال دو" ایک پورے دن کے بعد قبر کشائی کی گئی۔ سائیں رحمت اٹھ کر باہر آ گئے۔ اس زمانے میں بڑی بڑی پیٹیاں ہوتی تھیں۔ سائیں رحمت اک پیٹی میں بند ہو جاتے اور اسے تالا ڈلوا دیتے تھے۔ دن رات کے بعد کھولتے تو سائیں رحمت صحیح سالم باہر نکل آتے تھے۔

سخت سردی کا موسم تھا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے چادر خریدی۔ جناب صوفی لیاقت سے کہا "رکشا لے آؤ..." پھر صوفی لیاقت، فضل الٰہی اور حضرت پیر سید رشید الدولہ سائیں رحمت کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ بہت ڈھونڈا نہ ملنا تھا نہ ملے۔ دیوان خانہ پر واپسی ہوئی۔ ابھی اندرون خانہ

تشریف لے ہی گئے تھے کہ سائیں رحمت آ گئے خبر پا کر حضرت پیر سید رشید الدولہ مطب میں آ گئے۔ سائیں جی نے کہا "مجھے ڈھونڈ رہے تھے کیا بات تھی"۔

"کوئی خاص بات نہیں ایک گرم چادر آپ کے لئے خریدی ہے" اس پر سائیں رحمت صاحب فرمایا" قیمتی چادر ہے اب نہانا ضروری ہو گیا ہے"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے عرض کی" سائیں جی پانی گرم کرا لیتے ہیں۔ حجام بھی سامنے ہے نہانے کا بندوبست ہو جائے گا"۔ کہا" نہیں بس نلکہ چلاؤ میں نہاتا ہوں ۔۔۔" چار آدمی در پر کپڑا تان کر کھڑے رہے اور حضرت پیر رشید الدولہ نلکہ چلاتے رہے سائیں جی کافی دیر ٹھنڈے پانی سے نہاتے رہے نہانے کے بعد چادر مانگی اوڑھی نہیں بلکہ لپیٹ کر ہاتھ میں پکڑی فرمایا" چائے آ گئی ہے پیالی پی لیں"۔ چائے پی، رس کھالیا۔ چادر اسی طرح تھامی ہوئی تھی فرمایا" نہانے کے وقت آپ نے ایک کونے سے چادر کو پکڑ کر تانے رکھا تھا۔ آپ کو تکلیف ہوئی ۔۔۔" یہ کہہ کر اٹھے اور روانہ ہو گئے ۔۔۔ معلوم نہیں ان کا کیا مطلب تھا۔ بہر حال حضرت پیر سید رشید الدولہ نے مسکرا کر سائیں جی کی طرف دیکھا۔

جناب فضل الٰہی کراچی سے لاہور تک ٹرین میں آئے اور لاہور سے گجرات سفر بس میں کیا اس زمانہ میں نیا اڈا نہیں ہوتا تھا پرانے اڈے پر گجرات پنجاب بس سے اترے

سائیں رحمت نے فضل الٰہی کو دیکھا کہا

"کراچی سے آئے ہو"

"جی"

"پیر صاحب کے پاس جا رہے ہو"

"جی"

فضل الٰہی نے کسی کو اپنی آمد سے مطلع نہیں کیا تھا۔ سائیں جی نے کیسے حال احوال جان کر کہہ سنایا۔ معلوم نہیں۔ صرف یہی کہا جا سکتا ہے کیسے مردِ قلندر اس دورِ خرابی میں موجود ہیں۔

جناب سید افتخار حیدر گیلانی کی زبانی، " جناب سید افتخار حیدر گیلانی کی کار خراب ہو گئی اور کرائے کی موٹر لے آئے حضرت پیر سید رشید الدولہ کو معلوم ہوا۔ اسے اسراف جان کر جناب سید افتخار حیدر گیلانی کو خلافِ عادت و دستور ذرا سختی کے ساتھ منع فرمایا ۔۔ کہا تانگہ منگوایا جا سکتا تھا ۔۔۔ تمہ کو

تانگہ آگیا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ، صوفی لیاقت، جناب افتخار حیدر اور دتی کے چوتھے سوار تانگہ میں جار ہے تھے سائیں رحمت مل گئے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے تانگہ رکوایا۔ سائیں رحمت سوار ہو گئے اور گھوڑے کی باگیں سنبھال لیں۔ باگیں سنبھالتے ہی جیسے گھوڑے کو پر لگ گئے دل بڑا گھبرایا۔ چاہتے تھے کہ سائیں جی سے کہیں بخیر و عافیت تانگہ سے اتار دیں۔ مگر معاً خیال ابھرا کہ سائیں جی کہہ دیں گے ۔۔۔ اچھا اترو، مگر بچ کر کہاں جاؤ گے۔ یہ سوچ کر جم کر بیٹھ گئے کہا اِنَّالِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔۔۔ سائیں جی مسکرانے لگے گھوڑا اشارہ سے ملی فرنشرز کی طرف مڑا اور رک گیا۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ کی محفلِ ادب میں بیان ختم ہوا فرمایا اب حمد و نعت کے چند اشعار ہو جائیں۔ نعت خوان موجود تھے انہوں نے نعت خوانی شروع کی ۔۔۔ سائیں رحمت بھی تشریف لے آئے حاضرین میں سے ایک نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پانچ کا نوٹ نکالا اور پیش کیا دوسرے نے بھی حسبِ توفیق نذر پیش کی سائیں رحمت اٹھے انہوں نے دھوتی کھول کر نعت خواں کی طرف بڑھا دی اور خود بڑے دروازے کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھ گئے ۔۔۔

ذوقِ عریانی تجرید نہ دانستم حیف
کز پئے سندس و استبرقِ رضواں رفتم

(تجرید 'وحدت' کا ذوق کہاں سے آئے گا یہ عریانی سے مشروط ہے، افسوس میں جنت کے ریشمی ملبوسات کے پیچھے دوڑتا رہا)

بڑے عرصہ کے بعد سائیں رحمت تشریف لائے، کئی مہینے گزر گئے تھے ۔۔۔ بیان میں خاص نکتہ کی طرف توجہ دلانے کے لئے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا فرمایا گیٹ سے نکلتے ہی سامنے اخبار کا بڑا صفحہ ملا۔ اس سے ستر پوشی ہوئی سڑک پر پہنچے سامنے سے آنے والے نے لنگی دے دی ۔۔۔ پردہ پوشی اسی کے ذمہ ہے کہ میرے، تمہارے ذمہ نہیں۔ ذہن بھٹک گیا خود سر د خود نگر کا انجام سامنے تھا۔

بودہ ام من حبی آئینۂ لعلِ صبا
پائے کوباں بہ کی بر سرِ سنداں رفتم

(میں حلب میں بنے ہوئے شیشہ کی صراحی تھی جس میں سرخ شراب ڈالی جائے تو اس کی حدت و حرارت سے شیشہ پگھل نہیں جاتا ۔۔۔ صراحی ناچتی ناچتی کہاں پہنچی لوہار کے اہرن پر اور ٹوٹ گئی ۔۔۔؟)

حضرت پیر سید رشید الدولہ سائیں رحمت کا حد درجہ احترام فرماتے تھے۔ ملی فرنشرز کے کارخانہ میں جمعہ کی جمعہ مجلسِ اَدب کا اہتمام ہوتا تھا۔ تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹہ حضرت پیر سید رشید الدولہ مثنوی مولانا روم کے چند اشعار کی توضیح و تشریح فرماتے اور مضامینِ عالیہ کو قرآنی حوالوں سے ملاتے جاتے تھے۔ دوسرے علمی و ادبی مسائل بھی زیر بحث لائے جاتے تھے۔

اسی مجلس میں کبھی کبھی سائیں رحمت تشریف لے آتے تھے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ سرو قد احترام سے کھڑے ہو جاتے تھے اور اس وقت تک کھڑے رہتے تھے جب تک سائیں رحمت تشریف فرما نہ ہوں۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ بیان روک لیتے اور سائیں رحمت کے لئے ہمہ تن گوش ہو جاتے تھے۔۔۔ سائیں رحمت عجیب ترنگ میں خطاب شروع کرتے تھے چند در چند باتیں صاف سمجھ میں آتی تھیں کچھ سر پر سے گزرتی معلوم ہوتی تھیں البتہ ایک شدید احساس ابھرتا تھا کہ سائیں رحمت راستہ دکھلا رہے ہیں۔ اس پر نہ چلیں گے تو قافلہ سے بچھڑ جائیں گے اور پھر حشر معلوم!!!"

محترم سید حامد حسن صاحب کی زبانی، "برخوردار سلیم نے سعودیہ میں کئی برس کام کیا۔ پھر انگلستان جا کر کمپیوٹر کی تعلیم حاصل کی۔ سعودیہ واپسی ہوئی مزید کئی برس کام کرتے رہے۔ پھر طبیعت اچاٹ ہو گئی۔ نوکری چھوڑ چھاڑ کر پاکستان آ گئے۔ اب پھر پریشانی۔۔۔ اسی دوران اپنی ملاقات سائیں رحمت سے ہوئی عرض کیا سائیں جی دعا کریں۔ سائیں رحمت چپ ہو رہے۔۔۔ جمعہ کے دن واپسی پر راہ میں مل گئے حضرت پیر سید رشید الدولہ نے گاڑی رکوالی۔ سائیں رحمت سوار ہو گئے حضرت پیر سید رشید الدولہ کے در دولت پر کار رکی۔ اترے اور کار موڑنے کا انتظار کیا کار گزری جناب افتخار حیدر اور ہم نے سلام کیا حضرت پیر سید رشید الدولہ اندرون خانہ تشریف لے گئے۔ سائیں رحمت اسی طرح پہلو بدلے بغیر چپ سادھے بیٹھے رہے۔ خورشید گیٹ (زمیندار کالج) کے سامنے کار رکی اور اترے اسی خاموشی کے ساتھ تشریف لائے۔ برخوردار کو آواز دی کہا یہ سائیں جی ہیں اس نے سلام کیا۔۔۔ سائیں رحمت نے اس جگہ سے جہاں کھڑے تھے چند قدم اٹھائے دیوار پر چند بار ہاتھ مارا پھر واپس اسی جگہ آئے اور دوسری سمت چند قدم لے کر دیوار تک آئے اور اسی طرح چند بار دیوار پر ہاتھ مارا اور پھر سیدھے دروازے تک آئے اور چلے گئے۔۔۔ جتنے قدم سائیں رحمت نے اٹھائے اور جتنی بار دیوار پر ہاتھ مارا اتنے ہی ہفتوں اور دنوں میں برخوردار کے ویزے کا بندوبست ہو گیا۔

کیسے؟

ھوَالاَول ھوَالآخرِ ھوالظَاہرِ ھوالبَاطِنِ اِناک عَلی کُل شیئیً قدیر

پولیس لائنز کے قریب ہی حیدر کلینک ہے۔ جسے جناب ذوالفقار حیدر کی سرپرستی میں میڈیکل کمپلس کے طور پر خدمت کے لئے سنوارا گیا ہے۔۔۔ باہر سڑک پر نالے کے ساتھ ایک موچی کام کرتا ہے۔ بنچ رکھا ہوا تھا جس پر سائیں رحمت آ بیٹھتے تھے اور جناب افتخار حیدر گیلانی بھی وہیں آ جاتے تھے اور جب تک سائیں رحمت بیٹھے رہتے یہ بھی موجود رہتے۔

تھانہ دار صاحب تشریف لائے اور جوتا مرمت کے لئے موچی کو دیا کہا "جلدی کر۔ نماز پڑھنی ہے دیر ہو جائے گی"۔ سائیں رحمت کو تاب کہاں تھی فوراً بنچ سے اُتر کر گندے نالے میں جا کھڑے ہوئے اور وضو فرمانے لگے۔ ساتھ ہی جناب افتخار حیدر نے فرمایا "سائیں جی وضو نہیں ہوا"، "کیوں نہیں ہوا۔۔۔"، "سائیں جی پانی ناپاک ہے اس سے وضو نہیں ہو سکتا"۔ فرمایا "اچھا یہ بات ہے ہر دم مال حرام سے پیٹ پھولتا جاتا ہے صرف اٹھ کر وضو کر لیا اور نماز پڑھ لی۔ وضو اور نماز ہو جاتی ہے۔۔۔ تھانہ دار کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا ؏

کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا"

سائیں چُپ صاحب

گجرات میں "سائیں چُپ" ہوتے تھے۔ سائیں جی دیوان خانہ میں حضرت پیر سید رشید الدولہ کے پاس اکثر آتے تھے۔ کوئی شخص حقہ پی رہا ہو تو حقہ کی ٹوپی اٹھا کر پھونکیں مارنا شروع کر دیتے تھے۔ نلکہ کے پاس جاتے تو ہتھی پکڑ کر چلانے لگتے۔ پانی کی دھار نکلتی تو اسے پھونکیں مارنے لگتے پھر۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نلکہ کی ہتھی پکڑ کر چلاتے اور سائیں جی نہانے لگتے اور جب تک سائیں جی نلکہ کے نیچے سے نہ نکل آتے حضرت پیر سید رشید الدولہ نلکہ چلاتے رہتے تھے۔

یاد رہے ۱۹۵۰ء کی دہائی کے پہلے حصے کا واقع ہے کہ شبِ بارات سے چند دن پہلے کچھ ناعاقبت اندیش لڑکوں بالوں نے سائیں صاحب کے کپڑوں میں ٹوٹکے مٹیاں باندھ دیں اور پھر آگ لگا دی۔ سائیں صاحب اس حالت میں جہاں تک دوڑے۔ وہاں تک بازار آناً فاناً جل کر تباہ ہو گیا ہر چند گجرات، جہلم اور دیگر شہروں سے فائر بریگیڈ آئی اور ہر ممکن آگ بجھانے کی سرتوڑ کوشش کی مگر ہر

کوشش ناکام ہوئی۔

سائیں شریف صاحب

کنجاہ میں سائیں شریف درزی کا کام کرتے تھے۔ مشہور تھا کہ اٹھارہ برس سے آپ نہائے نہیں لمبے بال رکھتے تھے جو خاصے گندے نظر آتے تھے۔ ہاتھ کی مشین پر کپڑے سیتے تھے۔ مشین کہیں سے ٹوٹ پھوٹ جاتی اس پر پٹی باندھ کر کام چلا لیتے تھے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فضل الٰہی ۔ کے ساتھ ایک صاحب زادے نوازش علی کو بھیجا اور سائیں شریف کو پیغام زبانی دیا کہ گجرات تشریف لائیں۔ سائیں جی دکان پر موجود نہیں تھے یہ لوگ مشین رکھنے والے تختہ پر بیٹھ گئے۔ سائیں جی تشریف لائے ناخوش تھے کہ جس پاک جگہ روزی کمانے کا آلہ رکھا ہے۔ اس پر یہ لوگ ایسی بے خبری سے بیٹھے ہوئے ہیں ۔۔۔ سائیں جی کی ہیبت ایسی دل پر طاری ہوئی کہ پیغام زبانی نہ دیا جا سکا۔ دوسری دفعہ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے صرف فضل الٰہی کو بھیجا کنجاہ پہنچ کر دکان پر آئے سلام کیا اور کہا "سائیں جی کہاں بیٹھوں ۔۔۔" کہا ۔۔۔ "جہاں تمہاری مرضی ۔۔۔" حضرت پیر سید رشید الدولہ کا پیغام زبانی دیا کہ تشریف لائیں کہا ۔۔۔ "ان سے ملنے کی خواہش بڑی مدت سے دل میں ہے مگر گجرات جانے کا کرایہ نہیں بنتا"۔ کہا "اس کا انتظام حضرت پیر سید رشید الدولہ نے کیا ہے، کرایہ بھیجا ہے" کہا "اتنی مہربانی کی ہے تو چلو چلتے ہیں۔ مگر پیدل ۔۔۔ پیر صاحب کے روپیہ پیسہ میں اپنا حصہ نہیں ہے"۔

سائیں جی گجرات پہنچے پیر سید رشید الدولہ صاحب کو دیکھ کر سیدھے ان کے قدموں میں جا بیٹھے۔ فرمایا "سائیں جی پلنگ پر میرے ساتھ بیٹھیں" کہا "نہیں یہاں ٹھیک ہے" فرمایا "میں آپ کے ساتھ بیٹھ جاتا ہوں" کہا "نہیں ایسا نہ کریں آپ بیٹھیں گے میں کھڑا رہوں گا۔ آپ کھڑے ہوں گے میں قدموں میں بیٹھ جاؤں گا۔ مجھے امر نہیں میں آپ کے برابر نہیں بیٹھ سکتا"۔

عالمِ دین

وہ ایک عالم دین، خدا ترس، خدا رسیدہ، سادہ، اور بے لوث بزرگ تھے جن کا مقصد حیات صرف اور صرف پیغامِ الٰہی لوگوں تک پہنچانا تھا۔

ملتان شہر سے ایک دفعہ انہیں مجلسِ اہلِ بیعت کے لئے مدعو کیا گیا۔ ریلوے سٹیشن پر جب

صاحبِ خانہ رخصت کرنے آئے تو انہیں ایک لفافہ تھما دیا۔ جو انہوں نے جیب میں رکھ لیا۔ جب ٹکٹ لینے کے لئے لفافہ کھولا تو اس میں صرف پانچ روپے تھے۔ جبکہ ملتان سے لاہور تک کا کرایہ کوئی دس روپے ہوتا تھا۔ مگر ذرا ملال نہ ہوا۔ مسکرا کر چپ رہے۔ یہ تھی آپ کی سادگی کی انتہا۔ کہ مجلس ختم ہونے کے بعد کچھ طلب نہ کرتے۔ جو کسی نے خدمت کی اسے خوشی سے قبول کیا۔

لاہور موچی دروازے سے باہر مجلس سے خطاب فرما رہے تھے کہ لوگ باگ بہت متاثر ہوئے۔ مجلس کے بعد چند منچلوں نے انہیں گھیر لیا کہ آپ تو بہت صاحبِ علم ہیں۔ آپ تو سونا بنانے کے علم سے واقف ہوں گے۔ آپ نے فرمایا "میاں، اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے وہ چاہے تو مٹی کو بھی سونا بنا دے"

اَب لوگ تھے آپ کا پیچھا نہ چھوڑ رہے تھے اور ان کا یہی تقاضا تھا کہ آپ ایک دفعہ سونا بنا کر دکھائیں۔ آپ نے جواب دیا کہ مجھے تو دنیا کی کوئی ہوس نہیں۔ مجھے تو سونا یا کسی اور چیز سے کوئی لگاؤ نہیں۔ میری تو بس "اُس" سے ہی وابستگی ہے۔ اور میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ ذات کبریا کا پیغام اور اہلِ بیت کے ذکر کے لئے جہاں یاد کیا جاتا ہے وہاں پہنچ جاتا ہوں مگر لوگوں کیا کہنا وہ ابھی تک بضد تھے کہ آپ سونا بنا کر دکھائیں۔ آخر کارؑ آپ ان کی ضد کے سامنے عاجز آ گئے اور فرمایا کہ مجھے ایک "تانبہ پیسہ" لا کر دیں چنانچہ لالچی دنیا داروں نے جلدی تانبے کا وہ پیسہ فراہم کر دیا۔

آپ وہ سکہ لے کر باغ میں ادھر ادھر گھومے اور چند ایک پتوں میں لپیٹ کر انہیں دیا اور کہا کہ اسے حقہ کی ٹوپی میں رکھ کر چلم سلگاؤ۔

اس طرح لوگوں نے اشتیاق سے سب کام حسبِ ہدایت مکمل کئے اور لگے چلم سلگانے۔ جنہوں نے زندگی میں کبھی حقہ کی نَے نہیں پکڑی تھی وہ بھی حقے کے کش پر کش لگانے لگے۔

جب وہ چلم ٹھنڈی ہو گئی تو آپ نے ان سے اس ٹوپی کو الٹنے کی ہدایت کی۔ پھر دیکھیئے قدرت کا کرشمہ کہ وہ تانبے کا سکہ سونے میں تبدیل ہو چکا تھا۔ علامہ صاحب کوئی کیمیا گر نہیں تھے۔ مگر یہ کام لوگوں کی ضد کی خاطر کیا تھا یقیناً انہوں نے اُسی ذاتِ برکات سے رجوع کیا ہو گا اور اُسی کے کلام سے تانبہ سونے میں بدل گیا۔

پھر کیا تھا لوگوں نے اس باغ کا کوئی پودا کوئی پتہ اور کوئی گھاس کا تنکہ نہ چھوڑا مگر وائے ناکامی انہیں کچھ حاصل نہ ہوا۔

ایک دفعہ علامہ صاحب زمیندار کالج گجرات میں ایک لیکچر دینے کے لئے تشریف لائے اور اس کا موضوع تھا کہ حضور پرنور محمد مصطفٰی احمدِ مجتبیٰ نور ہیں اور انہیں بشر کہنا غلطی ہے۔ جب لیکچر کے بعد ٹانگے پر سوار ہوئے۔ تو عبداللہ شاہ اور پروین الدولہ (نصر الدولہ) بھی ساتھ ٹانگے پر سوار ہو گئے۔ علامہ صاحب نے نہایت محبت سے پوچھا۔ "بیٹے آپ نے کہاں جانا ہے" "جی جہاں آپ نے جانا ہے"

اتفاق دیکھیئے جب علامہ صاحب زمیندار کالج سے ٹانگے پر سوار ہوئے تو لوگوں نے پوچھا "کیا آپ سیدھے لاہور جائیں گے" فرمایا "نہیں میں تو گجرات میں ہی رات بسر کروں گا اور اب میں حضرت پیر رشید الدولہ صاحب کے پاس محلہ گڑھی شاہدولہ جارہا ہوں"

دراصل عبداللہ شاہ اور پروین الدولہ نے سن لیا تھا کہ علامہ صاحب تو ہمارے ہی گھر جارہے ہیں تو انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے ساتھ ٹانگے میں سوار ہو گئے اور ان کے ساتھ ہی دیوان خانہ آن پہنچے۔

جہاں حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب نے خندہ پیشانی سے استقبال کیا علامہ صاحب نے تعارف کراتے ہوئے فرمایا "یہ دو میرے بیٹے ہیں اور میرے ساتھ ہی آج کی رات آپ کے مہمان ہوں گے"

ایک درویش

حضرت پیر سید رشید الدولہ مریضوں میں گھرے کھڑے تھے ایک ہاتھ میں پیمانہ دوسرے میں شربت کی بوتل تھی۔ ایک درویش وہاں آئے انہوں نے لباسِ عریانی پہنا ہوا تھا۔ ہاتھ میں سونٹا تھا بال بڑھے ہوئے سر پر سے ننگے تھے۔ آگے بڑھ کر حضرت پیر سید رشید الدولہ کا بازو تھام لیا اور مطب سے باہر لے آئے اور اسی طرح تھامے شاہدولہ گیٹ تک آئے۔۔۔ مٹھائی والے کی دکان پر رکے اور ایک مٹھائی کی طرف اشارہ کیا۔ مٹھائی والا مٹھائی لفافہ میں ڈالنے لگا تو انہوں نے ایسا کرنے سے روک دیا اور حضرت پیر سید رشید الدولہ نے جھولی پھیلا کر دکاندار سے مٹھائی لے لی اسی طرح درویش بازو تھامے بازار سے گزرتے ہوئے شیشیانوالہ گیٹ تک آئے اور کچہری روڈ پر مڑ کر حضرت سائیں کرم الٰہی کے مزارِ پُرانوار کا رخ کیا۔ بازار میں لوگ باگ جو حضرت پیر سید رشید الدولہ کو جانتے پہچانتے تھے حیران پریشان تھے۔۔۔ درگاہ کے قریب پہنچ کر درویش رک گئے اشارہ کیا مٹھائی گرادو۔۔۔ پھر پلٹ کر شہر

کا رخ کیا۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے سوچا نہ حاضری دی، نہ فاتحہ پڑھی، نہ نذر گزاری۔ بات کیا بنی۔۔۔ درویش نے پلٹ کر دیکھا کہا "کیسی حاضری، فاتحہ اور نذر نیاز کہاں کی جس سے ملنے آئے تھے وہ اپنے مولا کے دربار میں حاضری کے لئے نجف اشرف گئے ہیں۔ جب واپس آئیں گے۔ ہم بھی آئیں گے اور تمہیں بھی لے آئیں گے"۔

شاہ جی

شاہ جی سبز لباس پہنے حضرت پیر سید رشید الدولہ کے دیوان خانہ میں آتے تھے اور کئی کئی دن ٹھہرتے تھے حضرت پیر سید رشید الدولہ ان کا بستر بچھا دیتے مگر ان کے چلے جانے کے بعد شاہ جی بسترا اکٹھا کر کے چارپائی کے سرہانے کی طرف رکھ دیتے تھے اور خود پائنتی کی پٹی پر سر رکھ کر سو جاتے تھے۔ بہت کم گو تھے موقعہ ملتا تو قبرستان کی طرف نکل جاتے اور وہیں گھنٹوں لیٹے رہتے۔ شاہ جی نے کبھی کھانے دانے یا کسی اور خواہش کا اظہار نہیں کیا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ کھانے کے وقت پوچھتے "شاہ جی کھانا لے آؤں۔۔۔" ہمیشہ یہی کہتے، "جیسے آپ کی مرضی"۔۔۔ شدید گرمی میں بھی پانی نہیں مانگتے تھے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ پوچھتے رہتے تھے شاہ جی ٹھنڈا پانی لاؤں یا شربت، مگر جواب ہمیشہ وہی ہوتا "جیسے آپ کی مرضی۔۔۔"

راقم نے ایک دن حضرت پیر سید رشید الدولہ سے عرض کیا۔۔۔ "نوکر بھی ہیں۔۔۔ میں کھانا لے آتا ہوں آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں" حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا "نہیں۔ ممکن ہے کسی کام کو کہوں تمہارا دل نہ چاہتا ہو کہ کرو مگر صرف تعمیلِ حکم کے لئے کام کرو گے یہ درست نہیں۔ نہ ان مہمانوں کے شایانِ شان ہے۔ مجھے ان کی خدمت میں خوشی ہوتی ہے۔"

بارش ہو رہی تھی شاہ جی چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے فرمایا "چار دریاؤں کا پانی پینا چاہتا ہوں۔"

دن کے دو بجے ہوں گے حضرت پیر سید رشید الدولہ نے لالہ حمید کو بلایا فرمایا "شاہ جی کے حکم کی تعمیل ہونی چاہیے۔ گجرات پنجاب بس کے کسی ڈرائیور سے کہو پانی لا دے"

"ابھی اڈہ پر جاتا ہوں"

"لیکن۔۔۔ کیسے معلوم ہو کہ دریاؤں کا پانی ہے اِدھر اُدھر سے بھر لائیں تو۔۔۔ گجرات پنجاب کی بسیں اٹک بھی نہیں جاتیں۔"

لالہ حمید نے کہا" آپ فکر نہ کریں چار بوتلیں لائیں میں خود دریاؤں سے پانی بھر لاؤں گا۔"

دوسرے دن شام تک لالہ حمید پانی لے آئے ہر ایک بوتل پر سفید لیبل تھا اور اس پر کالے رنگوں میں دریا کا نام لکھا تھا۔ چناب، راوی، جہلم، سندھ۔

بوتلیں حضرت پیر سید رشید الدولہ نے شاہ جی کو پیش کر دیں۔ یوں تو شاہ جی کے نہ آنے کا وقت تھا نہ جانے کا۔۔۔ شاہ جی رخصت ہوئے اور بوتلیں بھی لے گئے۔ ایک مہینہ بعد آئے اور پیر صاحب نے پوچھا" شاہ جی آپ نے دریاؤں کا پانی پیا" جیسے آپ کی مرضی" جواب تھا۔

بی بی جی

زنان خانہ میں بی بی جی رہتی تھیں۔ معلوم نہیں نام کیا تھا۔ چھوٹے بڑے عزت و احترام سے بی بی جی کہتے تھے۔ بڑی پرہیز گار، راست باز تھیں۔ باہر نکلتی تھیں تو صرف کسی مزار یا درگاہ یا کسی درویش باخدا و صفا کی زیارت کے لئے نکلتی تھیں۔

آخری عمر میں حج و زیارات کی سعادت نصیب ہوئیں۔۔۔ بی بی جی دیگر عبادت و ریاضت کے ساتھ جمعہ مبارک کا روزہ رکھتی تھیں۔ گرمی لگتی تو کہتیں "سر پر سڑ گیا ہے" شربت یا ٹھنڈی چیز پی کر کہتیں" مجھے ٹھنڈ لگ رہی ہے"۔ فوراً آگ کے پاس جا بیٹھتی تھیں۔ سالن اُن کا بغیر مرچ مصالحہ الگ پکتا تھا مگر تھوڑا مرچ والا سالن ضرور لے لیتی تھیں مگر پھر وہی شکایت، انہیں اب کوئی میٹھی چیز دینی پڑتی تھی۔

بی بی جی دھند کی رہنے والی تھیں جو جی ٹی روڈ پر واقعہ ہے بچپن سے ہی عبادت و ریاضت کی طرف رجحان تھا۔ دنیا سے نہ دنیا کے کسی کاروبار سے رغبت تھی شادی ماموں کے اکلوتے بیٹے سے ہوئی جو عام دنیادار کنجاہ والی سڑک پر چکوڑی گاؤں کا رہنے والا تھا۔ بی بی شادی بیاہ کے جھنجٹ سے دور رہنا چاہتی تھیں اور والدین کو کہلا بھی دیا تھا مگر ان کی مجبوری اپنی مجبوری ہو گئی۔ مختلف بلکہ مخالف رویہ کے باعث نبھا نہیں ہو سکتا تھا۔ دونوں کے راستے الگ ہو گئے۔ مگر طلاق نہ ہوئی۔

پھر جب بی بی جی کے ماموں اور خاوند دنیا سے سدھارے۔ بی بی جی بیگھے بانیاں جو کہ چکوڑی کے قریب ہے ایک بزرگ کے گھر رہنے لگیں۔ بعد ازاں محلہ وحدت آباد ایک "دارے" میں کسی دوسرے باخدا درویش کے پاس۔ اُس کا انتقال ہوا بی بی جی، حضرت پیر سید رشید الدولہ کے زنان خانہ

اٹھ آئیں ۔۔۔یہیں انہوں نے بچوں بچیوں کو قرآن ناظرہ پڑھانا شروع کیا۔۔۔ صاحب زادی فرخ جمشید نے بی بی جی سے قرآن پڑھا پھر حضرت پیر سید رشید الدولہ سے دیگر تعلیمات اپنی تفسیرِ فقہ کے ساتھ نوحہ و قصیدہ خوانی، ذاکری کے سلسلہ میں راقم کی والدہ جنہیں سب آنٹی جی کہتے تھے سے استفادہ کیا۔

بی بی جی نے خواب دیکھا جب آنکھ کھلی تو گھبرائیں اس کی کیا تعبیر ہو سکتی تھی۔ ذکر نانی صاحبہ سے کیا۔ خواب تھا کہ کوئی ٹوکرا گلاب کے پھولوں کا لایا ہے اور ان کے پاس رکھ رہا ہے۔ نانی جی نے تب فرزندِ گرامی حضرت پیر سید رشید الدولہ سے کہا۔ "دیکھنا یہ حافظ کو کیا ہوا ہے۔۔۔" تعبیر جو سمجھ میں آتی تھی۔ پریشان کُن تھی۔

دوسرے دن حافظ صاحب سودا سلف لینے بازار گئے۔ میں ساتھ تھا۔ آزاد مسلم ہائی سکول کے پاس سے گزر رہے تھے حافظ جی نے کہا "تھک گیا ہوں ذرا دم لے لوں"۔ "کہا آپ ٹھیک ٹھاک، بھلے چنگے تھے معمول کے مطابق خود سب کام کاج کیا" ۔فرمایا "ہاں تکلیف نہیں صرف سانس اکھڑ رہا ہے"۔ تھوڑی دیر آرام کے بعد اٹھ کے چلے مگر تیس چالیس قدم چلنے کے بعد پھر بیٹھ گئے۔ دوبارہ اٹھے سانس زیادہ اکھڑا ہوا تھا۔ چلنا دوبھر ہو رہا تھا۔ دیوان خانہ میں دیکھا کوئی گلاب کے پھولوں کی ٹوکری لایا ہے جو برامدے میں رکھی ہوئی ہے۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ کو اطلاع دی انہوں نے جلدی سے کرسی بچھائی دوا دی اور ڈاکٹر حیات صاحب کے پاس بھیجا۔ مرض و مریض کا حال احوال دریافت کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب دیوان خانہ پہنچے۔ وہاں آیا دیکھا ڈاکٹر صاحب کورومین کا ٹیکہ لگا رہے ہیں ٹیکا لگایا اور ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے اندر جا کر انہیں چارپائی پر لٹایا۔۔۔ یوں بی بی جی کی "رویا" سچ ثابت ہوئی۔

موت نے اب دیوان خانہ و زنان خانہ میں تباہی مچائی۔ والدہ صاحبہ کا انتقال ہوا، نانی جی کا، حضرت پیر سید رشید الدولہ کی زوجہ محترمہ، چاچی اماں سب اللہ کو پیاری ہوئیں بی بی جی ایسی دل برداشتہ ہوئیں کہ حضرت پیر سید رشید الدولہ سے اجازت لے کر دھند چلی آئیں۔

۱۹۹۰ء رینز ویلا سے ریٹائرمنٹ کے بعد ہم میاں بیوی نے قصور میں ہم زلف ڈاکٹر صادق حسین نقوی کے پاس ٹھہرنا شروع کر دیا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کا انتقالِ پُر ملال ۱۵ اگست ۱۹۸۶ء کو ہوا۔ اب اس گھر کا شیرازہ بھی بکھرنا شروع ہو گیا تھا۔ جائیداد کے سلسلہ میں مقدمہ

بازیاں ہونے لگیں۔ کبھی کسی صاحب، کبھی بیوی فرخ جمشید کے ساتھ اور کبھی اکیلا ہی مقدموں کی پیروی کے لئے گجرات آتا تو فیصل ہوٹل میں ٹھہرتا کہ کی بات تو یہ تھی کہ جس جگہ پل بڑھ کر جوان ہوئے وہاں قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ قدرت کے رنگ اس کو کہتے ہیں۔ ۱۳ اگست ۱۹۸۹ء کو پیر صاحب کے اکلوتے صاحبزادے عزیز الدولہ ارشد (چن پیر) کا انتقال ہو گیا اور مقدمہ بازیاں ختم ہو گئیں۔ دیوان خانہ تقسیم ہو گیا۔ نصر الدولہ انور حافظ جی کے بیٹے کو دیوان خانے کا آدھا حصہ ملا اور اب ہماری رہائش اس حصے میں ہے۔ ۱۹۹۳ء کو میں ایک دفعہ پھر ملک سے باہر گیا ہوا تھا۔ اور بیوی فرخ جمشید یہیں تھیں۔ بی بی جی گجرات سے چلے جانے کے بعد واپس نہیں آئی تھیں۔ اب انہوں نے ایک آدمی بھیجا کہ ان کی حالت خراب ہے۔ اور وہ بیٹی فرخ جمشید سے ملنا چاہتی ہیں۔ چنانچہ دوسرے دن فرخ جمشید اور بڑی بہن خالدہ خانم کار میں سوار ہوئیں اور دہند گاؤں بی بی جی کے پاس پہنچ گئیں۔ پوچھا "کیسے معلوم ہوا کہ میں گجرات میں ہوں۔ میں تو لاطینی امریکہ رہ رہی تھی"۔ فرمایا "بیٹا مستقبل کی خبر تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ ہاں مگر وہ چاہے تو وہ کچھ خبر کسی کو دے دیتا ہے"۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ میرے اس جہاں سے رخصت ہونے میں صرف تین دن باقی ہیں۔ اور میرا تم سے ملنے کو دل چاہتا تھا۔۔۔ اس طرح حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کے وصال کے وقت جو انہوں نے خواب دیکھا تھا۔ سنایا"۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ بڑے جلوس کی راہنمائی کرتے ہوئے شاہ دولہ چوک تک پہنچ گئے ہیں اور جلوس کا آخری سرا ابھی تک ڈیوان خانہ سے نکل رہا ہے۔۔۔" دوسرے دن پیر صاحب کا انتقال ہو گیا۔ ان کے جنازے میں امیر و غریب، دوست، احباب، فقیر فقرا عزیز و اقارب کے علاوہ خاکسار تنظیم کے اراکین۔ جنازے کو شاہ دولہ چوک تک لے گئے اور باقاعدہ ۲۱ گولوں کی سلامی دی۔۔۔

دونوں بہنیں بڑی افسردہ بے حال واپس آئیں اور عین تیسرے دن بی بی جی کی پیشین گوئی کے مطابق ان کے وصال کی اطلاع ملی۔

جو مرضی سرکار

جوگی جی مہاراج پشاور کی طرف کے تھے ہماچل پردیش بدری ناتھ یاترہ کرنے جاتے تو راہ میں حضرت پیر سید رشید الدولہ کے دیوان خانہ میں ایک دو رات قیام کرتے تھے۔

جوگی جی خوش شکل، بوٹا سا قد، لمبے بالوں، جوگیا رنگ کے کپڑوں میں ملبوس ہوتے، پاؤں میں کھڑاواں، ہاتھ میں جریب لئے رہتے تھے گلے میں خاکی منکوں کی مالا ہوتی تھی۔ ان کا بارعب چہرہ، طمانیت لئے رہتا تھا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ کے سوا نہیں کوئی نظر بھر کر زیادہ دیر دیکھ نہیں سکتا تھا۔ جوگی جی مہاراج کسی چیز کی فرمائش نہیں کرتے تھے۔ چارپائی پر لوگوں کے ساتھ ہی بیٹھ جاتے تھے۔ سونے کے لئے بھی چارپائی نہیں منگواتے تھے۔ لوگوں کے درمیان ہونے کے باوصف چپ چاپ رہتے تھے بات نہیں کرتے تھے صرف حضرت پیر سید رشید الدولہ سے گاہے مخاطب ہوتے تھے۔ جو خود ہی مہمانِ مکرم کا بہت خیال رکھتے تھے مہمان داری کا اندازہ اس سے لگائیں کہ مہاراج کے آتے ہی خود اٹھ کر اندرونِ خانہ جاکر بہ نفسِ نفیس کھانا دانا لاتے تھے۔۔۔ گاہے گاہے پیار کے مدھم رنگ میں پوچھتے تھے "مہاراج ماش کی دال، ارہر کی دال، چنے کی دال، آلو کچوریوں کے ساتھ اور کیا بنادیں۔ پسند کریں تو ساروں کے بازار سے کچھ منگوالیں۔۔۔" ساروں کے بازار میں سب دکانیں ہندوؤں کی ہوتی تھیں۔۔۔ مگر جوگی جی کا جواب ہمیشہ یہی ہوتا تھا "جو مرضی سرکار۔۔۔"

ہندو چھوت چھات کے پابند ہوتے ہیں مگر جوگی جی مہاراج میں کوئی ایسی بات نہیں تھی مجھے گود میں اٹھا لیتے پیار سے کہتے "زندگی میں خوش و خرم رہو گے۔ کسی چیز کی کمی نہیں ہو گی۔ بھگوان تمہاری رکھشا کریں گے۔ میں بھگوان سے پراتھنا کروں گا"۔

ہمارے مزارع ہندو تھے۔ فصل کاٹنے کے بعد حصہ مالکی اونٹوں پر لاد کر لاتے تھے۔ ایک دن وہ بیٹھے ستو گھول رہے تھے میں پاس جا بیٹھا انہوں نے دہائی دی "بھرشٹ ہو گئے بھرشٹ ہو گئے اور ستو پھینک دیئے"۔ افسوس ہوا اتنے بے وقوف لوگ بھی ہوتے ہیں، اچھا ہوتا مجھے دے ڈالتے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ کو واقعہ سنایا فرمایا "بیٹا یہ اپنا اپنا دین ایمان، دھرم ہے خیال رکھو انہیں ٹھیس نہ لگ جائے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ کوئی مسلمان پاس سے گزر جائے اور ان کے کھانے پینے کی چیزیں بھرشٹ (ناپاک) ہو جاتی ہیں۔ آئندہ احتیاط ضرور کرنا"۔ کہا "جوگی جی مہاراج۔۔۔؟" فرمایا "ان کی بات اور ہے جو خاص ہیں وہ شریک گروہ تمام نہیں"۔

گرمیوں کا موسم ہوا کرتا تھا۔ پیر سید رشید الدولہ فرماتے تھے "مہاراج گرمی ہے نہالیں"۔ لنگوٹ بندھا ہوتا تھا۔ اندر سے تولیہ لاتے جو کندھے پر رکھتے اور نلکہ "گیڑنے" لگتے تھے۔ اور مہاراج نہاتے رہتے تھے۔ ساتھ ہی رام نام "جپتے" جاتے تھے۔ مہاراج صابن اور تیل استعمال نہیں

کرتے تھے۔ نہ ہی وہ شاید رات کو سوتے تھے۔ اکثر وقت "کچھ وِرد" کرتے رہتے تھے صبح جب بھی دیکھا دیوان خانے کے چکر لگاتے تھے یا اشنان کے بعد چناب سے واپس آرہے ہوتے تھے۔ دریائے چناب اس وقت دو ڈھائی میل دور ہوتا تھا۔

دوسری طرف ۰۰۰ لاہور ریلوے سٹیشن پر اسی زمانہ میں لکھا دیکھتا تھا۔ "ھندو پانی"، "مسلمان پانی"، مطلب یہ تھا کہ ان ٹنکیوں میں جہاں یہ الفاظ لکھے ہوتے تھے پانی کی سپلائی ایک ہی پائپ سے کی جاتی تھی۔۔ دیوار کے ساتھ پانی کا پائپ آرہا ہوتا تھا۔ اس کا ایک حصہ مڑ کر بائیں طرف ھندو ٹینکی میں گر کر ھندو پانی ہو جاتا تھا۔ اور دوسرا حصہ دائیں طرف بہہ کر مسلمان پانی۔ ان ٹینکیوں میں پیتل کی ٹوٹیاں لگی ہوتی تھیں۔ اور ہندو ۰۰۰ اور مسلمان دونوں پانی جدا جدا پیتے تھے ۰۰۰ پانی کی سپلائی۔ ایک اور ۰۰۰ پانی ھندو اور مسلمان ۰۰۰

مہاراج براجمان تھے رحمہ ایک کالے کتے کے کانوں سے "چچڑیاں" اتار کر آگ میں ڈال رہا تھا مہاراج نے خلاف عادت کہا "ایسا مت کرو کسی جاندار کو مارنا پاپ کی بات ہے ایک بات میں بتلاؤں رحمے جی چاند گرہن کی رات ہو، چند ہفتہ بعد رات آنے والی ہے کھلی زمینوں پر جانا جہاں ڈھب اگتی ہے جہاں یہ ڈھب گھاس اگی ہو اور وہاں پگ ڈنڈیوں کا چوراستہ ہو وہاں پر کپڑے اتار کر چاند گرہن کی طرف منہ کر کے کھڑے ہونا، ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہنا یہ خیال کرنا کون سے کتے کے کیڑے دفع کرنے ہیں ۰۰۰ پھر ہاتھ کو پیچھے بڑھا کر ڈھب اکھاڑنا اور کہنا اس کے کیڑے دفع ہوں۔ دفع ہو جائیں گھاس اکھاڑتے جانا اور دہراتے جانا۔ ۰۰ پھر کپڑے پہن کر گھر آجانا۔ ۰۰۰ بھگوان کی کرپا سے یہ ختم ہو جائیں گے ۰۰۰" رحمے نے یہ عمل کیا اور چچڑیاں کتوں سے غائب ہو گئیں

دارو چوہی

حضرت پیر سید رشید الدولہ مطب تشریف لے جاتے تو شدید سر درد عارض ہوتا ایں کہ بعض اوقات کھڑا ہونا محال ہوتا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے چاچی جی اور فرخ جمشید دختر نیک اختر سلمہا سے ذکر کیا انہوں نے کہا "یہ کوئی بیماری نہیں کہ دوا دارو سے جائے گی کسی نے تعویز کئے ہوئے ہیں ۰۰۰ میں اس کا حل تلاش کر لوں گی"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا "جیسے آپ مناسب سمجھیں"۔ چاچی جی نے فرخ جمشید دختر

نیک اختر سے کہا "لالہ موسٰی میں ایک عورت ہے جو اس کا کپڑا سونگھ کر جس پر تعویز کیا گیا ہے نام، پتہ، وجہ اور جگہ جہاں تعویز دفن ہو بتلا دیتی ہے"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ کا بنیان لے کر چاچی جی معہ فرخ جمشید سلمہا لالہ موسٰی پہنچیں۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ انسان دوستی میں پکے اور سچے تھے غریبوں مسکینوں کے ساتھ جانوروں پرندوں چرندوں سے محبت کرتے تھے ان کی محبت کا حصہ معذوروں کے لئے بھی وقف تھا۔۔۔ حضرت سید کبیر الدین شاہ دولہ کے مزارِ پُرانور پر ایک چوہی رہتی تھی جس کا نام دارو تھا جو حضرت پیر سید رشید الدولہ کے پاس آ بیٹھتی تھی۔ اس کا منہ دھلاتے، کھانے کھلاتے جو مانگتی دیتے۔ اکثر وہ سوئی دھاگا طلب کرتی تھی کپڑے دھلاتے۔۔۔ اسے دارو نام سے چڑ تھی۔ اسے دارو کہیں تو گالیاں بکتی تھی۔۔۔ مگر اگلے روز پھر آ جاتی تھی۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے خواب دیکھا کوئی بلا ان کا پیچھا کر رہی ہے دارو چوہی نے اس بلا کو روکا اور حضرت پیری سید رشید الدولہ اور بلا کے درمیان دیوار بن گئی ہے۔

لالہ موسٰی والی عورت نے بنیان سونگھا سوچ کر کہا "جس کا بنیان لے کر آئی ہو اس پر اس حلیہ اور نام کی عورت نے جادو کرایا ہے وہ رشتہ دار ہے۔۔۔ یہ بھی کہا تعویز صحن والے دروازے کے نزدیک دیوار میں گڑے ہیں جب بھی یہ وہاں سے گزریں گے پکڑ میں آ جائیں گے۔۔۔ اور۔۔۔ کوئی مجذوب ہے جو اس صاحب کو خطرناک اثرات سے بچائے ہوئے ہے ورنہ کافی نقصان ہو سکتا تھا۔ تعویز جادو منتر کا مطلب ہے کہ۔۔۔"

آپا خالدہ سلمہا نے کہا کہ اب دروازہ گرا کر صحن کھلا کرانا چاہیے خالہ زاد بھائی شبیر، ڈنگہ سے آئے ہوئے تھے۔ موقعہ دیکھ کر دروازہ گرا دیا۔ دیوار ڈھانی شروع کی۔ اینٹوں سے چند تعویز زمین پر آ پڑے چاچی جی نے کاغذ کھولے دیکھا ایک میں ایک شکل انسانی بنائی گئی ہے اور اس کے سر پر سوئیاں چبھی ہوئی ہیں۔ ان تعویزوں کو جلا دیا گیا اور لالہ موسٰی والی عورت کی روایات کے مطابق تین کالے بکروں کی سریاں پائے صدقہ میں دیے گئے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ کو اس کے بعد دردِ سر کا عارضہ نہیں ہوا یہاں تک کہ دُور دیس سدھارے۔

ہم نے معنی تو بہت پہنائے

جس معنیِ پیچیدہ کی تصدیق کرے دِل
قیمت میں بہت بڑھ کے ہے تابندہ گہر سے

۱۔ خاطرِ احباب
۲۔ طلائی انگوٹھی
۳۔ کشمیر کے پہاڑیے
۴۔ بٹیرے
۵۔ ڈولی
۶۔ مرگھٹ
۷۔ شرارت

خاطرِ احباب

حضرت پیر سید رشید الدولہ کے دیوان خانے کے سامنے کھلے صحن میں بہت سے بیر کے درخت تھے ان کے پتے جھڑتے رہتے تھے۔ قریبی عزیزوں کے علاوہ محلہ پڑوس کے بچے سارا دن پتھر مارتے۔ بیر گراتے اور کھاتے تھے۔ گلہریاں، طوطے اور دوسرے پرندے جمع رہتے تھے بیر کتر کتر کر پھینکتے رہتے تھے رات کے سمے ایک اور پرندہ "کھنک" وارد ہوتا تھا اور ساتھیوں کے ساتھ تباہی مچاتا تھا۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے بیریوں کو ٹھیکہ پر لینے والوں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں بھی اس مصیبت سے پالا پڑتا ہے جس کا حل یہ ہے کہ ہر ایک درخت کے ساتھ ٹین کا کنستر باندھ کر، سب کو ایک ڈوری میں منسلک کریں اور آخری ڈبے کی رسی لمبی رکھیں اور اسے صحن میں باندھ دیں رات کو انہیں تین چار بار رسی کے ذریعہ کھینچیں کنستروں کی کھڑکھڑاہٹ سے ڈر کر بھاگ جائیں گے۔ نسخہ ترکیب استعمال یہ تھا ۔۔۔ ایک کنستر ٹین جس کا منہ ایک طرف سے کھلا ہوتا تھا دوسری طرف دو سوراخ کرتے تھے ایک سوراخ سے رسی کے ساتھ پتھر باندھ دیتے تھے۔ دوسری سوراخ کی رسی کے ساتھ کنستر اُلٹا ٹانگ دیا جاتا تھا۔ یوں ڈبہ کے اندر پنڈولم کی طرح پتھر جھولتا رہتا تھا اور بڑی رسی کھینچنے سے سب کنستر بیک وقت کھڑکھڑاتے تھے ۔۔۔

اس سارے اہتمام کا مقصد اِن اعلیٰ نسل کی بیریوں کی حفاظت مقصود تھی تاکہ پھل پکنے پر اپنے دوست احباب اور اہلِ خانہ کے تعلق والے گھروں میں ان درختوں کے میٹھے بیر "سوغات" کے طور پر بھیجے جاسکیں۔ جنہیں سال بھر سے ان بیروں کا انتظار رہتا ہے۔ اب کہاں ہیں وہ لوگ جو اپنے احباب کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی خیال رکھتے تھے۔

طلائی انگوٹھی

محکمہ اوقاف پنجاب نے درگاہ حضرت سید کبیر الدین شاہ دولہ دریائی کو قبضہ میں لیا تھا۔ کہ ایک عقیدت مند اپنی نذر لے کر دربار آیا۔ دیکھا پیرزادگان کی بجائے گورنمنٹ کا کلرک بیٹھا ہے اور نذر

نذرانے وصول کرتا ہے یوں وصولی پسندِ خاطر نہ ہوئی۔۔۔ بہرحال نذر و نیاز لے کر حضرت پیر سید رشید الدولہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اندازہ کرنا کیا مشکل تھا کہ نذر و نیاز محبت و حوصلہ سے کم، مگر طاقت و استقامت سے زیادہ ہے۔ نذر قبول فرمائی۔ کھانا منگوایا اور اسے کھلایا۔ جب اس نے اجازت چاہی تو حضرت پیر سید رشید الدولہ نے ایک طلائی انگوٹھی عطا کی۔ وہ پس و پیش کرنے لگا فرمایا "تم نذر لے کر آئے ہو تمہیں وہ خالی ہاتھ نہیں لوٹا سکتے ادھر بدلہ نہیں نہ اجر و معاوضہ ہے۔ صرف تبرک ہے اسے لے لو۔ دعا کروں گا کہ خدائے تعالیٰ بہ طفیلِ محمدؐ و آلِ محمد صلوٰۃ اللہ تمہاری مراد بر لائے آمین"۔

کشمیر کے پہاڑیے

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے مہمانوں کے لئے وسیع کمرے بنوائے جن کے آگے بر آمدہ تھا۔ کشمیر کی پہاڑیوں سے سردیوں میں مزدور لکڑیاں چیرنے اور محنت مزدوری کرنے میدانی علاقہ میں آ جاتے تھے ان کا ٹھکانہ حضرت پیر سید رشید الدولہ کا مہمان خانہ تھا ان کے علاوہ ضلع گجرات کے قرب و جوار کے گاؤں سے لوگ باگ عدالتوں میں تاریخیں بھگتنے آتے تھے تو مہمان خانہ میں رات بسر کرتے تھے۔ ان کے کھانے دانے، حقہ پانی کا بندوبست ہوتا تھا۔۔ کام کاج نوکر نوکرانیاں کرتیں تھیں جو کبھی کبھی ان غریبوں کی خاطر خدمت پسند نہیں کرتی تھیں۔

۔۔۔ یہیں ایک پہاڑیہ، آیمہ نامی سردیوں کی ایک رات قضائے الٰہی سے وفات پا گیا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے گھر کی خواتین سے فرمایا "جائیں اور اس کی میت کے پاس بیٹھیں، کوئی اسے لاوارث نہ سمجھے"۔ رحمہ ملازم سے فرمایا "چھانی اس کے گاؤں جاؤ اور وارثوں کو خبر کرو۔۔۔" جب تک اس کے وارث اس کی میت اٹھانے نہ آئے گھر کی بیبیاں میت کے سرہانے بیٹھی رہیں۔

سردیوں کی بے رحم اندھیری طویل راتوں میں پہاڑیے الاؤ کے گرد جسے "مچ" کہتے تھے جمع ہو کر پہاڑی گیت گاتے تھے تو عجب سماں بندھ جاتا تھا۔۔۔

یا جی لوگ پہاڑ دے پتھر جنہاں دے چت
انگ ملاون کدی کدی نین ملاون نت

مگر اب وہ مہمان و میزبان کہاں!

بٹیرے

میرے اباجی، پیر حضرت سید رشید الدولہ بڑے نرم دل، رقیق القلب تھے۔ مرغی تک ذبح ہوتے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ گوشت ناپسند کرتے تھے۔

دھند، پالا، قندھاری ہوائیں، اور سخت سردی تھی۔ شام کے وقت ملک دال سے ایک عقیدت مند پنجرے میں بٹیرے لایا۔ جنہیں سردی سے بچانے کے لئے موٹا کپڑا پنجرے کے گرد لپیٹا ہوا تھا۔ "پیر صاحب، کھانے پکانے کے لئے بٹیرے نذر لایا ہوں"۔ فرمایا "شکریہ" اور پرندے رکھ لئے مہمان شب بسری کے بعد صبح ناشتہ سے فارغ ہوا اور بٹیرے کھانے پکانے کی فرمائش کر کے رخصت ہوا۔

عزیز الدولہ ارشد، پیر صاحب کے اکلوتے بیٹے تھے انہیں چن پیر کہتے تھے ہم دونوں ایک رضائی میں بیٹھے خواب و خیالی میں بھنے ہوئے بٹیرے کھا رہے تھے کہ اباجی حکم نے دیا۔ "جاؤ ان بٹیروں کو آزاد کر دو"۔ کہا "بٹیرے اتنی دور سے آئے ہیں اتنی محنت سے پکڑے گئے ہیں۔ چلئے آپ نہ کھائیں۔ ہمیں کھانے دیں"۔ فرمایا "نہیں، انہیں آزاد کرو۔ آؤ، ایک کہانی سناؤں ۔۔۔" فرمایا "نہیں معلوم ہے کہ بکرے کی گردن پر چھری چلتی ہے تو بکرا غو، غو کیوں کرتا ہے" کہا "کیا معلوم" فرمایا "عمر خیام کا نام سنا ہے"۔ کہا "نہیں"، فرمایا "ایران کا مشہور فلسفی ریاضی دان اور شاعر تھا اس کی رباعیات؛ مشہور ہیں جن کا ترجمہ دنیا کی ہر زبان میں ہوا ہے وہ بکرے کی غو غو سمجھنے کا دعوے دار ہے۔ کہتا ہے کہ میں بکرا دنیا میں کونپلیں، شگوفے کھاتا رہا ہوں میں نے انہیں جوان ہونے نہیں دیا۔ مکافات عمل کے تحت اب میری گردن پر چھری چل رہی ہے۔ لوگ میرا گوشت کھائیں گے ۔۔۔ اب گوشت کھانے والوں کا کیا حشر ہو گا، خدا ہی جانے"۔

پیر صاحب اُٹھ کر باہر چلے گئے۔

ڈولی

اباجی دکھ درد بھری کہانی سنتے رو دیتے تھے ۔۔۔ برات ڈولی کے ساتھ گزرتی تھی، زار و قطار رونے لگتے تھے۔ یہ حالت دیکھی تو وجہ پوچھی، ٹال دیا "تم ابھی اس دکھ کو نہیں سمجھ پاؤ گے"۔ کہا "اباجی یہ کیسا دکھ ہے کہ آپ کی برداشت سے باہر ہے ۔۔۔" آخر ایک دن فرمایا "بیٹیاں ہیں۔ ماں باپ کے سامنے بول نہیں سکتیں، زبان کھولنا جرم ہے ۔۔۔ ماں باپ ناز و نعم سے پالتے ہیں۔ غریب آدمی

بھی انہیں وداع کرتا ہے تو قرض لے کر استطاعت سے بڑھ کر جہیز کے ساتھ رخصت کرتا ہے ۰۰۰ اب انہیں کون لے جارہا ہے۔ کہاں لے جارہا ہے ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا بڑی زندگی گزاریں گی یا بھلی، کیا حشر ہو گا معلوم نہیں۔ بے زبان ہیں گھر پرایا ہے یہ ڈولی جارہی ہے باجے بج رہے ہیں دیکھیں اس بچاری کی قسمت کا باجہ کیسا بجتا ہے۔ میں اس بات پر روتا ہوں"۔

مرگھٹ

دیوان خانہ سے شمال کی طرف تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر غیر آباد جگہ پر مرزئی مرگھٹ تھا جہاں ہندو اپنے مُردوں کو جلایا کرتے تھے۔ سارے علاقہ میں پیپل کے پرانے پرانے درخت پھیلے ہوئے تھے اور خاموشی میں دن کے وقت بھی ان درختوں کے سایوں تلے خوف آتا تھا۔ سب کا خیال تھا یہاں بدروحوں کا بسیرا ہے ۰۰۰ یہیں سادھو رہتے تھے۔ بھبھوت ملے ہوئے۔ جوگیا کپڑے کی دھوتیاں گلے میں باندھے ہوئے، بڑی بڑی مالائیں پہنیں، لوہے کے کڑے بازوؤں میں، لمبے بال راکھ سے سنہری، جٹادھاری ہاتھوں میں چمٹے لئے پھرتے تھے۔ دیوان خانہ کی مشرقی گلی سے گزر کر ہندوؤں کے محلوں میں جاتے تھے۔ جہاں ہندو ان کی بڑی خاطر تواضع کرتے تھے۔ سرِشام سادھو اسی راستے سے واپس چلے جاتے تھے کبھی سادھو ایک، دو کبھی تین بھی ہوتے تھے۔ دیوان خانہ کے ہال کمرے میں گلی والی دیوار کے ساتھ تخت پوش پر چھوٹے بڑے صندوق رکھے رہتے تھے۔ جن میں کپڑے زیور، نقدی دیگر قیمتی اشیاء رکھی جاتی تھیں۔ گرمی کے موسم میں سب گھر والے چھت پر یا دیوان خانہ کے کھلے صحن میں سوتے تھے۔

بے جی صبح سویرے منہ اندھیرے اٹھ کر کھڑکیاں دروازے کھولتی تھیں ایک دن ہال کمرے سے انہوں نے دیکھا صندوق غائب ہیں فرش پر کپڑے بکھرے پڑے ہیں۔ گلی والی دیوار میں نقب لگائی گئی ہے۔ ظفر ہاشمی کی بہن کی شادی تھی سب عورتیں قیمتی زیوارات پہن کر شادی میں شرکت کے لئے گئی تھیں اور واپسی پر زیورات وہیں صندوق میں بند کر دیے تھے۔ ہر طرف دیکھا بھالا کچھ اتہ پتہ نہ ملا۔ البتہ چند قدموں کے نشانات مرگھٹ کی طرف جاتے دیکھے گئے حضرت پیر سید رشید الدولہ نے رحمہ کو دوڑایا کہ استاد غلام رسول کو بلا لائے انہوں نے مشورہ دیا کہ پولیس کو اطلاع دیں اور پولیس والوں کی آمد سے پہلے ایک واقف کار کھوجی کو بلالیں جو چوروں کو پہلے بھی پکڑوا چکا ہے۔ رحمہ کو خط دے کر قریب

کے گاؤں بھیجا اور جلد ہی ایک سادہ ساز میندار آدمی آن پہنچا۔۔۔ کھوجی نے اپنا کام شروع کر دیا۔۔۔ زمین دیکھتا بھالتا پھرتا رہا۔۔۔ پولیس والوں نے تفتیش کا آغاز کیا۔۔۔ کھوجی کو معلوم ہوا کہ "کھرا" مرگھٹ کی دیوار تک جاتا ہے جس کے معنی تھے چوری کا مال مرگھٹ کے اندر ہے۔۔۔ انگریزوں کے زمانہ میں عبادت گاہوں یا جہاں مذہبی قسم کی رسومات ادا کی جاتی تھیں کوئی قدم نہیں دھر سکتا تھا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب سے خاص اجازت لی گئی۔۔۔ بالآخر سادھو پکڑ کر تھانے لائے گئے۔ کھوجی نے مرگھٹ کے اندر "کھرے" کا پتہ چلایا۔ یہ گدھے کے تھان تک آتا تھا۔ گدھا مئنہ زور تھا کسی کو قریب نہیں آنے دیتا تھا۔ استاد غلام رسول نے مجید موذے واٹر والے اور دو تین آدمیوں کو بلایا انہوں نے گدھے کو قابو کر لیا نور پور سے کدالیں منگوائیں گدھے کے تھان والی زمین کھود ڈالی صندوق اور کچھ گٹھڑیاں برآمد ہوئیں۔ صندوق خالی تھے زیورات، نقدی، قیمتی کپڑے سب غائب تھے۔ سادھوؤں نے تھانے میں کہا "سادھو سنت ہیں چور نہیں اور سیدوں کے گھر چوری ہمارا دھرم نہیں۔۔۔" پولیس کو صندوقوں کی بازیابی کی اطلاع دی گئی۔ اب انہوں نے رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ پولیس نے ان کی خوب مرمت کی۔۔۔ معلوم ہوا یہ بڑا گروہ ہے جو مختلف علاقوں میں پھیلا ہوا ہے۔۔۔ یہ لوگ موقعہ پا کر جہاں چوری کرتے تھے کسی کو جان سے بھی مار ڈالتے تھے تاکہ چوری کی بجائے قتل کی طرف توجہ منتقل ہو جائے اور اسی دوران میں مال آسانی سے ٹھکانے لگا دیا جائے۔۔۔ چوری انہوں نے آخر مان لی اور گروہ کے نام پتے دے دیے زیورات جو سنار کے پاس بیچے تھے مل گئے، نقدی نہ مل سکی۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ گاہے گاہے ذکر کرتے تھے۔ نہ مال کا دکھ تھا نہ زیورات، نہ نقدی کا۔ دل کھاتے تھے خدا جانے کتنے گھروں کو ان ظالموں نے لوٹا ہو گا اور کیسے کیسے جان سے مارا ہو گا۔

شرارت

دولت نگر کے قریب چک یوسف میں حضرت پیر سید رشید الدولہ کی زمینیں تھیں۔ مزارع سب ہندو تھے فصل پر گندم، چنا، باجرہ، مکئی اور دوسری اجناس کٹائی اور ستھرائی کے بعد اونٹوں پر لاد کر گجرات لاتے تھے۔۔۔ سواری کے لئے ایک دو گھوڑیاں ساتھ ہوتی تھیں۔ دیوان خانہ میں پہنچ کر اجناس وغیرہ اندر بھجواتے اور رات بسر کرنے کے لئے جانوروں سمیت دیوان خانہ سے ملحقہ "دارا" میں ٹک جاتے تھے۔۔۔ ایک دفعہ ایک مزارع گھوڑی کے ساتھ بندر بھی لے آیا۔ دارے میں پکی

کھرلیاں نہیں تھیں۔ صرف لکڑی کی ایک اونچی کھرلی گھوڑیوں کے لئے موجود تھی۔ مزارع نے گھوڑی کو کھونٹے سے باندھا کھرلی میں چارہ ڈال کر کھرلی پاس کھسکا دی ساتھ ہی چارپائی بچھالی بندر کو چارپائی کے پائے کے ساتھ باندھ دیا۔ انتظامات مکمل کرنے کے بعد آخری شو گجرات کے میجسٹک سینما میں دیکھنے چلا گیا۔۔۔ نثار مرزا اپنے جگری دوست تھے۔ (جو فی الحال لندن میں ایک ہوٹل شیراز کے مالک ہیں اور ساؤتھ امریکہ جاتے ہوئے نثار مرزا سے لندن میں ملاقات ہو جاتی ہے)۔ بہرحال اُسی رات اپنا پروگرام بھی شو دیکھنے کا بنا۔ فلم ہنٹر والی میں جان کونس اور ناڈیا نے مار دھاڑ کا بھرپور کام کیا تھا۔ رات گئے واپسی ہوئی نثار مرزا سے کہا "اب گھر کہاں جاؤ گے ڈیرے پر کھلے صحن میں چارپائیاں بچھا کر سو جاتے ہیں صبح گھر چلے جانا۔۔۔" آرام سے سو گئے۔ آدھی رات کے بعد آخری شو سے مزارع بھی آ گیا۔۔۔ تھوڑی دیر کے بعد گھوڑی نے دولتیاں جھاڑنی شروع کر دیں۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ کی آنکھ کھل گئی۔ وارے میں آئے کہا "نصیر، نثار کو بھی جگالو اور تماشہ دیکھو"۔ بندر نے جلتا ہوا سگریٹ کا ٹکڑا پکڑ رکھا تھا۔ اور اس سے گھوڑی کی ٹانگ کو داغ رہا تھا۔۔۔ مالک فلم دیکھ کر آیا سگریٹ جلا کر لیٹ گیا۔ فوراً نیند آ گئی سگریٹ ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی بندر نے اٹھالی اور کارستانی شروع کر دی۔ جب سگریٹ اس کی ٹانگ پر لگتی گھوڑی کھرلی پر زور سے دولتی مارتی جس سے خوفناک آواز پیدا ہوتی تھی۔۔۔ بندر کا مالک اٹھا اس نے دیکھا بندر بار بار جلتا سگریٹ گھوڑی کی ٹانگ کو لگانے کی فکر میں ہے۔ اس نے بندر سے سگریٹ لے لیا۔ کھرلی کو پرے دھکیلا چارپائی ادھر کر لی بندر پائے سے بندھا رہا۔ شرارت کے امکان البتہ کم کم ہو گئے اور صرف یہی ڈر تھا کہ بندر کسی طرح گرہ کشائی نہ کر لے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا "مان لیتے ہیں شرارتی آدمی بندر کی ارتقائی صورت ہے۔۔۔ اول تو یہ ہے کہ بندر آدمی بن گیا آدمی بھی بندر بن سکے گا۔ اگر قدر مشترک موجود ہے۔۔۔ لوگ نیک، خدا ترس ہوتے ہیں یہ تو بندر کی ارتقائی شکل نہیں لے سکتے۔۔۔ اب کیا فرماتے ہیں ڈارون صاحب بیچ اس مسئلہ کے، کیا نیک آدمی بندروں کی ارتقائی صورت میں بندر ایک درجہ بڑھ سکتا ہے آدمی ہو سکتا ہے آدمی ایک درجہ گھٹ کر بندر ہو سکتا ہے۔ نیک آدمی نیک بندروں سے بنے ہیں" فرمایا "چلو اب سو جاؤ خوب سوچ سمجھ کر جواب دینا۔ ماشاء اللہ سائنس دان ہو۔۔۔" حضرت پیر سید رشید الدولہ مسکراتے ہوئے خود بھی آرام کے لئے تشریف لے گئے۔

کیمیا گری

مقامِ گفتگو کیا ہے اگر میں کیمیا گر ہوں
یہی سوزِ نفس ہے اور میری کیمیا کیا ہے

۱۔ یاسین خان صاحب اور مستری فضل کریم صاحب

۲۔ سادھو جی

یامین خان صاحب اور مستری فضل کریم صاحب

ان کا نام یامین خان تھا۔ پٹھان تھے آزاد قبائلی علاقہ سے تعلق رکھتے تھے مگر پٹھان ذرا کم، سنیاسی سادھو زیادہ معلوم ہوتے تھے ہاتھوں میں لمبا موٹا لٹھ رکھتے تھے جو ان کے قد سے نکلتا ہوتا تھا۔ ساتھ خوب رو نوجوان پٹھان ہوتا تھا۔ یہ ملازم تھا مگر نوکر کم باڈی گارڈ زیادہ اور اس سے بھی زیادہ باورچی تھا۔ خدمت گزار تھا۔ اشارہ کی زبان سمجھتا تھا۔ خان چارپائی سے اٹھنے کا ارادہ کرتے یہ جوتیاں سیدھی کر دیتا اور لٹھ ہاتھ میں تھما دیتا تھا۔

خان صاحب تشریف لاتے تو کئی کئی ہفتے قیام فرماتے۔ مناسب استقبال کے بعد حضرت پیر سید رشید الدولہ بہ نفسِ نفیس ان کے لئے چادر، چارپائی پر بچھا کر گاؤ تکیہ لگا دیتے تھے ۰۰۰ اندرونِ خانہ سے ایک گٹھڑی بھی اٹھا لاتے تھے جس میں ایک دیگچہ، تین درجن کے قریب سلور پلیٹیں ایک لکڑی کی ڈوئی، ایک صافی ہوتی تھی۔ جب تک خان صاحب قیام فرماتے یہ گٹھڑی کھلی رہتی تھی واپسی کے وقت نوکر برتن دھو دھا کر صاف خشک کرتا اور گٹھڑی باندھ دیتا جسے حضرت پیر سید رشید الدولہ اٹھا کر اندر رکھ آتے تھے۔ جہاں یہ خان صاحب کے انتظار میں دھری رہتی تھی۔

خاں صاحب لباس کے نیچے سفید لٹھے یا کھدر کا "سلوکا" پہنتے تھے جس کے اوپر دو بڑی جیبیں ہوتی تھیں تشریف آوری کے ساتھ اپنے آدمی کو خان صاحب معمولی ہدایات پشتو میں دے کر اندر کی جیب سے مٹھی بھر روپیہ نکال کر دیتے وہ بازار چلا جاتا ۰۰ اسے معلوم ہوتا تھا کیا کیا خریدنا ہے ۰۰۰۰ صرف ہمیں اتنی ہی خبر تھی کہ وہ چھوٹا گوشت ڈھیر سالاتا تھا جسے وہ خود ہی لکڑیوں کی آگ والے چولہے پر پکاتا تھا۔ یہی ان کی خوراک تھی گوشت اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ دیوان خانہ میں رہنے والوں، دیگر مہمانوں اور اہلِ خانہ کے لئے کافی ہوتا تھا۔ خان صاحب جب تک قیام فرماتے گوشت منگواتے کھاتے اور کھلاتے رہتے تھے یہی ان کا معمول تھا۔

خاں صاحب پہاڑوں میں اکثر سیر و سفر کے لئے جاتے تھے مُون سُون کے موسم میں گجرات بارش ہوتی جس کے تھمتے ہی بند کے ساتھ نوکر کی ہمراہی میں نکل پڑتے کبھی بوٹی لے آتے تھے کبھی

نہیں، بوٹی نہایت احتیاط کے ساتھ باندھ کر لاتے تھے۔ کسی دوسرے کو معلوم نہیں ہو سکتا تھا کو نسی بوٹی ہے ۔۔۔ دیوان خانہ میں داخل ہوتے تو معلوم ہو جاتا تھا کہ خان صاحب کامیاب لوٹے ہیں یا نہیں۔ بیٹھنے سے پہلے حضرت پیر سید رشید الدولہ سے کہتے "مستری فضل کریم صاحب کو بلا لیں"۔ فضل کریم صاحب کے پیر صاحب کے خاندان سے گہرے مراسم تھے دیوان خانہ میں اندر یا باہر کوئی نئی تعمیر یا مرمت درکار ہوتی یہ کام مستری فضل کریم صاحب کرتے تھے۔ مزدوری وہ نہیں لیتے تھے۔ بعض اوقات حضرت پیر سید رشید الدولہ مستری جی کی منت بھی کرتے مگر وہ نہیں مانتے تھے ۔۔۔ خان صاحب، مستری فضل کریم صاحب اور نوکر اب اور بوٹیاں بیلے سے لانے کے بعد چند اجزا بازار سے خریدنے جاتے تھے ملازم کو یہ اجزا معلوم تھے مگر جب وہ یہ اجزا خریدتا تھا مستری فضل کریم صاحب ساتھ نہیں ہوتے تھے۔ صرف بوٹیاں لانے جاتے تھے۔ حسبِ مناسب اجزا مہیا کرنے کے بعد ان کا ملازم سبز رنگ کی موٹی شیشہ کی بوتل جو کشتہ کرنے میں کام آتی تھی لیتا تھا روئی کے ساتھ مٹی گوندھ کر اس کے گرد اچھی طرح "لپائی" کر دیتا تھا۔ پھر ایک کپڑے کی ٹاکی لے کر اس کے اِرد گرد لپیٹتا تھا جس پر گیلی مٹی کی ایک اور تہہ جماتا تھا۔ اب اسے دھوپ میں خشک ہونے کے لئے رکھ دیتے تھے۔ یاد رہے اس تمام عمل کو فنِ کیمیاگری میں "گلِ حکمت" کہا جاتا ہے۔ پھر حضرت پیر سید رشید الدولہ سے کہتے "اس کشتہ کی تیاری کے لئے کچھ اوپلے درکار ہیں"۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ کمہار کو بلا کو بندوبست کرا دیتے تھے۔ سب انتظامات مکمل ہو جانے کے بعد خان جی پچھواڑے ویران مسجد کے صحن میں اندر چلے جاتے۔ نوکر باہر کھڑا رہتا تھا کوئی اور دوسرا اندر نہ آنے پائے احتیاطاً ملازم بھی منہ موڑ کر پُشت کر کے کھڑا ہوتا تھا۔ تمام اجزا بوتل میں ڈال کر منہ بند کر دیتے تھے جو اجزا بچ جاتے احتیاط کے ساتھ باندھ کر لاتے اور سامنے جلا دیتے اور پھر راکھ نالی میں ڈال دی جاتی ۔۔۔ ایک بار صرف، ان سے یہ سُنا کہ تانبے کو بوٹیوں کی مدد سے "پھُل" کرنا حتیٰ کہ سفید ہو جائے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ سے خان صاحب باتیں کر رہے تھے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ بھی تانبے کو "پھل" کرنا جانتے تھے۔ اور کشتہ ہذا کئی مرضوں میں کنگ برابر چھٹانک مکھن کے ساتھ کھانے کی ہدایت فرماتے تھے۔

اب خان صاحب چھوٹا سا گڑھا بناتے تھے اور بوتل کو اس میں اس طرح رکھتے تھے کہ سارا نچلا حصہ زمین کے اندر رہے صرف منہ زمین سے باہر، اس کے ارد گرد اوپلوں کا بڑا چکر بنایا جاتا تھا اس کے اوپر ایک چھوٹا چکر اس کے اوپر اور چھوٹا۔ چکر بتدریج چھوٹے ہوتے جاتے تھے آخری چکر صرف ایک

اد پلے اوپر رکھ کر بند کر دیا جاتا تھا۔ اب شکل گول تکوں کی بن جاتی تھی۔ نچلے حصہ سے آگ دکھائی جاتی تھی۔ تھوڑی دیر تک خان صاحب نگرانی فرماتے تھے پھر نوکر تھوڑے فاصلہ پر چارپائی بچھا دیتا تھا گاؤ تکیہ کے سہارے ہو کر خان صاحب ایک بڑی لکڑی کے دانوں کی تسبیح نکال لیتے تھے اور دانے رولتے رہتے تھے ملازم آگ کی نگرانی کرتا رہتا تھا حتیٰ کہ آگ خود بخود اد پلے جلنے کے بعد ٹھنڈی ہو جاتی تھی۔ خان صاحب بوتل نکال کر گلے میں لٹکے ہوئے "جھولے" میں ڈال لیتے تھے۔

مستری فضل کریم صاحب برس ہا برس خان صاحب کی منت سماجت کرتے رہے کہ ان پر رحم کریں اور بتلا دیں مگر وہ نہیں مانتے تھے نہ مانے۔ اب مستری فضل کریم نے حضرت پیر سید رشید الدولہ کو تعلقات کا واسطہ دیا کہ اس کی سفارش کریں۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا "اگر انہوں نے بات ٹال دی تو دوستی کی دیواریں جو بھائی صاحب آغاجی کے وقت سے چلی آ رہی ہیں اُن میں دراڑ پڑ جائے گی۔ مجھے معلوم ہے خان صاحب کیمیا گر ہیں۔ مگر میں صرف خدمت کرتا ہوں"

"سوال نہیں کرتا"۔۔۔ پر مستری فضل کریم کی طرف دیکھا اور فرمایا "اچھا تمہاری خاطر عرض کروں گا وہ مالک ہیں مانیں نہ مانیں"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ تلکہ گیر کر خان صاحب کو نہلا رہے تھے۔ فرمایا "خان صاحب ایک گزارش ہے فضل کریم دوست ہے۔۔۔" خان صاحب نے کہا "اچھا سمجھ گیا ہوں۔"

اگلی بارش چند دنوں بعد ہوئی خان صاحب مستری فضل کریم اور نوکر سمیت ریلوے لائن گجرات کے ساتھ بوٹیاں دیکھتے ہری پور بند تک پہنچ گئے۔ خان صاحب نے مستری فضل کریم صاحب کو ایک بوٹی دکھلائی کہا "اسے پہچان لو" جب وہ بوٹی اکھیڑنے لگے کہا "ابھی نہیں یہ کام کی نہیں چند دن اور انتظار کرو" تھوڑی دیر ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ اور چلتے گئے پھر واپس ہونے مستری فضل کریم صاحب سے کہا "واپس چلو" وہیں پہنچے، کہا "کونسی بوٹی ہے" مستری فضل کریم صاحب نے ایک بوٹی کی طرف اشارہ کیا۔ خان صاحب نے کہا "درست۔۔۔" ساون بارش کے بعد مستری جی بوٹی لینے گئے مگر ناکام لوٹے۔۔۔ مستری جی کئی برس پیر ننگے شاہ صاحب کے پاس دودھ کی نذر لے کر جاتے تھے کہ دعا کریں انہیں بوٹی نظر آ جائے مگر بوٹی نہ ملنی تھی نہ ملی۔ اور وہ خود اس حسرت کے ساتھ اس دنیا سے سدھارے۔

خان یامین خان غریبوں مسکینوں کو اللہ کی راہ میں بے دریغ خیرات دیتے تھے خود وہی سادہ

سادھوانہ لباس جس میں ایک کالا چولا ہوتا تھا پہنے رہتے ۔۔۔ ایک دوبار دیکھا انہوں نے شلوکے کی جیب سے سونے کی ڈلی یا برادہ نکالا اور ملازم کو دیا کہ سناروں کے بازار دے آئے اور جتنی رقم ملے لے آئے۔

سادھو جی

تقسیمِ ہندوستان سے قبل کی بات ہے زمیندار کالج جھمبر روڈ کے گراؤنڈ میں ایک درخت تلے ایک سادھو آبیٹھا۔ وہ نہ کچھ کھاتا پیتا نہ ہلتا جلتا تھا نہ کسی سے بات چیت کرتا تھا۔ نذر نذرانہ بھی نہیں لیتا تھا گیان، دھیان تھا اور سادھو جی۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ تک اس کی خبر پہنچی۔ اُنہیں سادھوؤں، سنتوں، فقیروں اور درویشوں سے ملنے ملانے کا شوق تھا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ مہاراج کی خدمت میں حاضر ہوئے آج انہوں نے نظر اٹھائی اور حضرت پیر سید رشید الدولہ کو دیکھتے رہے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ سادھو کو دیکھتے رہے جیسے پرانے دوست ایک دوسرے کو پہچان گئے ہوں۔ بات چیت نہیں ہوئی

ما اگر مکتوب ننوشتم عیب ما مکن
درمیان رازِ مشتاقاں قلم نامحرم است

مہینہ بھر ایسا ہی ہوا۔ پھر مطب حضرت پیر سید رشید الدولہ پر ایک نوجوان کاغذ کا پرزہ لئے آیا۔ ھندی حروف میں لکھا تھا "دس روپے بھیج دیں۔ یہ لڑکا پہنچا دے گا"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے نظر اٹھائی رک گئے۔ فرمایا "سادھو جی کسی سے کلام نہیں کرتے" اس نے کہا "میں کالج میں پڑھتا ہوں اور دوسروں کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ انہوں نے مجھے اشارہ سے بلایا اور کہا شاہ دولہ روڈ پر حضرت پیر سید رشید الدولہ رہتے ہیں انہیں یہ پتر پہنچا دیں۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ سفید لباس پہنتے ہیں۔ سر پر پگڑی سفید باندھتے ہیں۔ حکیم ہیں"۔ فرمایا "اچھا بے فکر رہو۔ رقم انہیں مل جائے گی" لڑکا چلا گیا۔ سامنے بہت سے مریض موجود تھے۔ دس روپیہ لفافہ میں بند کئے۔ مطب سے نکلے شاہدولہ گیٹ پہنچے۔ کوئی تانگہ موجود نہیں تھا۔ اتنے میں دیکھا ایک نوجوان سائیکل پر چلا آرہا ہے اشارے سے اسے بلایا دریافت فرمایا "کہاں جانا ہے"۔ کہا "پیر جی کالج جارہا ہوں" فرمایا "تمہارے کالج کی گراؤنڈ میں ایک سادھو تشریف فرما ہیں انہیں یہ لفافہ دے

دینا"۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ مطب واپس آ گئے۔

مصروفیات کے باعث کئی روز درشنوں کے لئے نہ جا سکے۔ ایک دن بارہ بجے کے قریب حضرت پیر سید رشید الدولہ کی خدمت میں ایک شخص پرانا کاغذ کا پرزہ لئے آیا۔ کہا" یہ سادھو جی نے دیا ہے"۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے پرزہ لے کر رکھ لیا۔ مریضوں سے فراغت کے بعد پڑھا۔ ہندی حروف میں طاقت کی ایک دوا کا تیر بہدف نسخہ لکھا ہوا تھا۔۔۔ اس کے بعد فنِ کیمیا کے سلسلہ میں ابتدائی مراحل طے کر کے پارہ کو اکسیر بنانے میں ایک آنچ کی کسر تک لے آنے تھے۔ لکھا تھا" اب زندگی تھوڑی رہ گئی ہے۔ اور سفر پر جانا ہے۔ جلدی ملنا۔۔۔"

تیسرے روز حضرت پیر سید رشید الدولہ گراؤنڈ پہنچے مگر سادھو جی کوچ کر گئے تھے۔ اکسیر بنانے کے عمل بتلانے کی فرصت نہیں مل سکی۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کی کچھ عرصہ بعد خواب میں سادھو جی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا اصلی سونا تو وہی قوت والا نسخہ ہے۔ رہا سونا بنے یا نہ بنے کیا فرق پڑتا ہے۔

خاکسار تنظیم

لگتا تھا دیکھنے میں جو انسان کم سخن
جب بولنے پہ آیا ، زمانے پہ چھا گیا

۱۔ مناظرہ

۲۔ شمولیت سے انکار

۳۔ کوئٹہ میں زلزلہ

۴۔ قانون کی پابندی

۵۔ مگر ڈیوٹی دی

۶۔ S.O.S

۷۔ مولوی کا غلط مذہب

مناظرہ

حیدر آباد سندھ میں ایک نامور عالم دین فاضل مولانا تھے۔ اپنے علاقے میں بڑے مانے جاتے تھے۔ رسالہ بھی نکالتے تھے جس کا نام "طیراًابابیل" تھا۔

مولانا خاکسار تحریک کے مخالف تھے ۰۰۰ خاکساروں سے بحث مباحثہ کرتے رہتے تھے اور اکثر قرآنی حوالہ جات سے خاکساروں کو لاجواب کر دیتے تھے ۰۰۰ ادارہ عالیہ اچھرہ اس کی اطلاع دی گئی نظریاتی کونسل کے اراکین پر مشتمل وفد حیدر آباد گیا مگر حضرت مولانا کو لاجواب نہ کر سکا۔ حضرت علامہ مشرقی نے بہ نفسِ نفیس اس معاملہ کو ہاتھ میں لیا اور حضرت پیر سید رشید الدولہ کو حیدر آباد مناظرہ کے لئے بھیجا ۰۰۰ حضرت پیر سید رشید الدولہ "صاحب نشان" تھے حیدر آباد میں انہیں اکیس گولوں کی سلامی دی گئی۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے جگہ اور وقت سے متعلق انتخاب کے سلسلہ میں حضرت مولانا سے رابطہ قائم کرنے کا حکم دیا تھا ۰۰۰ حیدر آباد میں بڑی عزت و احترام کے ساتھ خوش آمدید کہا گیا مگر سب حیران ضرور تھے کہ یہ نوجوان کیسے پختہ کار مولانا سے نپٹ لے گا بعض نے دبی آواز سے کہا "آپ اتنی دور سے آئے ہیں مگر نہ آپ عالم و فاضل معلوم ہوتے ہیں نہ حوالہ وغیرہ کے لئے کوئی کتاب ہی ساتھ ہے۔ حکم دیں تو کتابوں کا بندوبست کیا جائے" حضرت پیر سید رشید الدولہ نے حسب عادت مسکرا کر کہا ۰۰۰ "نہیں، اطمینان رکھیں اللہ تعالیٰ بہتر ہی کرے گا"۔

دوسرے دن حضرت پیر سید رشید الدولہ خاکساروں کے جلو میں پنڈال پہنچے دیکھا کہ بڑے بڑے اشتہارات لگے ہوئے ہیں طے یہ پایا تھا کہ چند ایک شرفائے شہر کی موجودگی میں مناظرہ ہو گا ۰۰۰ مگر اب کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا لوگ بے تحاشا جمع تھے ڈھول تاشے پیٹتے جا رہے تھے حضرت پیر سید رشید الدولہ اطمینان و اعتماد کے ساتھ سٹیج کی طرف بڑھتے گئے اور حضرت مولانا کے سامنے تشریف فرما ہوئے مزید وقت ضائع کئے بغیر حضرت پیر سید رشید الدولہ نے معززین شہر کو دعوت دی کہ اس مناظرے کو خوشگوار بنائیں مزید فرمایا "مناظرے کے سلسلہ میں حضرت مولانا کوئی شرط پیش کرنا چاہیں تو پیش فرمائیں" انہوں نے کہا "میری کوئی شرط نہیں ہے" حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا "میری پہلی

شرط یہ ہے کہ اس مناظرہ میں فریقین جو کہیں گے بلند آواز سے کہا جائے گا تاکہ لوگ باگ سب سنیں اور خود بھی فیصلہ کریں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جس آیہ کریمہ کا حوالہ دیا جائے گا اس کے ساتھ پارہ رکوع اور آیت نمبر کے ساتھ شانِ نزول بھی بیان کی جائے گی، تیسری شرط یہ ہے کہ جیتتا ہوں تو حضرت مولانا خاکساروں کی وردی پہن کر پریڈ میں سب کے سامنے شامل ہوں گے۔ وردی ساتھ لایا ہوں۔ بصورتِ دیگر میں خود بیلچہ سے آپ حضرات کی موجودگی میں مولانا کا سر قلم کر دوں گا۔ مجھے مناظرہ کی شرائط کے مطابق حق حاصل ہو گا"۔

حضرت مولانا پر رعب طاری ہو گیا یا کیا بات ہوئی۔ معلوم نہیں۔ اٹھے تو قدم ڈگمگا رہے تھے بولے تو آواز کانپ رہی تھی شاید دھمکی نفسیاتی اثر کر گئی ہو گی مولانا نے فرمایا "یہ داڑھی نہیں رکھتے۔ یہ بات سنت کے خلاف ہے" حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا "میں یہاں مناظرہ داڑھی کے جواز پر کرنے نہیں آیا آپ کہتے ہیں قرآنِ شریف میں خاکسار تحریک کے خلاف آیت موجود ہے ذرا اس کی بات کریں"۔ مولانا نے بسم اللہ کے بعد آیت کی تلاوت شروع کی چند الفاظ کے بعد آیت ذہن سے نکل گئی زبان رک گئی۔ لکنت کرنے لگے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی ترجمہ کیا شانِ نزول بیان کی آیت نمبر بتلایا اس سے پہلے آیت معنی و مطالب و نمبر کے ساتھ بیان فرمائی تاکہ سیاق و سباق سامنے رہے ۰۰۰ پھر فرمایا "اب بتلائیے اس میں خاکسار تحریک کی ممانعت و مخالفت کہاں ہے" مولانا کیا جواب دیتے۔ ہر طرف سے پہلے ہی تالیاں بجنے لگیں لوگ پکارنے لگے۔ علامہ مشرقی زندہ باد مولانا کو شکست تسلیم کرنی ہی پڑی ۰۰۰ وردی پہن کر پریڈ میں بھی شامل ہو گئے۔

شمولیت سے انکار

حضرت علامہ عنایت اللہ خان المشرقی، محمد شریف سالار، میاں معراج دین، رؤف خاں (سائیں رحیمؒ کے صاحب زادے) کلیم اللہ، میر عبدالغنی جلال پور جٹاں والے اور حضرت پیر سید رشید الدولہ کی ہمراہی میں ڈاکٹر رشید صاحب کو تحریک میں شرکت کی دعوت دینے کے لئے کلینک (موجودہ شملہ سٹور، گجرات کی دوکان) تشریف لے گئے (یاد رہے ڈاکٹر صاحب نے گھر کے صحن میں فوارہ لگا رکھا تھا اور پیڈسٹل فین جو کوئلوں کی بھاپ سے چلتا تھا۔ جب فوارہ چلتا تھا تو لوگ جمع ہو جاتے تھے سادہ لوگوں کے لئے یہ ایک عجوبہ تھا)۔ میر عبدالغنی جلال پور جٹاں والے اور حضرت پیر سید رشید الدولہ

انہیں قائل کرنے کی بہتیری کوشش فرمارہے تھے مگر ڈاکٹر صاحب ٹس سے مس نہیں ہوتے تھے اور تحریک میں شمولیت سے انکار ہی کرتے جاتے تھے حضرت علامہ عنایت اللہ المشرقی اٹھ کھڑے ہوئے فرمایا "اگر ڈاکٹر صاحب صراطِ مستقیم پر چلنا نہیں چاہتے تو انہیں اختیار ہے انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیں" حضرت پیر سید رشید الدولہ کو فرمایا "اب چلیں مزید وقت ضائع نہ کریں" ۔ ابھی کلینک سے باہر قدم رکھا تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے کہا "میں آپ کے لئے دعا کروں گا" علامہ صاحب بپھرے ہوئے شیر کی طرح پلٹے اور برجستہ کہا" دعا نہیں بددعا کریں آپ کی نہ دعا لگتی ہے نہ بددعا۔"

کوئٹہ میں زلزلہ

۱۹۳۵ ء میں زلزلہ کیا آیا کوئٹہ میں قیامت آگئی سارے ہندوستان میں کہرام مچ گیا جن کے عزیز اقارب وہاں تھے۔ کوئٹہ جانے کی سرتوڑ کوشش کرنے لگے مگر ریلوے کا سلسلہ درہم و برہم تھا۔ سکھر سے کچھ آگے تک ریلوے لائن ٹھیک تھی ۰۰۰ سماجی تنظیموں میں سے سب سے پہلے پہنچنے والوں میں خاکساروں کا جیش تھا جس کے سربراہ حضرت پیر سید رشید الدولہ تھے۔ جہاں تک ٹرین گئی ٹرین سے گئے آگے حشر کا سماں تھا مضافات کا یہ حال تھا کوئٹہ پر کیا گزری اندازہ بخوبی کیا جا سکتا تھا تمام عمارات زمین بوس ہو گئی تھیں درخت گرے پڑے تھے ہر طرف خاک اڑ رہی تھی۔ یہاں کون بچ سکتا تھا۔ بچا ہو گا تو اسے معجزہ سمجھیے۔ خاکساروں نے ایک موزوں جگہ پر کیمپ لگایا اور ملبے تلے، زندوں، زخمیوں، مُردوں کی تلاش شروع کی خاکساروں کا مخصوص نشان بیلچہ جو سب کے پاس تھا اس کی مدد سے دن رات کھدائی کا کام کیا گیا بے شمار لاشیں نکالیں زندہ اور زخمی کم کم نکلے۔ انگریز حکمرانوں میں افسران بالا بھی وہاں پہنچے ہوئے تھے خاکساروں کی تنظیم کا کام دیکھا بڑے متاثر ہوئے ۰۰۰ حضرت پیر سید رشید الدولہ سے درخواست کی کہ لالہ کیدار ناتھ کا کچھ اتہ پتہ نہیں مل رہا۔ براہ مہربانی ڈھونڈ نکالیں کسی بلڈنگ کے نیچے دبے ہوں گے۔ لاش ہی مل جائے تو افسرانِ بالا کو منہ تو دکھلا سکیں۔ بڑی جستجو کی گئی بڑی بھاری چھتوں کو الٹا پلٹا کیا مگر لالہ جی کا پتہ نہ ملا۔

اس میں بہتری ہو گی۔ ورنہ مسلمانوں، ہندوؤں، سکھوں میں جھگڑا ہو جاتا کہ لالہ جی ہمارے ہیں ۰۰۰ مگر کون کسی کا سدا رہے نام اللہ کا، یا اللہ والوں کا۔

قانون کی پابندی

حضرت پیر سید رشید الدولہ کا تحریک خاکسار گجرات سے گہرا تعلق تھا۔ انہیں علم و فضل اور اصول کی پابندی کے باعث، حضرت علامہ عنایت اللہ خان المشرقی بانی تحریک کا قرب حاصل رہا۔۔۔ حضرت علامہ عنایت اللہ المشرقی گجرات تشریف لاتے تھے تو حضرت پیر سید رشید الدولہ کے دیوان خانہ پر ٹھہرتے تھے۔۔۔

یو پی میں بلند شہر خاکساروں کا کیمپ لگا حضرت پیر سید رشید الدولہ سالارِ اکبر تھے حضرت علامہ عنایت اللہ المشرقی نے حکم دیا کہ کوئی خاکسار (خواہ میں وہ خود ہوں) رات بارہ بجے کے بعد کیمپ میں آئے گا اسے بیس کوڑے مارے جائیں گے۔ رات کا ایک بج رہا تھا کیمپ کے گیٹ پر پہرہ دار خاکسار نے دیکھا دو خاکسار کیمپ کی طرف آرہے ہیں قریب آئے معلوم ہوا ایک خود حضرت علامہ عنایت اللہ المشرقی ہیں۔ انہیں دیکھ کر گھبرا گیا حضرت پیر سید رشید الدولہ نے کوڑے مارنے والے کو طلب کیا حکم دیا کہ ہر دو حضرات کو بیس بیس کوڑے مارے جائیں۔ غریب کو ہمت نہ پڑی دوبارہ حکم دیا گیا وہ سر جھکائے کھڑا رہا حضرت پیر سید رشید الدولہ نے کوڑا اس کے ہاتھ سے لے لیا آگے بڑھے حضرت علامہ عنایت اللہ المشرقی دو زانو ہو بیٹھے۔ اب کوڑے مارنے والے نے حکم کی تعمیل کی۔ حضرت علامہ عنایت اللہ المشرقی پھر ان کے ساتھی کو کوڑے مارے۔

حضرت علامہ عنایت اللہ المشرقی کیمپ میں داخل ہوئے فرمایا "حضرت پیر سید رشید الدولہ کو سالارِ اکبر بنایا ہی اسی لئے تھا کہ بااصول، قاعدہ قانون کے پابند ہیں اور پابندی کرا سکتے ہیں"۔

۔۔۔ مگر ڈیوٹی دی

خاکساروں کا کیمپ شاہ جہانگیر کے مقبرے کے قریب "نالی" (ندی جسے دواڑہ کہتے ہیں) میں لگا ہوا تھا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ کا دوسرا صاحب زادہ مظہر علی بہ عمر چار برس ایسا بیمار ہوا کہ بچنے کی امید نہیں رہی حضرت پیر سید رشید الدولہ کو بطورِ خاص اجازت دی گئی کہ رات کے وقت کیمپ میں سونے کی بجائے گھر چلے جائیں مگر صبح سات بجے سے سات بجے شام تک ڈیوٹی دیں۔

مظہر علی کی طبیعت بہت بگڑ گئی حضرت پیر سید رشید الدولہ ڈیوٹی پر جانے کے لئے نکلے اور والدہ صاحبہ کے ارشاد کے باوصف اصول کی پابندی کرتے ہوئے ڈیوٹی پر حاضر ہو گئے۔ دوپہر کو صاحب

زادے کا انتقال ہو گیا۔ رحمہ یہ بُری خبر لے کر حاضرِ خدمت ہوا مگر پیر سید رشید الدولہ نے شام سات بجے تک ڈیوٹی دی اور پھر گھر تشریف لائے۔

S.O.S

دیوان خانہ کی حد بندی کے لئے دیواریں سڑک کے لیول کے لحاظ سے اٹھائی گئی تھیں آہستہ آہستہ بھرتی ڈالی گئی تو سطح بلند ہو گئی حضرت پیر سید رشید الدولہ کا مال مویشیوں کے لئے ڈیرے کی تعمیر کا خیال تھا۔ اینٹیں بیرونی دیواروں کی بنیادوں سے حاصل کی جا سکتی تھیں۔ اینٹیں وہیں زیادہ کھپائی گئی تھیں۔ مگر اِدھر مزدوروں مستریوں نے کام شروع کیا اُدھر شریکوں نے حسب عادت جمع ہو کر مشکلات پیدا کرنا شروع کیں۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ معمول کے مطابق مطب میں اطمینان کے ساتھ مشغول رہے۔ والدہ صاحبہ اور دیگر زنان خانہ کی مستورات نے مجبور کیا کہ اس سلسلہ میں اس بار سختی سے نوٹس لیں۔ شام سے تھوڑی دیر بعد حضرت پیر سید رشید الدولہ ہال کمرے کی چھت پر تشریف لے گئے اور ایس او ایس کال کے انداز میں بگل بجایا حضرت پیر سید رشید الدولہ تنظیم خاکسار کے سرگرم رکن تھے فوراً ۲۵، ۳۰ خاکسار اکٹھے ہو کر مارچ کرتے ہوئے بڑھتے آئے حضرت پیر سید رشید الدولہ نے حکم دیا کہ ہر ایک خاکسار دس لالٹین لے کر آئے شام کے سائے بڑھتے آ رہے تھے اب اندھیرا ہو رہا تھا۔ حسبِ حکم روشنیاں ہال کمرے کی چھت، صحن برآمدے دیواروں پر جہاں مناسب سمجھا رکھوا دی گئیں بے وقوف یہ سمجھے کہ سینکڑوں آدمی امداد کے لئے جمع ہو گئے ہیں۔ سوچا ہو گا اب بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ کون ڈالے خاکسار مسلح بھی نظر آ رہے تھے عافیت اسی میں سمجھی گئی کہ حضرت پیر سید رشید الدولہ سے پنجہ آزمائی نہ کریں۔ مزدوروں مستریوں نے خاکساروں کی مدد سے کام جاری رکھا اور نماز فجر سے پہلے دیواریں چنی جا چکی تھیں۔

مولوی کا غلط مذہب

جب خاکسار تنظیم کی بات چل رہی ہے تو اس ضمن میں عرض ہے کہ حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کا ایک مضمون "مولوی کا غلط مذہب" ملاحظہ ہو (علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی، ۱۹۲۸ء مولوی کا غلط مذہب، لاہور، الاتذکرہ، ذیلدار روڈ، اچھرہ۔ صفحات ۲۰، ۳۲۰، ۱۸۷ تا ۲۱۴)

کفرزارِ اسلام

یکم نومبر ۳۵ء کے جریدہ "الاصلاح" میں ایک مضمون بعنوان "کفر زارِ اسلام" شائع ہوا۔ جس میں محترم نذیر حسین صاحب امرت سری نے نہایت خوش اسلوبی سے کفرباز اور کافر گر علماء کے متعلق ایک طویل فہرست تحریر کی ہے۔ اس کے مطالعہ سے ہر دانشمند اور صاحبِ بصیرت انسان فوراً اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ شاذ و نادر ہی کوئی فرد ایسا ہوگا جو ان کافر گر مولویوں کے تیرِ کفر کا نشانہ نہ بنا ہو۔ کفر کے فتوے جس قدر بھی ہر زمانہ میں لگائے گئے ان میں سے بہت کم علمائے حق کی طرف سے تھے بلکہ بیشتر تعداد ایسے فتوؤں کی تھی جو خود غرض جاہ طلب فتنہ پرداز علماء سوء کی نامعاملہ فہمی کا نتیجہ تھے۔ جو ان غیر معروف افراد کی غیر معمولی شہرت کے سوائے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے اور یہ بے چارے اس معاملہ میں کسی قدر بے قصور بھی تھے۔ کیونکہ یہ جو کچھ تھا اس کیفیت سے تھا جو ابتدائے آفرینش سے دو جداگانہ صورتوں یعنی موسیٰؑ و فرعون، شبیر و یزید کے نام سے موجود تھیں۔ جن کا اثر تا ایں دم اسلام و کفر، اقرار و انکار، امن و فساد کی شکل میں کائنات کے ذرہ ذرہ میں کارفرما ہے۔ جو ایک صورت میں رُشد و ہدایت اتحاد و اتفاق، اسلام و اقرار، امن و آرام اور بہترین جذبہ عمل کی صورت میں جلوہ گر ہے اور دوسری صورت میں ضلالت و گمراہی، نفاق و اختلاف، کفر و انکار، فساد و طغیان اور سراپا بے عملی کی شکل میں ظاہر ہو رہا ہے۔

تیرھویں اور چودھویں صدی تو انہیں اثرات کے انتہائی عروج کا زمانہ ہے جن کے متعلق کئی سو سال پیشتر مخبرِ صادق محمد عربی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ۔

لَا یبقٰی مِنَ الاسلَامِ اِلّا اسمُہٗ ولا یَبقٰی امن القرآن اِلّا رسمہٗ مَسَاجِدُھُم عامرۃ وَھِیَ خواب مِنَ الھُدیٰ و عُلَماءُ ھُم شرٌ مَن تحتَ ادیمِ السَّمَاء

(مشکوٰۃ ۳۸۔ کتاب العلم)

کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن سے فقط الفاظ، مسجدیں بظاہر آباد ہوں گی مگر ہدایت سے خالی اور علماء آسمان کے نیچے بد ترین مخلوق ہوں گے۔ آج ان علماء نے جن کے متعلق سرورِ کائنات کا ارشاد ہے اپنے علم کو بجائے اس کے کہ وہ قوم کی ترقی و اتحاد اور افراد کی فلاح و بہبود کے لئے صرف کرتے اور صد ہا باعمل افراد پیدا کر کے مذہب و قوم کی بہترین خدمت کرتے انہوں نے

سارے علمی زور کو قومی شیرازہ کے بکھیرنے، کفر والحاد کے فتوے شائع کرنے، دین کے فرقے فرقے کرنے، ملت کی بنی بنائی عمارت کے گرانے، اپنی اپنی شخصی عزت کی عمارت بنانے۔ صدہا ہوشمندوں کو بے ہوش، کاہل، سست، باتونی، کتابی کیڑے اور زمانہ بھر کے ھندوؤں سے آزاد روٹی اور درس کے بندے بنانے میں صرف کیا۔ گویا صریحاً سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قول اعوذُ باللہِ مِنَ العِلم مَا یَنفَع (میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ پہنچائے) کی خلاف ورزی کی اسی پر بس نہیں بلکہ خدا کے اس حکم کو "سب کے سب مل کر خدا کی رسی کو مضبوط پکڑو اور فرقے فرقے نہ بن جاؤ"۔ جان بوجھ کر علیحدہ علیحدہ فرقے بنا کر اپنی اپنی مسجدوں میں جدا جدا طریقوں سے نمازیں پڑھا رہے ہیں اور یہ ایک منٹ کے لئے بھی گوارہ نہیں کرتے کہ اپنے اپنے عزت و وقار کے شخصی بتوں کو توڑ کر سب کے سب ایک جگہ مل کر نماز ادا کریں اور سب امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر واضح کر دیں کہ سب مسلمانوں کو عملاً اس طرح ایک ہو جانا چاہیے۔ آج کتنے مولوی ہیں جو عملاً ایسا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہاں زبانی اتحاد و اتفاق پر وعظ چاہو تو ہزار ہا مثالوں سے نہایت خوش کن لہجہ میں گھنٹوں بیان کریں گے اسی چسکے میں نماز، جمعہ قضا ہو جائے مضائقہ نہیں سننے والے بھی خوشی خوشی سن کر چلے جائیں گے اور اتنا تقاضا بھی نہ کریں گے کہ حضرت آئیے آج نماز، جمعہ فلاں ملاں کے پیچھے سب کے سب مل کر ادا کریں اور خانہِ خدا میں کھلے طور پر اقرار کریں کہ اب مسلمان کا باہم اختلاف کوئی نہیں ہے۔ آج اگر ایسا کریں تو نہ یہ کافر گری رہ سکتی ہے نہ امت مسلمہ کا تشتت، مگر یہ ایسا کرنے کے نہیں کیونکہ واقعات عالم سے بے خبر ہیں۔ چونکہ علم کتابی اور علم واقعاتِ عالم دو جداگانہ چیزیں ہیں۔ جب یہ لوگ کتب کی ورق گردانی اور زید و عمر کی باہمی کش مکش سے ہی فارغ نہیں ہو سکتے تو واقعات عالم کو، سیاسیات ملک کو، قوموں کے طلوع و غروب، ملتوں کے عروج و ہبوط کو حجرہِ مسجد کی چار دیواری میں بیٹھ کر کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ یہی باعث ہے کہ جب کبھی بھی علمائے واقعاتِ عالم نے قوم کی بقائے حیات کے لئے کچھ کہا انہوں نے فوراً اپنے علم کتابی سے اس کا جواز و عدم جواز دیکھا اور کفر و الحاد کا فتویٰ صادر فرمایا۔ حالانکہ رازدانِ واقعاتِ عالم کجا، حجرہ نشین کرم کتابی کجا۔ نہ دنیا جہاں کو پھر کر دیکھا نہ سیر فی الارض کی نہ واقعاتِ عالم سے واقفیت حاصل کرنے کی سعی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے ہر وعظ میں قوم کو چار قدم پیچھے ہٹنے اور شیر کو دیکھ کر خدا پر بھروسہ کر کے آنکھیں بند کر لینے کی ترغیب دی۔ ادھر عالم واقعاتِ عالم نے قوم کو ہر طریقہ سے دن دگنی رات چوگنی جدوجہد کرنے کا مشورہ دیا۔ آخر اس کش مکش سے جو بھی آگے

بڑھا، بڑھا۔۔۔ اور جو ایسے فتووں سے ڈر ام گیا۔

ان فتوؤں کی حقیقت اگر پوچھنی ہو تو اتاترک مصطفےٰ کمال سے پوچھو، ظاہر شاہ افغانی سے پوچھو، رضا شاہ پہلوی سے پوچھو، سلطان ابنِ سعود اور امام یحییٰ یمنی سے پوچھو کہ ان کے ملک اور قوم نے نجات ان کافر گر مولویوں کے فتوؤں سے پائی یا ان سے بے نیاز ہو کر۔

آج ان آزاد ممالک میں کوئی ان کفرباز، کافر گر مولویوں کے نام تک سے واقف نہیں۔ یہ بلا اگر مسلط ہے تو صرف ہندوستانی غلام مسلمان کے سر پر۔

یہ ہیں چند ضروری گزارشات جن کی روشنی میں میں صوفی نذیر حسین صاحب کے مضمون کو زیادہ مکمل کر کے قارئین کی عبرت کے لئے پیش کرتا ہوں۔ نقاد سے معہ حوالاجات ملاحظہ ہوں۔

نقلِ کفر کفر نباشد

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

مندرجہ ذیل فتادے وہ ہیں جن کی رو سے ہر فریق نے ایک دوسرے کو کافر، ملحد، جہنمی، واجب القتل، زندیق وغیرہ کہا ہے بمعہ ثبوت پیش کئے جاتے ہیں۔ ایک ایک کو پڑھو اور فتوؤں کی حقیقت کو سمجھو۔

اہلِ سنت کی طرف سے اہلِ تشیع پر کُفر کا فتویٰ

فرقہ امامیہ منکرِ خلافت حضرت صدیقِ اکبرؓ اند و در کتبِ فقہ مسطور است کہ ہر کہ انکارِ خلافت حضرت صدیقؓ نماید منکرِ اجماع قطعی گشت و کافر شد بس در حقِ شان حکم کافر جاری است و رافضی واجب القتل است۔

(ترجمہ) اس میں شبہ نہیں کہ فرقہ امامیہ (شیعہ) صدیقِ اکبرؓ کی خلافت کے منکر ہیں اور کتب فقہ میں لکھا ہے کہ جو حضرت صدیقِ اکبرؓ کی خلافت کا انکار کرے۔ وہ اجماع کا منکر اور کافر ہو جاتا ہے۔ اس سے کفار کی طرح ہی ملاقات کرنی چاہیے۔ رافضی واجب القتل ہیں۔

(رد تبرا ص ۳۰ فتاویٰ عزیزی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی ص ۱۹۱، ۱۹۲)

پھر شیعوں اور سنیوں کے درمیان رشتہ ناطہ کے متعلق فرماتے ہیں

"در مذہب حنفی موافق روایات مفتی بہ حکم فرقہ شیعہ حکم مرتدان است چنانچہ در فتاوے عالمگیری مرقوم است پس نکاح کردن از زن کہ دریں فرقہ باشد درست نیست و در مذہب شافعی دو قول است بریک قول کافراند و قول دگر فاسق یعنی شیعہ فرقہ کی عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ شافعی مذہب میں شیعوں کو کافر اور فاسق سمجھا جاتا ہے"۔

شیعہ کا فتویٰ اہلِ سنت پر

سوائے فرقہ اثنا عشریہ امامیہ کے ناجی نیست
کشتہ شود و خواہ بموت بمیرد

ترجمہ :- سوائے فرقہ امامیہ شیعہ کے کوئی فرقہ جنتی نہیں ہے خواہ قتل ہو جائے۔ خواہ اپنی موت مرے۔

(حدیقۃ شہدا۔ ص ۶۵)

غیر مقلدین یعنی وہابیوں پر اہلِ سُنّت کا فتویٰ

(۱) "فرقہ غیر مقلدین جن کی علامتِ ظاہری اس ملک میں آمین بالجہر اور رفع یدین اور نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا اور امام کے پیچھے الحمد پڑھنا ہے اہلِ سنت سے خارج ہیں اور مثل دیگر فرق ضالہ رافضی خارجی وغیرہ ہما کے ہیں کیونکہ ان کے بہت سے عقائد اور مسائل مخالف اہلِ سنت کے ہیں۔ ان کے پیچھے نماز درست نہیں۔ ان سے مخالطت اور مجالس کرنا اور ان کو اپنی خوشی سے مسجد میں آنے دینا شرعاً ممنوع ہے"۔ اس کے نیچے قریباً ستر علماء کی مہریں ثبت ہیں۔

(جامع الشواہد فی اخراج الوہابین عن المساجد۔ ص ۸)

(۲) "پس تقلید کو حرام اور مقلدین کو شرک کہنے والا شرعاً کافر بلکہ مرتد ہوا۔"

(کتابِ انتظام المساجد باخراج اہل الفتن عن المساجد)

(۳) اور علماء اور مفتیانِ وقت پر الزام ہے کہ مجرد مسموع ہونے ایسے امر کے اس کے کفر اور ارتداد کے فتوے دینے میں تردد نہ کریں ورنہ زمرہ مرتدین میں یہ بھی داخل ہوں گے۔

(کتاب "انتظام المساجد"۔ ص ۷)

(۴) ا۔ اسمٰعیل دہلوی نرا کافر تھا۔

۲۔ گنگوہی، دیوبندی، نانوتوی، امبیٹھی، تھانوی وغیرہم، وہابی کھلے مرتد ہیں۔

۳۔ جو کذبِ الٰہی ممکن ہے کہے ملحد ہے۔

۴۔ تقویت الایمان وغیرہ ۰ • معیار الحق تصنیف نذیر حسین دہلوی۔ تحذیر الناس تصنیف نانوتوی، براہینِ قاطعہ تصنیف گنگوہی وغیرہ جملہ تباہات انبوہی سب کفری بول تحس تراز بول ہیں۔ جو ایسا نہ جانے زندیق ہے۔

۵۔ "باوصف اطلاع اقوال اُن میں سے کسی کا معتقد ہو ابلیس کا بندہ جہنم کا کُندہ ہے اور اُن سفہا اور اُن کے نظرار تمام خبثا، جو شخص اُن ملحدوں کی حمایت، مروت اور رعایت کرے۔ اُن کی اُن باتوں کی تصدیق اور تحسین توجیح وتاویل کرے وہ عُدوِ خدا دشمنِ مصطفٰے ہے"

۶۔ "غیر مقلدین سب بے دین پکے شیاطین پورے لعونین ہیں۔"

(منقول از چابک بعث بر اہلِ حدیث۔ مصنفہ محمد ظہیر حسین اعظم گڑہی۔ ص ۳۴، ۳۵)

(۵) پیروں اماموں کے پیرو، اور چاروں طریقوں کے متبع یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور چشتیہ اور قادریہ اور نقش بندیہ و مجدیہ سب لوگ کافر ہیں۔

(جامع الشواہد۔ ص ۲، بحوالہ کتاب المنصام السنۃ مطبوعہ کانپور۔ ص ۷ ۱ ۸)

(۶) مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے غیر مقلدین کے تمام گروہوں کے نام بنام عقائد لکھ کر فتوی لکھا ہے کہ "یہ طائفے سب کے سب کافر و مرتد ہیں اور جو اُن کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔"

(کتاب حساب الحرمین۔ ص ۱۱۳)

اہل سنت پر وہابیوں کا فتویٰ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرح متینِ اس امر میں کہ یہ گروہِ مقلدین جو ایک ہی امام کی تقلید کرتے ہیں اہلِ سنت والجماعت میں داخل ہیں یا نہیں اور ان کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں اور ان کو اپنی مسجد میں آنے دینا اور ان کے ساتھ مخالطت اور مجالست جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ بے شک نماز پیچھے ایسے مقلدین کے جائز نہ ہوگی کہ اُن لوگوں کے عقائد اور اعمال مخالف اہلِ سنت والجماعت میں بلکہ بعض عقیدہ اور عمل ہو جب شرک اور بعض مفسدِ نماز ہیں۔ ایسے

مقلدوں کو مسجد میں آنے دینا شرعاً درست نہیں، نیچے انہیں مولویوں کی مہریں ثبت ہیں۔

(کتاب مجموعہ فتاوی۔ ص ۵۴،۵۵۔ مطبوعہ صدیقی لاہور)

(۲) کیا فرماتے ہیں علما دین و مفتیانِ شرح متین ان مسائل میں (اول) یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیأللہ کا حاضر ناظر جان کر ورد کرنا جائز ہے یا نہ اور اس ورد کا پڑھنے والا کیسا ہے وغیرہ۔

(الجواب):- "جس کا یہ عقیدہ ہے وہ مشرک ہے جو شخص مجوز اور مفتی اُن امور کا ہے وہ اصل المشرکین ہے (یعنی سب مشرکوں کا سردار) اس کے پیچھے نماز درست نہیں۔ اس طرح کا اعتقاد رکھنے والا چاروں مذہب ہی کافر اور مشرک ہے"۔ اس کے نیچے پچیس علماء کی مہریں ثبت ہیں۔

(مجموعہ فتاوی۔ ص ۵۲)

(۳) نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں۔

"مقلدین پر اطلاق لفظ مشرکین کا تقلید پر اطلاق لفظ شرک کا کیا جاتا ہے دنیا میں آج کل اکثر لوگ بھی مقلد پیشہ ہیں۔ وَمَا یومن اکثرھم الا ھم مشرکون یہ آیت ان پر بخوبی صادق ہے۔"

(اقتراب الساعۃ۔ ص ۱۶)

مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی وغیرہ مرتد ہیں

تین صد علما کا فتوی

مولوی احمد رضا خاں بریلوی سرکردہ بریلی نے ان علماء کے عقائد کا ذکر کر کے لکھا ہے "کلھم مرتدون باجماع الاسلام" "یہ تمام علماء اور ان کے متبع باجماع اسلام مرتد اور خارج از اسلام ہیں"۔ اسی فتوی پر علما حرمین شریفین اور مفتیوں اور قاضیوں کے دستخط اور مہریں ثبت ہیں پھر ان کی کتابوں کے حوالے دے کر تین وجوہ تکفیر بیان کی ہیں۔

(۱) ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی توہین کرتے ہیں۔

(۳) امکان کذبِ باری تعالیٰ یعنی خدا جھوٹ بول سکتا ہے۔

اس لئے ان کے متعلق لکھا ہے کہ "جو ان کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔"

(کتاب حسام الحرمین۔ ص ۱۰۰، ۱۱۳)

تین صد علما کا فتویٰ وہابیہ دیوبندیہ کے خلاف

برادران ! اس زمانہ میں اسلام کو جتنا نقصان صرف وہابیہ دیوبندیہ کے اکیلے گروہ نے پہنچایا ہے۔ تمام باطل فرقے مجموعی طور پر اتنا نقصان نہیں پہنچا سکے۔ اس کی بڑی وجہ یہ کہ برخلاف اور فرقوں کے وہابیہ دیوبندیہ نے اپنا کوئی علیحدہ نام نہیں رکھا بلکہ اسلام سے علیحدہ ہو جانے کے بعد بھی یہ فرقہ اپنے آپ کو سنی حنفی کے نام سے ظاہر کر رہا ہے اور ناواقف سنی بھائی اسی وجہ سے دھوکہ کھاتے اور اپنا ہم خیال سمجھ کر ملاپ رکھنے کی وجہ سے اُن کے دامِ فریب میں پھنس جاتے ہیں۔ وہابیہ دیوبندیہ اپنی عبادتوں میں تمام اولیاء انبیاء حتیٰ کہ حضرت سید الاولین و آخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اور خاص ذات باری تعالیٰ شانہ کی اہانت اور ہتک کرنے کی وجہ سے قطعاً مرتد اور کافر ہیں اور اُن کا ارتداد و کفر سخت سخت درجہ تک پہنچ چکا ہے ایسا کہ جو اُن مرتدوں اور کافروں کے ارتداد اور کفر میں ذرا بھی شک کرے مرتد اور کافر ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اُن سے بالکل ہی محترز و مجتنب رہیں۔ اُن کے پیچھے نماز پڑھنے کا تو ذکر ہی کیا ہے اپنے پیچھے بھی اُن کو نماز نہ پڑھنے دیں اور نہ ہی مسجدوں میں گھسنے دیں، اُن کا ذبحہ کھائیں، نہ اُن کی شادی غمی میں شریک ہوں، نہ اپنے پاس اُن کو آنے دیں یہ بیمار ہوں عیادت کو نہ جائیں، مریں تو گاڑنے توپنے میں شرکت نہ کریں۔ مسلمانوں کے قبرستان میں جگہ نہ دیں۔ غرض اُن سے بالکل احتیاط و اجتناب رکھیں۔ دیکھو تین صد علماء کا متفقہ فتوے۔

المشتہر:- محمد ابراہیم بھاگلپور جو باہتمام شیخ شوکت حسین، مینجر حسن برقی پریس اشتیاق منزل ۴۳ ہیوٹ روڈ لکھنؤ میں چھپا

نوٹ:- یہ فتویٰ "دس نمبری" فتوے کے نام سے مشہور ہے

مولوی اسمٰعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ پر فتویٰ

"فلا شکٌ ولا شبهة فی کفره و ردته و کفر معاونیه من شک فی کفره و ردته کفر پس اِس کے کفر میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہے اور نہ اِس کے ارتداد میں اور اِس کے مدد گاروں کے کفر اور ارتداد میں بھی شک و شبہ نہیں ہے اور جو اِس کے کفر و ارتداد میں شک کرے وہ کافر ہے۔"

(کتاب بھونچال بر لشکرِ دجال۔ ص ۱۰۲)

(۲) اسمعیل دہلوی نرا کافر تھا۔

(۳) گنگوہی، دیوبندی، نانوتوی، انبیٹھی تھانوی وغیرہم کھلے مرتد ہیں۔"

کتاب چابک بعث براہلِ حدیث مصنفہ مولوی محمد ظہیر حسین صاحب اعظم گڑھی، اعلیٰ مدرس جامع العلوم معسکر بنگلور (مطبوعہ بریلی صفحہ ۳۴،۳۵)

مجدد صدی تیرھویں سید احمد رضا صاحب بریلوی پر فتویٰ

مولوی سید محمد مرتضےٰ صاحب دیوبندی نے اپنی کتاب میں مولوی احمد رضا خان کو کافر وکفر دجال مائۃ حاضرہ مرتد، خارج از اسلام وغیرہ بدلائل معقول ومنقول ثابت کیا ہے۔

(رسالہ رد التکفیر علی الفحاش التنظیر، مطبوعہ شمس المطابع مراد آباد)

سرسید احمد صاحب پر کفر کا فتویٰ

(۱) "اِس شخص کی اعانت کرنی اور اس سے علاقہ اور ربط پیدا کرنا ہرگز درست نہیں اصل میں یہ شخص شاگرد مولوی نذیر حسین وہابی بنگالی دہلوی غیر مقلد کا ہے یہ شخص نہ صرف تکذیب آیاتِ قرآنی مرتد ہو کر ملعونِ ابدی ہوا، ایسا مرتد کہ بلا قبولِ اسلام اسلامی عملداری میں جزیہ دے کر بھی نہیں رہ سکتا مگر اہلِ کتاب اور ہنود وغیرہ جزیہ دے کر اسلامی عملداری میں رہ سکتے ہیں گویا نہایت سخت کافر و مرتد ہے۔"

(انتظام المساجد۔ ص ۱۳۔۱۵ محمد لدھیانوی)

(۲) "سرسید" کی تکفیر کے متعلق "خواجہ حالی" نے سرسید احمد خاں کی لائف میں خوب بسط سے لکھا ہے چنانچہ چند فقرات ان کی "حیاتِ جاوید" سے یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ پنجاب وہندوستان کے رسائل واخبارات کا ذکر جن میں یہ فتوے شائع ہوئے لکھتے ہیں کہ

"ان میں سرسید کو ملحد، لامذہب، کرسٹان، نیچری، دہریہ، کافر، دجال اور کیا کیا خطاب دیئے گئے ہیں ان کے کفر کے فتووں پر شہر شہر اور قصبہ قصبہ کے مولویوں کی مہریں اور دستخط کرائے گئے ہیں یہاں تک کہ جو لوگ سرسید کی تکفیر پر سکوت اختیار کرتے تھے ان کی بھی تکفیر ہونے لگی"۔

(حیات جاوید حصہ دو۔ ص ۲۷۸)

(۳) مسلمانوں کے جتنے فرقے ہندوستان میں ہیں کیا سنی، کیا شیعہ، کیا مقلد، کیا غیر مقلد، کیا وہابی، کیا بدعتی سب کے سب فرقوں کے مشہور اور غیر مشہور عالموں اور مولویوں کی ان فتوؤں پر مہریں یا دستخط ہیں۔

(صفحہ ۲۸۲)

مکہ معظمہ کے اربعہ مذاہب کے مفتیوں کے فتوے سر سید احمد خان صاحب کے خلاف

(۴) "یہ شخص ضال اور مضل ہے بلکہ ابلیس لعین کا خلیفہ ہے اور مسلمانوں کو اغوا کا ارادہ رکھتا ہے اور اس کا فتنہ یہود و نصاریٰ کے فتنے سے بھی بڑھ کر ہے خدا اس کو سمجھے ضرب و حبس سے اس کی تادیب کرنی چاہیے اگر دائرۃ الاسلام میں کوئی صاحب عزت ہو"۔

(حیات جاوید۔ ص ۲۸۷)

(۵) جو کچھ در مختار اور اس کے حواشی سے معلوم ہوتا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ یہ شخص یا تو ملحد ہے یا شرع سے کفر کی جانب مائل ہو گیا ہے یا زندیق ہے کہ کوئی فریق نہیں رکھتا یا وہابی ہے۔ اگر گرفتاری سے پہلے توبہ کرے تو قتل نہ کیا جائے ورنہ اس کا قتل واجب ہے۔ دین کی حفاظت کے لئے اور دائرۃ الامر پر واجب ہے کہ ایسا کر لیا۔" یہ ہے مدینہ منورہ کے فتوؤں کا خلاصہ۔

(حیات جاوید۔ ص ۲۸۷)

مدرسہ علی گڑھ کے متعلق فتویٰ

"کہ یہ مدرسہ جس کو خدا برباد اور اس کے بانی کو ہلاک کرے اس کی اعانت جائز نہیں اگر یہ مدرسہ بن کر تیار ہو جائے تو اس کا منہدم کرنا اور اس کے مددگاروں سے سخت انتقام لینا واجب ہے"۔

(حیات جاوید۔ ص ۲۸۸)

نوٹ:۔ مولویوں کی ذہنیت ملاحظہ ہو اگر یہ مدرسہ قائم نہ کیا جاتا ہندوستان میں خال خال انگریزی دان بھی نظر نہ آتے سب کے سب مسجدوں کے ملانے بن کر زندگی بسر کرتے اور تمدن میں باقی اقوام سے ہزارہا سال پیچھے رہ جاتے۔ ایں عقل و دانش بباید گریست۔

آج مدرسہ علی گڑھ کے جس قدر تعلیم یافتہ ہندوستان میں موجود ہیں۔ ان فتوؤں کی رُو سے سب کے سب کافر ہیں جن کے نکاح بھی مولوی صاحبان نے ہی پڑھائے ہیں۔

شیخ الکل مولوی نذیر حسین دہلوی پر فتویٰ

جو ہندوستان کے سب غیر مقلدین کے سرتاج تھے اور جنہوں نے قرآن شریف کا ترجمہ بھی کیا ہے جو ہر جگہ پڑھا جاتا ہے۔ ان کے متعلق لکھا ہے کہ "مجادل، مرتاب، متبع ہوائے نفس، حاسد، بددیانت، منحرف ہے۔"

(رسالہ التحقیق المزید لمن ہونی بطنی امہ سعید لالمن ھو متبع شیطان)۔ ص ۵۔ (مرید مطبع فاروقی دھلی)

(۲) مولوی نذیر حسین اور مولوی محمد حسین بٹالوی کو وسواسِ خناس قرار دے کر سورہ والناس پڑھی گئی۔ پھر ان کو شیاطین، ملحد، بیوقوف، بے شعور، فسادی اور بے دین وغیرہ کہا گیا ہے۔ اس فتویٰ پر ۸۲ علمار حرمین شریفین و علماء عجم کی مہریں ثبت ہیں۔

(کتاب نذار الحق۔ ۱۰، ۱۰۹، ۲۹۶)

مولوی محمد حسین بٹالوی اہل حدیث پر فتویٰ

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ ایک شخص مہدی موعود کے آنے سے جو آخری زمانے میں آئے گا اور بطور ظاہر و باطن خلیفہ برحق ہوگا اور بنی فاطمہ میں سے ہوگا جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے قطعاً انکار کرتا ہے اور اس جمہوری عقیدہ کو جس پر تمام اہلِ سنت و وہابی یقین رکھتے ہیں سراسر لغو اور بے ہودہ سمجھتا ہے اور ایسا عقیدہ رکھنا ایک قسم کی ضلالت اور الحاد خیال کرتا ہے۔ کیا ہم اہلِ سنت سے اور راہِ راست پر سمجھ سکتے ہیں یا وہ کذاب اور اجماع کا چھوڑنے والا ہے اور ملحد اور دجال ہے"۔

(اشتہار المرقوم ۲۹ دسمبر ۱۸۹۸ء ۱۵ شعبان المبارک مطابق ۱۳۱۶ھ)

(الجواب)

سب نے بالاتفاق یہ فتویٰ دیا کہ یہ "شخص دائرہ اسلام سے خارج ، مخوش الرائے ، یاوہ گو، عبداللہ نیا، دجال، کذاب، ضال، مضل، کافر قرار دیا گیا۔ اس فتویٰ پر تقریباً پچیس علماء مقلدین اور غیر

مقلدین کے دستخط ہیں"۔

(فتویٰ المرقوم ۲۹ دسمبر ۱۸۹۸ء، ۱۵ شعبان ۱۳۱۶ھ)

ندوۃ العلماء کے متعلق کفر کا فتویٰ

ندوۃ العلماء جس کی بنا ۱۳۱۱ھ میں قائم ہوئی اور تمام چوٹی کے سرکردہ علماء اس کے ممبر تھے اس کی تکفیر و تضلیل کی گئی اور اس کے معاونین اور بانیوں کو اہلِ سنت والجماعت سے خارج قرار دیا گیا۔

(ارشاد الکملا مطبوعہ مجتبائی پریس، ص ۴۱)

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری پر اوران کی تفسیر ثنائی پر کفر کا فتویٰ

غزنویانِ امرتسری نے مولوی ثناء اللہ امرتسری پر اس کی مایہ ناز عربی تفسیر کی بنا پر تمام اہلِ حدیث مولویوں کے متفقہ فیصلہ اور دستخطوں سے ایک فتویٰ کفر "اربعین" کے نام سے شائع کیا جس میں صاف لکھا ہے۔

(۱) قد مسلک ثنا اللہ فی تفسیرہ غیر ماسلکہ المحققونَ مِنَ المفسرین و خذی خذوالمحرفین و المنتحلین فالواجبُ اعلیٰ کل من لہٗ قدرۃ اوراق مثلَ ھٰذا الخرافات۔

ترجمہ: ثناءاللہ نے اپنی تفسیر میں سوائے طریقہ محققین مفسرین کے اور راہ اختیار کی اور محرفین کی چال چلا پس مقدور والے پر ان خرافات کا جلانا واجب ہے۔

(فتویٰ شیخ حسین صاحب عرب کتاب اربعین۔ ص ۲۴)

تفسیر ثنائی کے متعلق اور فتوے

تفسیر ثنائی کے متعلق حافظ عبدالباری اہلِ حدیث کا فتوے جو تفسیر کے متعلق لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "لہٰذا میں تمام مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہوں کہ اس کی کتابیں خصوصاً تفسیر اس کی صریح تحریف ہے اور تمام اہل اسلام کے مخالف ہے ہرگز نہ دیکھیں وغیرہ وغیرہ"۔

(الی آخرہ)

(کتاب اربعین صفحہ ۸)

مولوی ثناءاللہ امرتسری اور ان کی تفسیر کے متعلق فیصلہ مکہ کی تفصیل

۱۹۲۶ء کو حسنِ اتفاق سے مولوی ثناءاللہ صاحب ادائیگی فریضہ حج کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ فریقِ مخالف بھی اس وقت موقع غنیمت جان کر وہاں پہنچے۔ مخالفین نے ان کے متعلق فتووں سے بھری ہوئی کتاب اربعین ان کے سامنے پیش کی اور دربارِ امیر نجد میں یہ سارا معاملہ پہنچا دیا۔ چنانچہ دربارِ امیرِ نجد میں حاضری ہوئی اور سوال و جواب ہوئے نجد کے سرکردہ علماء بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ مجلس سے جو فتوے مولوی موصوف اور ان کی تفسیری کے بارہ میں صادر ہوئے وہ یہ ہیں۔

(۱) "ثناءاللہ کی تفسیر میں بیان کئے ہوئے مسائل طریقہ اہلِ سنت اور اہلِ حدیث کے ہیں۔ الیٰ آخرہ۔

(۲) یہ ایک بدعتی اور گمراہ کا کلام ہے مولوی ثناءاللہ نے اپنی تفسیر میں حلولیہ، اتحادیہ، جہمیہ، اور معتزلہ کے مذاہب کو جمع کر رکھا ہے۔ نہ تو مولوی ثناءاللہ سے علم حاصل کرنا جائز ہے اور نہ اُس کا اقتدار جائز ہے اور نہ اُس کی شہادت قبول کی جائے اور نہ اس سے کوئی بات کی جائے اور نہ اس کی اقامت صحیح ہے۔ اس کے کافر اور مرتد ہونے میں کوئی شک نہیں پس اس سے بچنا اور کنارہ کشی کرنا واجب ہے اور جو شخص ثناءاللہ کی حمایت میں کسی سے جھگڑے اس سے بھی کنارہ کشی اختیار کرنا واجب ہے"۔

(۳) "ثناءاللہ ایک برا آدمی ہے اور اپنی خواہشات کا غلام ہے، وہ اپنے نفس کا قیدی اور بدبختی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے کلام میں کوئی ایسی جرات نہیں کر سکتا مگر وہی جس کو شیطان نے گمراہ کر دیا ہو اور شیطان اس کی بدعت اور خواہشاتِ نفس کا رفیق بن چکا ہو۔ مولوی ثناءاللہ چاہتا ہے کہ اہلِ کتاب ہی سے یہود و نصارا اور مشرکوں میں اس کا شمار ہو۔ الیٰ آخرہ۔

(۴) ثناءاللہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ جہنمی ہے۔ اس کی تمام کوشش اس تصنیف میں ضائع ہو گئی"۔ (الیٰ آخرہ)

(۵) "ثناءاللہ کی تفسیر کلام الٰہی صحیح احادیث نبویہ اہلِ حدیث اور مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت کی تفسیر کے خلاف ہے اور اس قابل ہے کہ اس کا مقاطعہ کیا جائے بلکہ تردید کی غرض سے دیکھنے کے سوا اس کا دیکھنا بھی حرام ہے۔ اسی طرح ثناءاللہ اس قابل ہے کہ اس کا مقاطعہ کیا

جائے"۔

(نقولاً از فیصلہ مکہ۔ صفحہ ۱۵ سے ۲۰ تک)

نوٹ: قارئین کرام ملاحظہ فرمالیں کہ علمار نجد اور دیگر ہندوستان کے اس قدر جلیل القدر مولویوں کے فتووں کے باوجود کسی فرد نے آج تک مولوی ثنار اللہ صاحب کی تفسیر کا مقاطعہ کیا ہے۔ کیا تفسیر جلا دی گئی ہے اور کیا لوگوں نے اس فتوے پر عمل کرتے ہوئے ہر قسم کے تعلقات کا مولوی صاحب سے مقاطعہ کیا ہے ہرگز نہیں۔ مولوی ثنار اللہ صاحب آج بھی اہلِ حدیث کے سرکردہ افراد میں سے ہیں اور آج بھی ان کی تفسیر عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

قرونِ اولیٰ کے علمائے ربانی اور اولیائے کرام پر کفر و ارتداد کے فتوے

(۱) حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت صدیقِ اکبرؓ کو (نعوذ باللہ) خارج از اسلام کہنے والے اب تک ہندوستان، ایران اور دیگر ممالک میں موجود ہیں۔

(ملاحظہ ہو تحذیر المومنین۔ صفحہ ۵)

(۲) حضرت عمر خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کو نعوذ باللہ مرتد کہنے والے آج بھی لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔

(۳) حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کو بھی کافر کہنے والے خارجی نعوذ باللہ مسقط اور بصرہ میں آج تک موجود ہیں۔

(ملاحظہ ہو منہاج السنہ۔ صفحہ ۲)

(۴) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو کہا کہ یہ بت پرستوں کی سی باتیں کرتے ہیں۔

(۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ایسے جلیل القدر صحابی کو بعض معاصرین کافر کہا کرتے۔

(۶) حضرت امام حسین علیہ السلام کی اطاعت کے انکار میں یزید پلید نے علمار سے آپ کے قتل کا فتویٰ طلب کیا۔ اُس وقت کے علمار سو۔ نے ظواہر کی طرح شقاوتِ قلبی، طمع نفسی سے قتل کا فتویٰ دے دیا۔ اس فتویٰ کی رو سے امام علیہ السلام معہ آلِ اولاد دشتِ کربلا میں بھوکے اور پیاسے شہید کئے گئے۔

(کتاب افضل الاعمال فی جواب نتائج الاعمال - ص ۲۲۰)

(۷) حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی بہت بے ادبی ہوئی بعض نے جاہل، بعض نے بدعتی، بعض نے زندیق اور بعض نے کافر کہا۔ انکار کرنے پر عہدہ قضا سے آپ پر سختی ہوئی۔ آخر قید خانہ میں زہر دیئے گئے اور ماہ رجب، ۱۵۰ھ میں آپ نے وفات پائی۔ ابو یوسف ابن خالد نے آپ سے وتر کا مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا "وتر واجب ہے" تو یوسف ابن خالد نے کہا کفرت یا ابو حنیفہ۔

(۸) ابو عبداللہ امام محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور سرور کائنات فخر موجودات سرور دو عالم کے ہم نسب قریشی مُطلبی تھے آپ کو آخر میں پلیس کہا گیا۔ رفض کی طرف نسبت کر کے قید کیا گیا۔ آپ کے مرنے کی دعائیں کی گئیں۔ یمن سے بغداد تک بے ادبی بے حرمتی اور بے عزتی سے قید کر کے لے جایا گیا۔ وفات آپ کی رجب ۲۰۴ھ میں ہوئی۔

(۹) حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آپ بہت متقی اور پرہیز گار امام تھے۔ آپ کو اٹھائیس مہینے قید رکھا گیا وزنی زنجیریں آپ کے پاؤں میں ڈالی گئیں۔ مجلسوں میں بلا کر ذلیل کر دیئے گئے۔ آپ کے منہ پر طمانچے مارے گئے اور تھوکا گیا۔ آپ کے ہمراہ ابو قیس زیادی، نصر بن شمیل مواریری ابو نصر، نثار علی بن مقاتل شبیر بن الوحیدی وغیرہ کو پولیس کی حراست میں رکھا گیا۔ ہر شام کو جیل خانے سے نکال کر کوڑے مارے جاتے تھے۔ یہ سب کچھ مسئلہ قوم و خلق قرآن کے باعث ہوا یہ واقعہ رجب ۲۱۸ھ کا ہے۔

(۱۰) ابو عبداللہ امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تبع تابعین مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کو سخت اذیتیں دی گئیں۔ آپ کی مشکیں اس بے دردی سے کسی گئی تھیں کہ آپ کا ہاتھ بازو سے اکھڑ گیا۔ آپ قید میں بھی رہے۔ آپ کو کوڑے بھی لگائے گئے۔

(۱۱) امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ جو صاحب علم و فضل تھے کو دیس نکالا دیا گیا۔ خدا تعالیٰ کی زمین آپ پر تنگ کر دی گئی اب تک آپ کو برا کہنے والے مولوی موجود ہیں۔ غرہ شوال ۲۵۶ھ میں وفات پائی۔

(از ترجمہ۔ فارسی مشکوٰۃ شیخ عبدالحق ہدیہ مجددیہ۔ صفحہ ۷۳)

(۱۲) ابو عبدالرحمٰن امام نسائی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی مسجد میں فضیلت صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر بے حرمتی ہوئی اور ایسا مارا کہ آپ کی وفات اسی وجہ سے ہوئی۔ سن وفات ۳۰۳ھ۔

(از ترجمہ مشکوۃ فارسی)

(۱۳) حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ثقات نے نقل کیا ہے کہ سات بار اُن کو اُن کے شہر سے نکال دیا گیا. جبکہ سیرِ سندھ سے واپس ہو کر آئے۔

(۱۴) ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کو پابہ زنجیر بغداد میں لے جایا گیا۔ ایک جماعت مولویوں کی آپ کے کفر اور زندقہ پر گواہی دینے کے لئے ہمراہ گئی۔

(۱۵) ابو سعید فراز پر کفر کے فتوے لگائے گئے۔ چار سو کتابیں علمِ تصوف میں آپ نے تصنیف کی ہیں۔

(۱۶) حضرت جنید بغدادیؒ کو کافر کہا گیا جن کا لقب قوم میں سُلطان المحققین اور خطاب اصول المشائخ و طاؤس العلماء ولسان القوم وسان التصوف سے مشہور معروف ہیں۔

(کتاب افضل الاعمال فی جواب نتائج الاعمال ۔ صفحہ ۲۵)

(۱۷) سہل بن عبداللہ تعزی ۔ اپنے شہر سے بصرہ کو نکالے گئے۔

(۱۸) ابو عثمان مغربیؒ کو زدو کوب تشہیر کے ساتھ کیا گیا۔ مکہ معظمہ سے نکالے گئے۔

(۱۹) حضرت ابو بکر شبلیؒ کو کافر کہا گیا۔

(۲۰) حضرت ابو بکر نابلسیؒ کی مولویوں کے حکم سے کھال کھنچوائی گئی۔

(۲۱) ابنِ حنانؒ زندیق قرار دیئے گئے۔

(۲۲) عزیز الدین بن عبدالسلامؒ وامام منذری کو کافر کہا گیا۔

(۲۳) شیخ الاسلام محی الدین ابو محمد عبدالقادر الحسنی و الحسینی جیلانیؒ کو فقہانے کافر کہا۔ ابنِ جوزہ مسائل میں آپ سے سخت مخالفت اور انکار کرتے رہے۔

(۲۴) شیخ محی الدین ابنِ عربیؒ جو شیخ اکبر کہلاتے ہیں ان کو اکفر کہا گیا بلکہ حضرت پر مولویوں نے یہ فتویٰ دیا کہ کفرہ، اشد من کفر الیہود والنصاریٰ مزید برآں ان کے تمام گروہ پر تکفیر کا فتویٰ جاری کیا گیا۔ حتیٰ کہ ان کے کفر پر شک کرنے والوں پر بھی کفر کا فتویٰ دیا گیا۔

(۲۵) مولوی جلال الدین رومیؒ ، مولوی عبدالرحمٰن جامیؒ ، شیخ فرید الدین عطارؒ کو کافر کہا گیا اور جو شخص ان کو کافر نہ کہے اس کے متعلق بھی کفر کا فتویٰ دیا گیا۔

(۲۶) حسین بن منصور حلاجؒ کو اسلام سے خارج سمجھ کر اسے سولی پر چڑھایا گیا۔

(۲۷) شیخ ابوالحسن اشعری ثانیؒ کو ملحد اور کافر کہا گیا حالانکہ وہ سنیوں کے امام ہیں۔

(۲۸) امام غزالیؒ جیسے محقق کو کافر قرار دیا گیا اور ان کی کتابوں کو جلانا اور ان پر لعنت کرنا ثواب سمجھا گیا۔

نوٹ:۔ کتابوں کو جلوانا اور جلانے کے متعلق مطالبہ کرنا یہ پرانی رسم ہے۔ آج کل "تذکرہ" کے متعلق بھی یہی مطالبہ کیا جارہا ہے۔

(۲۹) حکیم ترمذیؒ کو جلا وطن کیا گیا۔ قصور یہ تھا کہ انہوں نے اپنی کتاب موسومہ ختم الاؤلیا، علل الشریعۃ میں اس بات پر زور دیا کہ بعض اولیاء انبیاء شہداء سے افضل ہیں۔

(۳۰) امام ابن تیمیہؒ کے متعلق شاہِ مصر نے حاجی برہان الدین سے ان کے قتل کا فتویٰ طلب کیا۔ ان کو قتل کیا گیا اور ان کی نعش جلوائی گئی۔

(۳۱) امام حافظ ابن قیم کو قید کیا گیا۔ شہر بدر کیا گیا اور بے حد اذیتیں دی گئیں۔

(۳۲) امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقیؒ پر کفر کا فتویٰ دیا گیا۔ سخت بے ادبی کی گئی مقصود یہ تھا کہ سجدہ تعظیمی کے آپ قائل نہ تھے۔

(۳۳) شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ پر بدعتی اور گمراہی کا الزام لگایا گیا۔

(۳۴) مرزا مظہر جان جاناں دہلویؒ کو مذہبی ضد کی وجہ سے شہید کیا گیا۔

(۳۵) سید احمد بریلویؒ کو کافر، ملحد کہا گیا۔

(۳۶) مولوی اسمعیل شہید فی سبیل اللہ پر کفر کے فتوے مکہ مکرمہ کے مفتیوں سے لگوائے گئے۔

(۳۷) مولوی عبداللہ غزنوی کو اعلائے کلمۃ الحق کی پاداش میں جلا وطن کیا گیا اور درے لگائے گئے۔

(۳۸) ابوالعباس بن عطار کو زندیق اور کافر کہا گیا۔

(۳۹) آج علامہ مشرقیؒ پر انہی مولویوں کی طرف سے کفر کے فتوے لگائے جاتے رہے ہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

(نوٹ) مندرجہ بالا سب حوالہ جات کے لئے دیکھو کتب معتبرہ خیرہ الخیرہ، فتح الخلاق، بحر الرائق، ہدیہ مجدیہ وغیرہ۔ ان کے علاوہ صدہا بزرگانِ دین کی فہرست پیش کی جا سکتی ہے جو علماء نے سوء کی کفر باز

توپ سے توپ دم کیے گئے۔ جب ایسے جلیل القدر اولوالعزم صاحبان ورع و تقویٰ امام، صوفی، حافظ، مجدد، محدث نہیں بچ سکے تو آج کون ہے جو ان سے دامن بچا کر نکل جائے۔

وہ ضروریاتِ دین جن کا انکار کرنے والے کو علماء نے کافر و مرتد کہا ہے۔

(۱) اگر کوئی کہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو وہ کافر ہے۔

(۲)۔ اگر کہے کہ معدوم شئے اللہ کو معلوم نہیں تو کافر۔

(۳)۔ اگر کہے کہ میں جنوں سے معلوم کر کے خبر دیتا ہوں تو کافر۔

(۴)۔ اگر کہے مجھے معلوم نہیں کہ آدم علیہ السلام نبی تھے یا نہیں تو کافر۔

(۵)۔ اگر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا انکار کرے تو کافر۔

(۶)۔ اگر کسی کو کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کدو پسند کرتے تھے اور کہے کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا تو کافر۔

(۷)۔ اگر کسی کافر نے مسلمان سے کہا کہ مجھ پر اسلام پیش کر اس نے کہا فلاں مولوی کے پاس جا تو کافر ہو گیا۔ (فقہ اکبر)

(فقہ اکبر مطبوعہ مصر۔ ص ۱۶۴)

(۸) اگر کسی مسلمان سے کہا گیا کہ کیا تو مومن ہے اس نے کہا "مجھے معلوم نہیں" تو کافر۔ اسی طرح ایسے شخص کے متعلق جو دل سے تصدیق کرتا ہے اور زبان سے گواہی دیتا ہے کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ اس سے پوچھا گیا کہ اس کا قتل جائز ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں تو کافر ہو گیا۔

(فقہ اکبر۔ ص ۱۶۴)

(۹) جس نے کسی عالم سے بغیر سبب ظاہری کے بغض رکھا وہ کافر ہے۔

(۱۰) استخفاف علماء بالاتفاق علماء کفر ہے۔

(صفحہ ۱۶۰ فقہ اکبر)

(۱۱) جس مسلمان نے بطور (ڈرامہ) اپنے آپ کو معلم اور استاد بنا لیا اور پھر ہاتھ میں سونٹا لے کر

بچوں کو مارا کافر ہو گیا۔

(۱۲) اگر کسی مسلمان نے دوسرے مسلمان سے کہا کہ چلو فلاں مجلسِ وعظ میں چلیں اس نے کہا جو باتیں وہاں مولوی صاحب بتاتے ہیں۔ اُن پر عمل کون کر سکتا ہے یا کہا مجھے ایسی مجلس سے کیا تعلق تو کافر ہو گیا۔

(۱۳) اگر کسی نے کسی کو کہا تو مجلسِ وعظ میں نہ جا اگر جائے گا تو تیری بیوی تجھ پر حرام ہو جائے گی یا اسے طلاق ہو جائے گی۔ اگر ہنسی کے طور پر ایسا کہا تو کافر ہو گیا۔

(۱۴) اگر کسی عورت نے کسی عالم خاوند پر لعنت کی تو کافر ہو گئی۔

(۱۵) جس نے کسی عالم کو عویلم (یعنی چھوٹے مولوی صاحب یا مولوی شولوی) کہہ دیا تو کافر ہو گیا۔

(فقہ اکبر، ص ۱۵۷)

جو شراب پیتے وقت بسم اللہ کہے کافر ہو گیا۔ (فقہ اکبر۔ ص ۱۵۲)

(۱۶) اگر کسی نے کسی دوسرے سے کہا۔ خدا کے واسطے یہ کام کر اس نے کہا نہیں کرتا تو کافر ہو گیا۔ (ص ۱۴۰)

(۱۷) علم اور علماء سے ہنسی کرنا کفر ہے۔

(۱۸) اگر معذوروں پر رحم کرنے سے انکار کیا تو کافر ہے۔

(۱۹) اگر کوئی بیماری اور سفر میں تیمم کا حق نہ سمجھے تو قتل کیا جائے گا۔

(۲۰) اگر کوئی بوجہ شہوت و محبت کہے کہ مجھے اپنی بیوی خدا سے زیادہ پیاری ہے تو کافر نہیں ہو گا۔ ہاں اگر ایسا اطاعت و فرمانبرداری کے لحاظ سے کہے تو کافر ہو گا۔

(الاشباہ والنظائر مع شرح الحموی کتاب السیر والردۃ۔ ص ۱۷۵ تا ۱۷۹)

(۲۱) اگر کوئی کافر کی تبجیل کرے مثلاً ذمی تجبیاً سلام کرتے تو کافر ہو گا۔

(۲۲) اگر کوئی اپنے غیر مسلم استاد کو یعنی (مجوسی یا ہندو و عیسائی ماسٹر کو) عزت کے طور پر استاذی یعنی اے میرے استاد کہہ دے تو کافر ہو جائے گا جیسا کہ صلوۃ تہیریہ میں ہے۔

(۲۳) اگر کوئی عورت کفر کا کلمہ اس غرض سے بولے کہ اپنے خاوند پر حرام ہو جائے تو وہ کافر ہو جائے گی۔

(۲۴) اور یہ کہنے سے کہ میں کافر ہو جاؤں گی تاکہ اپنے خاوند سے خلاصی پاؤں کافر ہو جائے گی۔

(۲۵) جس نے دن کی ایک گھڑی یا پورے دن کے کفر کا قصد کیا تو وہ تمام عمر کافر شمار کیا جائے۔

(۲۶) اگر کسی ذمی کی ٹوپی اپنے سر پر رکھے اور اس سے اس کی غرض گرمی سردی دور کرنا نہ ہو تو کافر۔

(۲۷) اگر کوئی ٹیچر یا ماسٹر کہے کہ یہود (یعنی غیر مسلم ہندو وغیرہ) مسلمانوں سے بہت اچھے ہیں کیونکہ وہ اپنے استادوں کا حق ادا کرتے ہیں تو کافر۔

(۲۸) اگر کہے کہ عیسائیت یہودیت سے اچھی ہے تو کافر۔

(۲۹) اگر کہے عیسائیت مجوسیت سے اچھی ہے تو کافر۔

(۳۰) اگر کوئی کہے مجھے اپنی زندگی کی قسم تو اس پر کفر کا خوف کیا جاتا ہے۔

(۳۱) اگر کوئی حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو برا کہے تو وہ مرتد ہو گا اور فقہ کی کتاب خلاصہ وغیرہ میں تشریح کی گئی ہے کہ جو رافضی اور شیعہ ان دونوں کے حق میں طعن کرے اور برا کہے تو وہ کافر ہے اور کتاب جویرہ میں لکھا ہے کہ ایسا شیعہ کافر اور واجب القتل ہے اور صدر شہید نے کہا ہے ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں ہو گی بلکہ ہم اسے قتل کریں گے اور فقیر فاضل ابولیث سمرقندی اور بو نصر ابو سی کا بھی مذہب یہی ہے۔

(البحر الرائق۔ ص ۱۲۰، ۱۳۹ جلد ۵)

(۳۲) یہ کہنے سے کہ اگر اللہ مجھے جنت دے تو مجھے اس کی خواہش نہیں تو کافر۔

(۳۳) یا کہے کہ میں امتیوں کے ساتھ داخل نہیں ہو گا تو کافر۔

(۳۴) اگر ایمان بڑھتا ہے اور گھٹتا ہے تو کافر۔

(۳۵) اگر کہے کہ میرا تجھے دیکھنا ایسا ہے جیسے ملک الموت کو تو کافر ہو گا بعض کے نزدیک۔

(۳۶) اگر عمداً نماز کو بغیر نیت قضا کے چھوڑ دے گا تو کافر (البحر الرائق)

(۳۷) اگر حرام کھانے یا حرام فعل کرتے وقت بسم اللہ پڑھے تو کافر۔

وجوہاتِ کفر کے متعلق اس رسالہ میں گنجائش نہیں۔ ورنہ قارئین کی خاطر ہزارہا ایسی وجوہاتِ کفر نقل کئے جا سکتے ہیں جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کسی نہ کسی وجہ سے ہر ایک کافر ہے۔

بتاؤ مومن و مسلمان کون ہے

حضرات جب اُمتِ محمدیہ صلعم کے تمام بڑے بڑے گروہ اہلِ سنت والجماعت اہلِ شیعہ کو کافر، اہلِ شیعہ اہلِ سنت کو کافر، اہلِ سنت غیر مقلدین وہابیوں دیوبندیوں کو کافر اور غیر مقلدین وہابی اور دیوبندی، اہلِ سنت، اہلِ شیعہ، صوفیائے کرام کو کھلے طور پر کافر کہتے ہیں بلکہ ایک دوسرے کا کافر نہ سمجھنے والے کو بھی کافر کہتے ہیں بلکہ علانیہ طور پر ایک دوسرے کے برخلاف کفر وارتداد کے تین تین سو مہروں والے فتوے شائع کرتے ہیں اور نہایت بیباکی سے ایک دوسرے کو کافر، مرتد، ضال، مضل، زندیق، ملحد، فاسق، ذمی، گم کردہ راہ، آخرمن شیطان، خناس، دجال، کاذب، کذاب، دھوکے باز کے بد ترین الفاظ سے بدنام و رسوا کرنے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں اور اِس کوشش میں کئی کئی سو علماء کو جن کے ناموں کے ساتھ کئی کئی سو الفاظ سے طول طویل القابات لگے ہوتے ہیں شریک کر کے اِن کے دستخطوں اور مہروں سے اشتہاری فتاووں کے ذریعہ اُن کی ذلت کا ڈھنڈورہ ہر شہر و بازار میں پٹواتے ہیں تو بتاؤ کہ ان سب میں سے مومن اور مسلمان کون ہے؟

پس جو فریق ان میں سے مومن اور مسلمان ہو اور اس کے مومن اور مسلمان ہونے میں سب کے سب فریق بھی رضامند ہوں تو اُس کو بلاشبہ ہر وقت حق حاصل ہے کہ اُمتِ محمدیہ صلعم میں سے جس کو چاہے جب بھی چاہے کافر، دجال، مفتری، ملعون، مرتد اور دھوکا باز کے خطابات عطا فرما دے اور علامہ مشرقی کو ہزار بار جو چاہے اعزاز دے مگر ایسا کرنے سے پیشتر کاش وہ اپنا منہ گریبان میں ڈال کر سوچے اور اپنے متعلق دیگر جماعتوں کے اولوالعزم علمائے کرام کے دس نمبری، عربی، عجمی، مکی، مدنی، نجدی، ہندوستانی فتوے صرف ایک نظر ملاحظہ کرے۔ مجھ کو یقینِ واثق ہے کہ کبھی ایسا کرنے کی جرات نہ کرے مگر شرم چہ کتی است کہ پیش مردان بیائد والا معاملہ ہے۔

اور بصورتِ دیگر اگر سب کے سب کافر ہیں جیسا کہ ہر فریق کے ایک دوسرے کے متعلق شائع کردہ فتووں سے ظاہر ہے کہ سب کے سب کافر ہیں۔ تو خدارا انصاف کرو جو خود کافر ہے وہ دوسرے کے متعلق کفر و الحاد کے فتوے شائع کرنے کا کیونکر مجاز ہے، اگر ہے تو کس اجماعِ امت کے رو سے وہ قاضیِ اسلام اور کس کے اتفاق سے وہ اُمتِ محمدیہ صلعم کی طرف سے سب کا امیرِ شریعت، مفتی و تقید ہے؟ اگر سکھا شاہی طریقہ پر از خود ہی اس لائق ہے تو لوگ کیوں اس کے فتوے کے متعلق ایک دوسرے

سے قطع تعلق نہیں کرتے کیونکہ ایک دوسرے سے مجالست و موانست رکھتے ہیں؟ کیوں ایک دوسرے کی غمی و شادی میں شریک ہوتے ہیں؟۔ کیوں مولوی اُن کے نکاح پڑھاتے ہیں۔ کیوں ایک دوسرے کی کفر و ارتداد اور بے دینی پھیلانے والی کتب جلا نہیں دیتے۔ جیسا کہ ہمیشہ علمائے ربانی کے حقیقی فتووں کے مطابق عمل ہوتا رہا اور ہمیشہ ہوتا رہے گا مگر اس کے برخلاف ان کے فتووں کا تو یہ حال ہے کہ جن کے متعلق فتوے دیتے ان کے جوں تک نہیں رینگتی۔ جب لوگ ہندوؤں، سکھوں، دہریوں، نیچریوں، آریوں، مادہ پرستوں، چماروں سے دنیوی معاملات میں قطع تعلق نہیں کر سکتے تو اپنی جماعت کے افراد سے صرف اُن کے کہنے پر کیوں کر قطع تعلق کر سکتے ہیں اور حقیقت میں لوگ بھی حق بجانب ہیں کس کس مولوی کے کہنے پر کس کس کے فتویٰ کفر پر ہر روز عمل کریں۔ روزانہ اخباروں میں ہر روز کے نئے فتوے۔ کس کو مانیں کس سے انکار کریں۔

اب رہا یہ سوال کہ دراصل سب کے سب حقیقی اور سچے مومن و مسلمان ہیں تو پھر یہ کفربازی کی لڑائی اور یہ ارتداد کی مذاق کب تک جاری رہے گی۔ کیا ایسی مذاق اُمت کے اتحاد و اتفاق کے قصرِ رفیع الشان کے لئے ایک اژدر دہنی توپ نہیں جس کے ہر گولے سے امارت جمعیتِ محمدیہ صلعم کے ٹکڑے اڑائے جارہے ہیں اور وہ بھی اس بے دردی سے کہ رحم تک نہیں۔

مولویوں سے درخواست

اب آخر میں علمائے کرام سے میری مؤدبانہ درخواست ہے کہ مسلمانوں کا کثیر حصہ ان کے ۔۔۔ کی وجہ سے ان کی سخت کلامی اور سخت گیری کے باعث مسجدوں سے گریزاں، دینِ خدا سے روگردان ہو رہا ہے جس کی تمام تر ذمہ داری آپ پر ہی عائد ہوتی ہے۔ آپ علمائے امتی کا مقام انبیائے بنی اسرائیل کے مصداق نہیں۔ کیا بنی اسرائیل کے نبی قوم پر کفر کے فتوے لگا لگا کر اور قوم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ایک کو دُوسرے کا جانی دشمن بنانے والے تھے یا قوم کے حقیقی بہی خواہ جنہوں نے بنی اسرائیل کی قوم کو چالیس سالہ غلامی کی زندگی سے نجات دلوا دی۔ آپ قوم کی کشتی کے ناخدا ہو کر کشتی منجدھار میں ڈبونا چاہتے ہیں یا پار لگانا۔ اگر پار لگانے کا ارادہ ہے اور نیت نیک ہے تو بسم اللہ سب کے سب کفرباز توپوں کے منہ بند کرنے کا یک دم حکم دے دیں اور سب سے پہلے خود اکٹھے ہو کر اپنا اندرونی نفاق دُور کر کے ہر مسلمان کو اتفاق و اتحاد کی دعوت دیجئے۔ یقیناً اگر آپ اتفاق کر جائیں اور لوگوں کو آپ میں

باہمی اتفاق کی نظر آئے تو ضرور ہر مسلمان اتفاق کی طرف بہت تیزی سے دوڑ آئے گا۔ آپ بھی بڑے بڑے مقناطیس ہیں جنہوں نے ہر طرف سویاں کھینچ رکھی ہیں۔ آپ کا اتفاق سب قوم کا اتفاق ہے کیونکہ آج تک آپ حضرات کا اتفاق، اتحاد زبانی اتفاق و اتحاد ہے عمل نہیں جن کو ہر مسلمان سمجھتا ہے گزشتہ را صلوٰۃ آئندہ را احتیاط کر کے بریلوی دیوبندی بریلویوں سے اہلِ حدیث سنت جماعت سے، سنت جماعت اہلِ حدیث سے خدا کے لئے، ناموسِ اسلام کے لئے، قرآن کے لئے، عزتِ فرقان کے لئے مل جاؤ اور اب مسجد میں صرف دو چار جمعے اکٹھے مل کر نماز پڑھو پھر دیکھو نہ کوئی فرقہ ہوگا اور نہ کوئی اختلافِ عقیدہ نہ کوئی کفرباز، نہ کافر گر اور اگر پھر بھی کوئی شامت کا مارا سر پھرا علیحدہ رہا تو پھر انہیں توپوں سے توپ دم کر دینا تمہارا اختیار ہے۔

خدا کے بندو! فرقے ہماری طرف سے نہیں تمہارے ہی علم کا نتیجہ ہیں۔ عقیدے ہمارے بنائے ہوئے نہیں تمہاری ہی علمی کاوشیں ہیں۔ گروہ ہمارے نہیں تمہاری علیحدگی کی وجہ سے ہی ہیں۔ تم ایک، ہم ایک، تم ایک دوسرے سے الگ ہو اِس لئے ہم اس طریقہ سے بیزار۔

اللہ والو! جب خدا ایک، کتابِ خدا ایک، رسول ایک، حدیثِ رسول ایک، قبلہ ایک، کعبہ ایک، زمین ایک، آسمان ایک، کلمہ ایک، اذان ایک تو پھر بتاؤ کیوں ایک نہیں، کیوں نماز ایک نہیں، اعتقادات ایک نہیں، کچھ نہ کچھ بات ضرور ہے پس وہی بات سو باتوں کی ایک بات ہے اسے دور کر کے دکھاؤ پھر جو کہو گے ہو جائے گا، جو کہو گے مانا جائے گا۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایّام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر

۱۔ ہاتو
۲۔ گنیش داس
۳۔ بند لفافہ
۴۔ دُکھ سانجھا
۵۔ باپُو

ہاتو

حضرت پیر سید رشید الدولہ کے دیوان خانہ میں خدا کے مہمانوں کا آنا جانا رہتا تھا۔ کشمیر سے محنت مزدوری کرنے آنے والوں کا موسم سرما میں ٹھکانہ ہمیشہ دیوان خانہ رہتا تھا یہ لوگ "ہاتو" کہلاتے تھے لکڑیاں چیرتے پھاڑتے تھے۔ ٹوپیاں کمبل دھوتے دھاتے تھے اور چھوٹے موٹے کام محنت مزدوری کرتے تھے اور گرمی کی آمد آمد کے ساتھ پردیسی گھر لوٹ جاتے تھے۔

حسب معمول ہاتو آئے تو تین ساتھی موذی نامراد مرض میں مبتلا جزامی ساتھ تھے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ پریشان ہوئے دیوان خانہ کے عقب "دارے" میں ان کو ٹھہرایا جہاں برنے کے درخت تلے بھولے بھٹکے مسافروں کے لئے کمرہ بنا ہوا تھا۔ تینوں کی خصوصی رہائش کا بندوبست کرنے ان کے کھانے دانے کا اہتمام فرمایا۔ اب علاج کی فکر کی۔ اس سلسلہ میں معمولی جڑی بوٹیوں کے سفوف دیئے گئے۔ مگر روائتی علاج معالجے کے بعد حضرت پیر سید رشید الدولہ نے غیر روائتی علاج کے لئے غلام رسول چشتی بادشاہ والے جنہیں استاد سپاں والا بھی کہتے تھے سے تعاون کی درخواست کی۔ رحمے کو استاد صاحب کی خدمت میں سنگ چور سانپ بلاسر کے لانے کے لئے ہدایت کی اور پھر والدہ صاحبہ سے مچھلی کی طرح اس کے قتلے کرائے اور دوائیاں لگا کر انہیں تلوایا۔ والدہ صاحبہ نے حضرت پیر سید رشید الدولہ کو کچھ کہا سنا بھی "توں تے ہر ویلے نویں پوئی چھونا ایں" مگر حضرت پیر سید رشید الدولہ نے عرض کی۔ "موذی مرض کا علاج اسی سے ہو گا۔ اس کا ڈھیروں ثواب بھی ملے گا"۔ مگر معلوم نہیں کیسے انہیں خبر ہو گئی انجانے خوف کے مارے انہوں نے کھانے سے صاف انکار کیا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے خوب سمجھایا بجھایا نہ مانے، آخر ایک ٹکڑا اٹھا کر انہوں نے خود کھالیا۔ اب تو کوئی ڈر خوف نہیں ہو سکتا تھا انہوں نے کھایا پیر سید رشید الدولہ نے ہدایت فرمائی چوبیس گھنٹے اور کچھ نہیں کھانا نہیں پینا چوبیس گھنٹے گزرنے کے بعد حضرت پیر سید رشید الدولہ نے دیکھا جسم سارا سرخ ہو رہا ہے۔ خوش ہو کر خدائے تعالیٰ کا شکر بجالائے پھر انہیں آٹھ روز اچھی خوراک دودھ گھی مکھن انڈے اور بھنا ہوا گوشت کھلایا اب ان کی کھال کینچلی کی طرح اترنے لگی۔ سرخ گوشت رفتہ رفتہ عام حالت پر آ گیا اور موذی

مرض سے نجات ملی۔

گنیش داس

بیرون چوک شاہ دولہ کے قریب شمال کی طرف ایک مندر تھا (جسے اب گرا کر دو کانیں تعمیر کر لی ہیں) جس کے پاس حضرت پیر سید رشید الدولہ کا ایک ماننے والا گنیش داس رہتا تھا۔ ایک زمانہ تھا کہ اس کا باپ منڈی بہاؤالدین کا ایک امیر آدمی تھا۔ حالات بگڑے تو باپ بیٹا غریب ہو گئے ایک دفعہ لالہ گینش داس ایک بڑھیا کو حضرت پیر سید رشید الدولہ کی خدمت میں لایا یہ منڈی بہاؤالدین کی رہنے والی تھی۔ غریب بے سہارا عورت نظر آتی تھی۔ اس نے کہا "شکنتلہ میری بیٹی بیمار ہے عمر اٹھارہ، بیس سال ہو گی روز بروز کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ ہلکا ہلکا بخار رہتا ہے" فرمایا "ماتا جی اسے ساتھ لے آئیں تو نبض وغیرہ دیکھ کر اطمینان سے دوا تجویز کر دیتے"۔ اس نے سر جھکا لیا۔ کوئی جواب نہ دیا ۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے اسے بیماری کے حوالے سے ایک مہینہ کی دوا دی اور فرمایا۔ "ماتا جی مریض کے لئے اچھی خوراک کی ضرورت ہے۔ دوا بہر حال باقاعدگی سے دیں اطلاع بھی ایک مہینہ بعد ضرور دیں۔ علاج کی ایک دو ماہ نہیں برسوں نوبت آسکتی ہے"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے اس سے کچھ نہیں لیا ایک ماہ بعد وہ ماتا جی دوبارہ آئی کہا "صرف بخار کم ہوا ہے مگر بچی ویسی ہی بیمار ہے دوائی باقاعدگی سے دی ہے"۔

اور خوراک؟

ماتا جی رو پڑی، کہا "پیسے ہوتے تو بچی کو دکھلانے ساتھ نہ لے آتی"۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ آبدیدہ ہو گئے۔ دوا دی اور پھر ادب مگر خاموشی کے ساتھ ماتا جی کو خوراک کے لئے کچھ دے دیا۔ فرمایا "اس کے بعد بھی ضرورت ہو گی اپنا گھر جان کر پھر آئیں۔ دوا جاری رکھیں رَب راکھا"۔

ایک ڈیڑھ برس علاج معالجہ سے اس کی بیماری رفع دفع ہوئی ۔۔۔ ماتا جی ایک دن صحت مند نوجواں لڑکی کو ساتھ لے آئیں کہا "شکنتلہ حکیم جی کے چرن چھوؤ" حضرت پیر سید رشید الدولہ نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ خوشی سے کہا "شکر ہے تم ٹھیک ہو گئی ہو" اور ۔۔۔ صحت یابی کی خوشی میں ماں بیٹی کو مٹھائی کے پیسے دیئے اور دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔

وے صورتاں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیاں ترستیاں ہیں
میر تقی میر

بند لفافہ

حضرت پیر سید رشید الدولہ طبیبِ حاذق تھے ان کے پاس ایک مریض کو لائے فرمایا "اس بارے ہوئے جواری کو لے آئے ہو۔ اچھا تمہارا خدا مالک ہے وہی سب کا حافظ و ناصر ہے"۔ اکیس دن کی دوا دی۔ فرمایا "صبح اُٹھو، نہا دھو کر منہ دانت صاف کرو بکری کے ابلتے دودھ میں ایک پڑیا ملاؤ خدا سے طلبِ خیر کرو توبہ کی توفیق مانگو۔ منہ نہار پی لو۔ سیر کر سکو تو کرو۔ بڑا گوشت مت کھانا اور بھنڈی توری ماش کی دال نہ کھانا۔ اور اس کی مالش کرو۔۔۔" اکیس دن کے بعد فائدہ ہوا دوا مزید دی بھنا ہوا گوشت کھانے کی فرمائش کی حالت بہتر سے بہتر ہوتی گئی اور پھر طاقت و توانائی لوٹ آئی۔

اس نے اپنی شادی پر اپنے گاؤں لدھا سدھا بطورِ خاص حضرت پیر سید رشید الدولہ کو دعوت دی تشریف لائے۔۔۔ واپسی پر اس کے عزیزوں نے ایک بند لفافہ حضرت پیر سید رشید الدولہ کی نذر کیا۔۔۔ دیوان خانہ پہنچنے سے پہلے حضرت پیر سید رشید الدولہ نے رقم لفافہ سمیت ایک مستحق کو بھجوا دی۔

دُکھ سانجھا

حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب کی وفات کے چند سال بعد راقم نے گھر میں تعمیر و اضافہ کا کام شروع کیا ہوا تھا۔ ہم خود اوپر والی منزل میں مقیم تھے۔ نیچے صرف دفتر اور مہمان خانہ بنا تھا۔ باقی کھلی جگہ تھی۔

۱۵ مارچ ۱۹۹۴ کو راقم کی اہلیہ کی طبیعت ناساز تھی چنانچہ عبداللہ شاہ صاحب ہمارے پرانے دوست ڈاکٹر محبوب ربانی صاحب کو بلانے گئے ہوئے تھے۔ میں سیڑھیوں سے نیچے اُترا تو دیکھا کہ مہمان خانے میں ایک عمر رسیدہ، سفید ریش بزرگ تشریف فرما ہیں۔ میں نے سلام عرض کیا۔ "آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں"، "میں پیر صاحب کے پرانے ملنے والوں میں۔ کنجاہ کے قریب ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں اور جب کبھی گجرات آتا ہوں تو پیر صاحب کے پوتے سید ظہیر الدولہ شاہ کو ضرور ملتا

ہوں۔ آج ان کا مطب بند ہے۔ میں نے آپ کے گھر کا دروازہ کھلا دیکھا تو اندر چلا آیا۔ یہ سوچتے ہوئے کہ پیر صاحب کا ایک بیٹا جو کہ بڑی مدت سے بیرون ملک میں ہے شاید مل جائے"۔

"میں وہی بیٹا ہوں" میرا یہ کہنا تھا کہ بزرگوں نے زار و قطار رونا شروع کر دیا اور مجھے بھی آبدیدہ کر دیا" معاف کیجئے آپ رو کیوں رہے ہیں" میں نے حیرانگی سے پوچھا۔

"بات یہ ہے کہ کئی سال پہلے جب پیر صاحب حیات تھے تو میں ان کے پاس اکثر آتا تھا۔ ایک دن پیر صاحب بیری کے درخت کے نیچے اپنے دیوان خانے میں کھڑے تھے۔ جب میں قریب پہنچا تو میں نے ان کو ایک سفیدے کے درخت کی طرف بڑی حسرت سے دیکھتے ہوئے دیکھا"۔ "پیر صاحب آپ حسرت بھری نگاہوں سے اس درخت کو دیکھ کر کیوں پریشان ہو رہے ہیں؟"

"یہ دو سفیدے کے درخت اب تناور ہو گئے ہیں میرے بیٹے نصیر نے یہ پودے اپنے ہاتھوں سے لگائے تھے۔ لیکن اس کی قسمت یہ درخت تو پھل پھول رہے ہیں مگر وہ خود اولاد جیسے پھل سے محروم ہے" پیر صاحب اس خیال میں تھوڑی دیر گم رہے اور پھر فرمایا" معاف کرنا میں تو بھول ہی گیا۔ آپ کس غرض سے آئے ہیں"" میرا اور آپ کا غم برابر ہے۔ میرے بیٹے کی شادی کو کوئی چھ سال ہو گئے۔ اس کی بھی کوئی اولاد نہیں"" بیٹے کو میرے پاس لاؤ۔ انشاء اللہ تعالیٰ کرم فرمائے گا"" کچھ دنوں کے بعد میں دوبارہ بیٹے کے ہمراہ حاضر ہوا۔ اور پیر صاحب نے میرے بیٹے کے ساتھ علیحدگی میں بات کی اور فرمایا" جاؤ اس کے اولاد ہو جائے گی۔ میں دوا دے رہا ہوں اور دعا بھی کروں گا"

"کئی ماہ بعد میں نے بڑی خوشی سے پیر صاحب کو خبر سنائی کہ اس کی بہو کا پاؤں بھاری ہے اور پھر چند ماہ کے بعد لوٹا۔ اور خوش خبری سنائی کہ اس کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا ہے۔ اس طرح پھر ایک بیٹی، پھر ایک اور بیٹا پیدا ہوا اس دن سے لے کر آج تک جب بھی میں گجرات آتا ہوں میں اس در کی حاضری دینا نہیں بھولتا"۔

پھر میں نے عرض کی کہ" آپ جب کبھی گجرات آئیں ظہیر الدولہ شاہ ملے یا نہ ملے آپ یہاں ضرور تشریف لائیں۔ مجھے ہمیشہ اپنا منتظر پائیں گے۔"

باپو

لو ٹلہ ارب علی تماں سے ہندو مریض کے لواحقین گجرات حضرت پیر سید رشید الدولہ کی خدمت

بیٹیاں حاضر ہوئے ہاتھ جوڑ کر بنتی کی کہ مہاراج ہمارے باپو "جڑ" گئے ہیں۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا "یہ مرض لا علاج ہے" "مگر غرض مند، دکھیا دیوانہ۔" انہوں نے دہائی دی مریض کو ایک نظر دیکھ لیں ہم بڑی دور سے بڑی آس لے کر آئے ہیں"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ ویسے قریبی احباب و عزیزوں کے علاوہ کسی کے گھر پر ملنے ملانے یا علاج معالجہ کے لئے نہیں جاتے تھے۔۔۔ مگر معاملہ یہاں اور ہی تھا کہ مسلسل انکار سے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ مریض کے لواحقین کو اس مقام پر لانا چاہتے تھے کہ وہ کمر بستہ ہوں کہ حضرت پیر سید رشید الدولہ کی ہدایات پر کماحقہ عمل کریں گے۔ "اک عرضِ تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے" اور ادھر سے صرف ایک نہیں سو کے جواب میں۔۔۔ کہا "اچھا مہاراج جیسے آپ حکم دیں گے ویسا ہی کریں گے"۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے بالآخر فرمایا کہ علاج ممکن نہیں۔ رشتہ دار علاج و پرہیز تسلی بخش نہیں کرتے نہ کر سکتے ہیں۔ تسلی دے کر کہا علاج سے فائدہ ہو گا مگر ویسا ہی کرنا جیسا میں کہتا ہوں۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے نہ کوئی نسخہ تجویز کیا نہ پرہیز بتلایا فرمایا "مریض کو ایسے کمرے میں رکھو جس کے دو دروازے آمنے سامنے کھلتے ہوں دونوں دروازے بند رکھیں، کنڈی نہ لگائی جائے۔ اب اچانک تین چار بندے کلہاڑیاں تیشے ٹوکے لے کر دھم سے داخل ہوں اور یوں ظاہر کریں کہ باپو کو ضرور قتل کر دیں گے۔"

چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ طوفانِ ہلڑ بازی میں باپو نے چارپائی سے چھلانگ لگا دی اور دوسرے دروازے سے بھاگ کر نکل گیا۔

اگلے روز وہ سب خاندان والے سروں پر مٹھائیوں کی ٹوکریاں لئے آئے حضرت پیر سید رشید الدولہ نے انہیں مبارک باد دی فرمایا "حضرت شاہ دولہ دریائی کے مزار پرانوار پر حاضری دیں اور چند ٹوکرے مٹھائی وہاں غریب غربا بچوں بالوں میں بانٹ دیں یہ سب مولا کا فضل ہے اور بزرگوں کی دعا ہے۔"

نگاہِ کرم

ابرِ کرم کی مثل تو برسا کچھ اِس طرح
ویرانیاں جہاں تھیں وہاں سبزہ زار ہے

۱۔ فضلِ الٰہی

۲۔ چھاجوں بارش

۳۔ ہاٹ لائن

۴۔ فوٹو گرافر

فضلِ الٰہی

پیرزادگان، اولادِ حضرت سید کبیر الدین شاہ دولہ دریائی کشمیر براستہ بھمبر پیر پنجال آتے جاتے تھے۔۔۔ حافظ جی نے اپنے خاص آدمی فضل کے ساتھ جو محلہ گوٹھی وحدت آباد میں رہتا تھا کشمیر یاترا کیا اس زمانہ میں سفر پیدل یا گھوڑوں پر کرتے تھے۔ خط پتر، ڈاک وغیرہ کا انتظام خاطر خواہ نہیں تھا۔ ایک پہاڑیہ پیغام زبانی لایا کہ حافظ جی وادی سے واپسی پر پیر پنجال بیمار پڑ گئے ہیں اور حضرت پیر سید رشید الدولہ کو جلد از جلد وہاں پہنچنے کی ہدایت کرتے تھے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ عالم و فاضل تو تھے ہی، حاذق طبیب بھی تھے پیغام ملتے ہی بے چین ہو گئے، سفر کی تیاری کی، بیگ میں دوائیاں رکھیں، سفوف مبارک جو تپ محرکہ کے لئے مجرب دوائی تھی، پاوڈر کونین اور دوسری ادویات بھی ساتھ رکھ لیں۔۔۔ اطلاع پا کر والدہ صاحبہ بے حد پریشان ہو گئیں تھیں روتی تھیں اور بار بار پیامی سے پوچھتی تھیں کہ مکمل اتہ پتہ دے، تاکہ بھائی، حافظ جی کے پاس پہنچے مگر اس کا جواب تھا کہ حافظ جی نے بیماری کے باوصف گجرات کا سفر جاری رکھنا تھا یہی انہوں نے کہا تھا۔ اس پر مزید پریشانی بڑھی۔ کیا معلوم کہاں ہوں اور کس حال میں ہوں ان سے ملاقات بھی ہو سکے!

ہو سکتا ہے کہ حافظ گجرات آ جائیں اور بھائی ان کا پہاڑوں میں بھٹکتے پھرے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے تسلی دی کہ فکر کی بات نہیں سفر کا راستہ ایک ہی ہے راستہ میں ہر گاؤں میں پوچھتے جائیں گے۔۔۔ بس دعا کریں۔

جس دن پیامی آیا اسی شام حضرت پیر سید رشید الدولہ عازم کشمیر ہوئے۔ پہلے بھمبر پھر تھنہ منڈی، راجوری پہنچے معلوم ہوا سامنے والے پہاڑ کے ایک ڈیرے پر ہیں۔ وہاں پہنچے بھائی کو بہت لاغر اور نڈھال بیمار دیکھا بہت سے ان کی بیماری سے واقف تیمارداری اور خاطر مدارت سے لوٹ گئے حضرت پیر سید رشید الدولہ نے تپ محرکہ تشخیص کیا اور سفوف مبارک کی ایک خوراک دودھ سے استعمال کرا دی۔

ایک دن حضرت پیر سید رشید الدولہ اور حافظ جی کھانا کھا رہے تھے کہ دو ڈھائی برس کا بچہ، چوپاؤں کی طرح چلتا آیا بھیک مانگنے کے لئے اس کے گلے میں جھولی ڈالی ہوئی تھی پیچھے چچا آ رہا تھا یہ منظر دیکھ کر دونوں بھائی آبدیدہ ہوئے۔ چچا سے کہا "یہ بچہ ہمیں دے دو"۔ وہ فوراً رضامند ہو گیا بچہ اس کے لئے بوجھ تھا اور کچھ نہ تھا۔ پیر سید رشید الدولہ نے اس کے گلے سے جھولی اتار کر پھینک دی اور شکر ادا فرمایا۔ دعا فرمائی "خدا اسے گدائی کی عادتِ بد سے مامون رکھے"۔

بچہ اتنا چھوٹا اور کمزور تھا کہ پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ کی گردن سے لپٹ گیا جیسے بندریا کا بچہ ماں کی چھاتی سے چمٹ جاتا ہے ۰۰۰ اسی بچہ کا چچا بنام فقیریا معلوم ہوا دیوان خانہ کے سامنے اعزا کے گھر ملازم تھا جسے چند برس ہوئے ایک پاگل کتے نے کاٹ لیا جس سے اس کی موت واقع ہوئی۔

حافظ جی ٹھیک ہونے لگے اور بچہ بھی، مگر وہ حضرت پیر سید رشید الدولہ کے ساتھ ساتھ رہتا تھا اور وہی اس کی دیکھ بھال کرتے تھے چند ہفتوں میں صحتِ کُلّی کے بعد راجوری سے روانگی ہوئی بچہ چل نہیں سکتا تھا فضل اٹھاتا تو روتا تھا سارا راستہ کبھی اس بچہ کو حافظ جی یا حضرت پیر سید رشید الدولہ گود میں اٹھائے بالآخر بخیر و عافیت گھر پہنچ گئے۔

اب یہ بچہ نانی صاحبہ اٹھائے رکھتیں تھک جاتیں تو گھر کی دیگر خواتین اسے اٹھاتی تھیں ڈیڑھ دو ماہ "دوا" اور "غذا" سے بچہ پاؤں چلنے لگا ۰۰۰ نانی صاحبہ نے اس کا نام فضل الٰہی رکھا۔

فضل الٰہی نانی صاحبہ، والدہ صاحبہ اور صاحب زادیوں سے مانوس تھا نوکر چاکر، بیماری کے دنوں میں ہاتھ لگاتے تو رونے لگتا تھا۔

فضل الٰہی' جن پیر اور میں اکٹھے پل بڑھ کر جوان ہوئے کسی بات پر ذرا اختلاف ہوتا تو ڈانٹ ہمیں ملتی تھی قصور ہو یا نہ ہو اس سے فضل الٰہی کی اہمیت کا پتہ چلتا تھا۔

فضل الٰہی کے ساتھ ایک رات بارس شو گراؤنڈ میں سرکس دیکھنے گئے۔ بازی گر نے جھولے کے کرتب دکھلا کر مسحور کر دیا۔ قبل از تقسیم ہند سر چھوٹو رام وزیر مال حکومت پنجاب گجرات آئے تھے۔ جس کی خوشی میں چھٹی تھی فضل الٰہی سے کہا "تم یہ کرتب کر سکتے ہو؟" کہا "کیوں نہیں"، گھر کے پچھواڑے کھلی جگہ تھی جہاں جامن کے درخت لگے ہوئے تھے۔ جائزہ لیا کس شاخ سے لٹک کر بہتر انداز میں کرتب کئے جائیں گے ایک بھاری موٹی شاخ موزوں سمجھی گئی۔ فضل الٰہی درخت پر

چڑھنے لگا۔ نانی صاحبہ اتفاقیہ ادھر آئیں کہا "کیا کر رہے ہو اور درخت پر کون ہے؟" ۔ کہا " فضل الٰہی" ۔انہوں نے دونوں کو جھڑکا، فضل الٰہی شاخ تک پہنچا اور اچانک نیچے آن پڑا بازو کہنیوں سے اتر گئے۔ نانی صاحبہ نے شور مچایا " جلدی آؤ ۔۔۔ فضل الٰہی ۔۔۔" ہمیں وہاں سے بھاگتے ہی بنی۔ دربار شاہ دولہ کا غسل خانہ محفوظ جگہ نظر آئی وہیں جا چھپے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فضل الٰہی کو اٹھا کر چارپائی پر ڈالا والدہ صاحبہ نے محمد دین سے کہا " نصیر کو ڈھونڈ کر لاؤ" وہ مجھے پکڑ لایا مگر برابر تسلی دیتا تھا کہ کچھ نہیں کہیں گے۔ نانی صاحبہ نے سخت سست کہا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا کہ کھاری کھوئی کے سامنے والے لوہار کو پیغام دو۔ اسے بلایا وہ ساتھ آیا۔ بازو چڑھا رہا تھا دیکھنے کی تاب نہیں تھی پھر غائب ہو گئے دوبارہ اسے دیکھنے آئے تو اس کے بازو پٹیوں سے بندھے ہوئے تھے وہ خاموشی سے لیٹا ہوا تھا۔ بڑا عرصہ اس کی یہی حالت رہی سب اہلِ خانہ اسے کھلاتے پلاتے تھے۔

فضل الٰہی کی دوستی ہماری برادری کے ایک رکن نوازش علی سے ہو گئی۔ نوازش علی اب لاہور میں ہے اور گھر بار والا آدمی ہے۔ فضل الٰہی دیر گئے گھر آنے لگا۔ کچھ دنوں برداشت کیا مگر جب ایک دن بہت دیر سے " آجا میری برباد محبت کے سہارے " گاتا ہوا آیا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے دریافت فرمایا " یہ کون دوست ہے جو تمہیں وقت پر گھر آنے سے روکتا ہے " اس نے نوازش کا نام لیا۔ فرمایا " اس کی دوستی اچھی نہیں "، مگر اس پر کوئی اثر ہوا، نہ اس نے روش بدلی ۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے معلوم کیا کہ فضل و نوازش کی دوستی بلّو سے ہے جو شیشیانوالہ چوک میں پان سگریٹ بیچتا تھا ۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے نانی صاحبہ کے سامنے ہماری موجودگی میں کہا " بیٹا اپنی بدعادتیں چھوڑ دو ورنہ ۔۔۔ وہ دن دور نہیں جب تم جیل کی سلاخوں کے ادھر اندر ہو گے اور میں باہر ۔۔۔"

اس مردِ قلندر حضرت پیر سید رشید الدولہ کی کہی کیسے پوری نہ ہوتی ۔۔۔ بلّو کو کسی نے جان سے مار دیا۔ شک کی بنا پر نوازش اور فضل دونوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ شہر میں خواہ مخواہ مشہور ہو گیا کہ حضرت پیر سید رشید الدولہ کے صاحب زادے نے بلّو کو قتل کر دیا ہے۔ مگر جلد ہی حقیقت عیاں ہو گئی کہ فضل الٰہی نے پالک ہے۔

نوازش کسی نہ کسی طرح رہا ہو گیا مگر فضل الٰہی کو مزید تفتیش کے سلسلہ میں لاہور بورسٹل جیل لے گئے ۔۔۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ سے ایک صاحب سلامت والے مرزا ٹونی صاحب کی امداد :

اعانت سے دو برس بعد فضل الٰہی جیل سے باہر آیا اس عرصہ میں حضرت پیر سید رشید الدولہ اکیلے، کسی کو گاہے ساتھ لے کر ملاقات کے لئے جاتے تھے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فضل الٰہی کو فوجی ٹیکسٹائل ملز جہلم میں نوکری دلا دی۔ جہلم میں امین آباد، گجرات کے ایک دوسرے ملازم کی صاحب زادی سے فضل الٰہی نے شادی رچالی۔۔۔ اب فضل الٰہی کم کم گھر آتا تھا لیکن حضرت پیر سید رشید الدولہ نے کبھی نہیں جتلایا کہ یہ سب غلط سلط کام کیوں کئے۔ فضل الٰہی کراچی چلا گیا جہاں وہ کسی ٹیکسٹائل مل میں معقول تنخواہ پر ورکس ماسٹر ہو گیا۔۔۔ خدائے تعالیٰ نے اسے بیٹا عطا کیا۔۔۔ اب وہ گاہے گاہے خط لکھا کرتا اور قدم بوسی کے لئے حاضر ہو جاتا تھا۔۔۔ اس کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں چند ایک کے بیاہ شادیاں ہو گئی ہیں کراچی بوڑھ والے چوک میں اس کا گھر تھا۔ اپنی ماربل فیکٹری تھی۔ جواں بیٹے کاروبار میں شریک تھے۔۔۔ کراچی حالات خراب ہو گئے اب وہ سب گجرات اٹھ آئے ہیں۔ سرگودھا روڈ پر ایک کوٹھی میں رہتے ہیں۔ ملنے ملانے آجاتے ہیں۔

چھاجوں بارش

حضرت پیر سید رشید الدولہ دربار حضرت پیر سید کبیر الدین شاہ دولہ دریائی کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھاتے تھے۔۔۔ معلوم ہوا جیل کے اندر قیدیوں کو مناسب کھانا دانا میسر نہیں۔۔۔ ان دنوں ڈاکٹر انصاری صاحب، مولانا ظفر علی خان صاحب، غفار خاں صاحب اور دوسرے نامور سیاسی قیدی بھی گجرات جیل میں نظر بند تھے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے اس سلسلہ میں ڈی۔ سی گجرات سے ملاقات کی طے یہ ہوا کہ فراہمی خوراک کا ٹھیکہ خود ہی لے لیں۔

موسلا دار بارش ہو رہی تھی حضرت پیر سید رشید الدولہ حسبِ معمول قیدیوں کا کھانا لائے۔ دیکھا ایک سکھ قیدی سلاخوں سے لپٹا زار و قطار رو رہا ہے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ آگے بڑھے اور اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا اس نے اور بھی بلک بلک کر رونا شروع کر دیا۔ دریافت فرمایا "سردار جی کیا بات ہے اتنے دکھی کیوں ہو" کہا "مجھے میری ماں یاد آرہی ہے" ۔ فرمایا "مائیں تو سب کو یاد آتی ہیں۔ خاص بات کیا ہے؟" کہا ایسے موسم میں جب چھاجوں بارش ہوتی تھی تو ماں سے کہتا تھا کہ میرے

لئے گڑ کے چاول پکاؤ۔ گڑ اتنا ڈالو کے ہونٹ چپک جائیں۔۔۔ آج ماں کی کمی محسوس زیادہ ہوئی ہے"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ اسی چھاجوں بارش میں واپس آئے۔ بہن جی سے کہا کہ گڑ والے چاول پکا دیں اور گڑ اتنا ڈالیں کہ ہونٹ چپک جائیں۔۔۔ چاول تیار ہوئے تو لے کر سردار جی کے سامنے رکھ دیئے۔ یہ مہربانی دیکھ کر سردار جی کی ہچکی بندھ گئی چاول کھا کر کہا "آپ کا نوکر ہوں کسی کام آ سکوں تو یاد کر لینا"۔

ہاٹ لائن

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے گجرات جیل میں ایک نوجوان، نمازی کو دیکھا۔ ہمہ وقت تلاوتِ قرآن میں مصروف رہتا تھا۔ رنج و ملال صاف چہرہ پر لکھا ہوا تھا۔ ایک دن حضرت پیر سید رشید الدولہ نے دریافت فرمایا "تم بہت آزردہ رہتے ہو تمہیں کیا دکھ ہے" اس نے کہا "مجھے پھانسی کی سزا ناحق ہو جائے گی" ۔ فرمایا "جرم نہیں کیا تو سزا کیسی؟۔۔۔ " اس نے کہا "اس دن میں عدالت کے سمنوں کی تعمیل کرانے کی ڈیوٹی پر تھا۔ گرمیوں کے موسم میں محلہ لوہاراں سمن کی تعمیل ہی کے سلسلہ آیا تھا۔ اور واپسی پر نالی کے کنارے کنارے جا رہا تھا۔ شاہ دولہ روڈ پر پل پر پہنچا اس کے نیچے شاید دریائے چناب گزرتا ہو گا۔ نالی کے کنارے کافی اونچے تھے دوسرے کنارے پر دیکھا ایک لڑکی بچہ کو اٹھائے جا رہی ہے ساتھ دوسرا چار برس کا بچہ چل رہا تھا۔ چلتے جاتے تھے اور لڑکی اور لڑکا چہلیں، شرارتیں کرتے جاتے تھے مجھے ڈر ہوا کہ کہیں بچہ ان کی بے احتیاطی سے نالی میں نہ جا پڑے۔۔۔ اور وہی ہوا پانی کی سطح نیچی تھی، میں نے کنارے پر لیٹ کر ہاتھ پانی تک پہنچانے کی کوشش کی کہ بچہ کو پکڑ باہر کھینچ لوں۔ بچہ تو ہاتھ نہ لگا۔ وردی گندی ہو گئی تھیلا پانی میں جا گرا دوسرے کنارے پر بچوں نے چیخنا شروع کیا لوگ جمع ہو گئے بچوں کے ماں باپ بھی آ گئے۔ مار پیٹ کے ڈر سے لڑکی نے کہا بچہ مجھ سے نہیں گرا اس آدمی نے اسے چھینا چاہا اور اسی کشمکش میں بچہ نالی میں جا گرا دوسرے بچوں نے کہا اس نے دوسرے کنارے پر کود جانا چاہا اور بچہ نالی میں گر گیا۔ وردی بھیگی ہوئی تھی تھیلا بھی نالی سے نکالا گیا تھا لوگوں کو یقین آ گیا انہوں نے پہلے مارا پیٹا پھر حوالہ پولیس کر دیا۔ اب مقدمہ چلے گا اور مجھے پھانسی بھی ہو جائے گی"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا "بھائی تم بے قصور ہو۔ شہادت تمہارے خلاف نابالغ بچوں

کی ہے اور اچھے وکیل تو سچے گواہوں کو جھوٹا بنا دیتے ہیں"۔ اس نے کہا"۔۔۔ نہیں۔۔۔ مجھے پھانسی ہو جائے گی"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا۔۔۔"اچھا اب خدا حافظ کل آؤں گا۔ اتنی دیر میں دماغ پر بوجھ ڈال کر سوچو کیا تم سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوا ہے جس کی وجہ سے قدرت نے تمہیں اس عذاب میں ڈال دیا ہے۔۔۔" دوسرے دن حضرت پیر سید رشید الدولہ جیل پہنچے تو اس نے کہا"کوئی اور بات یاد نہیں آرہی صرف ایک فریادی بلی مجھے یاد آتی ہے۔۔۔ میرے افسر ایک فائل دیکھ رہے تھے ادھر بلی نے بچے دے رکھے تھے۔ بلی کے بچوں نے شور مچایا تو افسر کے کام میں خلل پڑا۔ اس نے حکم دیا انہیں چپ کراؤ مگر چپ نہ ہوئے اس نے کہا ارے تو بلی کے بچوں کو قابو نہیں کر سکتا۔۔۔ تو اور کیا کرے گا میں نے اس پر ایک بچہ کو ایسا چپت رسید کیا کہ وہ تڑپ کر مر گیا۔۔۔ بلی اس کی ماں قریب آئی اس نے آسمان کی طرف منہ کر کے فریاد کی اور پھر مردہ بچہ کے گرد پھرنے لگی"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا"بات میری سمجھ میں آگئی ہے تم اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو وہ بڑا رحیم و کریم ہے۔ تمہاری توبہ قبول ہو گی۔ انشاء اللہ"۔

"توبہ۔۔۔" اس نے کہا"توبہ کیسے کروں؟" فرمایا"گجرات سے لاہور جانا ہو پہلے ریلوے سٹیشن پر پہنچتے ہیں، ٹکٹ لے کر گاڑی میں سوار ہوتے ہیں اگر غلطی سے لالہ موسیٰ کی گاڑی میں جا بیٹھو تو لاہور کے ٹکٹ کے باوصف لاہور نہیں پہنچو گے۔ لاہور والی گاڑی میں بیٹھو۔ توبہ کا مطلب یہ ہے غلطی کا اعتراف کرو۔۔۔ وعدہ خود سے کرو لاہور جانا ہے لالہ موسیٰ والی گاڑی میں بیٹھنے کی غلطی نہیں کروں گا۔ تم سے خطا ہوئی۔ اس پر نادم ہو۔ وعدہ کرو کہ آئندہ ایسی غلطی نہیں کرو گے، خدا تمہاری توبہ قبول کرنے والا ہے"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے اسے حضرت یونس علیہ السلام کی استغفار کی تلقین فرمائی۔

عدالت میں کیس پیش ہوا گواہ نابالغ تھے شہادتیں غیر قانونی قرار دی گئیں اور لوگ جنہوں نے یونہی جھوٹی گواہی دی جھوٹے ثابت ہوئے عدالت نے ملزم کو باعزت بری کر دیا۔

فوٹو گرافر

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے اپنے عزیز بھتیجے نصر الدولہ سلمہ جنہیں پیار سے پینیا اور انور

پکارتے تھے کے حصۂ جائیداد میں ان کی رہائش گاہ سے آگے دکانیں تعمیر کرائیں تھیں مگر انہیں کرایہ پر اٹھانے میں پس و پیش فرماتے تھے خیال لگا کہیں "شریک" کرایہ دار کو ورغلا کر پریشانی کھڑی نہ کر دیں۔

ایک دن تاہم ایک فوٹو گرافر حاضر خدمت ہوا۔ اس کی دکان سرگودھا روڈ پر تھی چاہتا تھا کہ سٹوڈیو شاہ دولہ روڈ پر قائم کرے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے دریافت فرمایا بیٹا "کیا نام ہے"۔ کہا "منظور حسین"، بس سنا تھا کہ آنسو بھر آئے کہا "بیٹا اس نام کی برکت سے ویرانہ میں ڈیرہ لگاؤ گے تو رزق کی کمی نہیں ہو سکتی۔ دکان تم لے لو۔ انکار نہیں کر سکتا بیٹا۔۔۔ منظورِ حسین ہو۔۔۔ یہ چابی ہے" اس نے مزید حیرانی سے پوچھا "اور کرایہ" فرمایا "جو چاہو دے دینا"۔

پھر کرنا خدا کا کیا ہوا کہ شناختی کارڈ کا دفتر شاہ دولہ روڈ پر ڈاکٹر عالم مرحوم کی کوٹھی "کنعانِ یوسف" میں منتقل ہو گیا ہر کارڈ کے لئے تصویر کی ضرورت ہوتی ہے۔ منظور حسین سڑک پر واحد فوٹو گرافر تھا۔ اس کا کاروبار خوب چمکا۔۔۔ چند برسوں بعد دفتر ڈاکٹر عالم کی کوٹھی سے شادی وال روڈ پر چلا گیا اس سے کاروبار اور آمدنی میں نتیجتاً کمی واقعہ ہوئی منظور حسین خاصے پریشان ہوئے حضرت پیر سید رشید الدولہ حسبِ عادت صحن، دیوان خانہ کی صفائی ستھرائی سے فارغ ہونے تھے۔ منظور حسین اِدھر سے گزرے پریشان دیکھ کر بلا لیا۔ عرض کیا "شناختی کارڈ کا دفتر اُٹھ گیا ہے کاروبار ٹھپ ہو گیا ہے" اسی محبت و شفقت سے فرمایا "بیٹا یاد ہے کہا تھا تم جنگل میں ڈیرا لگاؤ گے تو رزق میں کمی نہیں پاؤ گے۔ خدا پر بھروسہ کرو تمہیں مولا حسین شاد آباد رکھیں گے فکر نہ کرو"۔

آج اس سڑک پر کئی فوٹو گرافر ہیں۔ منظور حسین نے نیک نیتی، اعتبار و اعتماد سے پاؤں جما کر کام کیا اور برابر ترقی کرتے اس مقام پر پہنچے کہ اس پایہ کا فوٹو گرافر باید و شاید۔

نکتہ وری

تھی اس کی ذات مشعلِ انوارِ آگہی
جینے کا زندگی کو قرینہ سکھا گیا

چٹھی میرے ڈھول نوں

حضرت پیر سید رشید الدولہ ہائی کورٹ لاہور میں مقدمہ کی پیروی کیلئے جاتے تھے جب سے درگاہ شاہ دولہ دریائی کو محکمہ اوقاف نے قبضہ میں لیا تھا۔ صبح سویرے منہ اندھیرے حضرت پیر سید رشید الدولہ اڈہ لاری پر لاہور جانے والی بس پر سوار ہوتے ۔۔۔ دستور یہ تھا اور شاید اب بھی ہے کہ بس جب تک بھری جائے گی ٹیپ ریکارڈر چلتا رہتا ہے اس وقت گراموفون ریکارڈ بجائے جاتے تھے ڈرائیور نے گانا لگا رکھا تھا۔

واسطہ ای رب دا توں جاویں وے کبوترا
چٹھی میرے ڈھول نوں پہنچاویں وے کبوترا

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے دیکھا ایک سادہ لوح دیہاتی، سفید ریش، درویش صفت باہر کھڑا ڈرائیور سے بار بار یہی ریکارڈ لگانے کی فرمائش کر رہا ہے ڈرائیور دوسرا گانا سنوانا سننا چاہتا تھا وہ راضی نہیں ہوتا۔ نوبت تلخ کلامی تک پہنچی۔ اُدھر بس بھر گئی تھی لوگوں نے کہا "بھائی اب چلو" درویش نے کہا "ریکارڈ سناؤ ۔۔۔" حضرت پیر سید رشید الدولہ کو بھی عدالت میں پیشی کے باعث جلدی تھی اُترے درویش کے پاس آئے وہ خوش ہو گیا۔ پوچھا "بابا کس بات پر تکرار ہے؟" اس نے کہا "بزرگو خدا کا شکر ہے تم آ گئے ہو کتنی اچھی نعت شریف ہے گانے والی کہہ رہی ہے کبوتر میرا پیغام سرکار مدینہؐ کے حضور لے جا مگر ڈرائیور میری عرض وہاں پہنچنے سے روکتا ہے"۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا "بابا جی اُس کی سرکار ہی ایسی ہے، تمہاری عرضی وہاں پہنچ گئی ہے اب کیا حکم ہوتا ہے، انتظار کریں۔ عرضی پہنچانے کے لئے گانے کے بول کی ضرورت نہیں۔ نیت کا پھل ملتا ہے" درویش پیچھے ہٹ گیا بس لاہور کے لئے روانہ ہوئی۔

کتنا سستا سودا ہے

حضرت پیر سید رشید الدولہ حافظ جی کے ساتھ جوگڑھا (رحمان پورہ) اپنی زمینوں پر سے واپس آ رہے تھے۔ دونوں سرائے عالمگیر کے لاری اڈہ پر پہنچے اور بس میں سوار ہو گئے۔ اسی وقت ایک معمر، کمزور،

ناتوان شخص بس میں بیٹھنے لگا کنڈکٹر نے اسے بیٹھنے نہ دیا۔ سرائے عالمگیر سے گجرات کا کرایہ اس زمانہ میں صرف چار آنے تھا۔ مگر اس غریب کے پاس چار آنے بھی نہیں تھے۔ وہ فقط خدا اور رسولؐ کا واسطہ دے کر کہتا تھا "اسے لے چلیں گجرات بڑا کام ہے" ضد کی، مگر کنڈکٹر نے اس کے ساتھ بدکلامی سے پیش آتے ہوئے اسے دھکا دیا اور کہا۔۔۔ "بابا چھڈ۔۔۔ دفع ہو۔۔۔" حافظ جی کو بڑا رحم آیا معلوم نہیں بابا کتنا مجبور ہو گا۔ اور کیا ضروری کام ہو گا جس کی وجہ سے وہ سخت سُست سن رہا ہے۔ انہوں نے حضرت پیر سید رشید الدولہ سے فرمایا "موقع ضائع نہ کرو۔ اس کو ساتھ لے چلو دیکھو چار آنے میں خدا ملتا ہے۔ کتنا سستا سودا ہے اور کنڈکٹر کے لئے کتنا مہنگا۔ بس اپنی اپنی قسمت ہے اب جو بھی قسمت کا دھنی ہو۔۔۔" حضرت پیر سید رشید الدولہ نے بوڑھے غریب کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ بٹھا لیا۔۔۔ دلجوئی فرمائی یہ نہیں پوچھا بابا تجھے ایسی کیا مجبوری ہے۔۔۔

حاضری ایک کینیڈین کی آستانہ پر

جناب گلزار حیدر، سید افتخار حیدر گیلانی اور ڈاکٹر سید ذوالفقار حیدر کے کے بھائی کینیڈا، اوٹاوا یونیورسٹی میں شعبہ تعمیرات کے پروفیسر ہیں، وہیں ایک کینیڈین عیسائی سکالر سے اسلام کے متعلق ان کی گفتگو ہوتی رہتی تھی مگر اس کے سوالات کے جوابات بالصواب جناب سید گلزار حیدر سے بن نہیں پڑھتے تھے۔۔۔ انہوں نے کہا کہ صاحب پاکستان چلو وہاں ایک بزرگ درویش صاحب علم ہیں ممکن ہے تمہارے سوالات کا تسلی بخش جواب مل جائے۔ پوچھا "کوئی ملاّ" ہیں۔ جواب دیا "نہیں، سیدھے سادھے مسلمان ہیں اسلام اور دیگر مذاہبِ عالم سے متعلق علم رکھتے ہیں۔ دینِ موسائی، عیسائی، زرتشتی، ہندو اِزم، بدھ مت، سیکولر اِزم کے ساتھ صوفی ازم کا گہرا مطالعہ کیا ہے اردو، پنجابی، فارسی، عربی، سنسکرت، ہندی، گورمکھی زبانیں جانتے ہیں فلسفہ کے حوالے سے حکیم اور پیشہ کے اعتبار سے طبیب ہیں"۔

چند ماہ بعد جب جناب گلزار حیدر نے پاکستان کے لئے رختِ سفر باندھا۔ کینیڈین ساتھ ہو لیا۔ دونوں حضرت پیر سید رشید الدولہ کے آستانے پر حاضر ہوئے۔ سلام کیا۔ گلزار حیدر کو گلے لگایا پوچھا "یہ صاحب بہادر"۔ کہا "میرے دوست ہیں کینیڈا سے شوقِ ملاقات لے کر آئے ہیں"۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے ہاتھ ملایا اور پیار سے انہیں تھپکی دی۔ دونوں صاحبوں کے لئے دو کرسیاں خالی کر

دی گئیں اور حضرت پیر سید رشید الدولہ دو اور کرسیاں لے آئے تاکہ سب آرام سے بیٹھ جائیں۔

مریضوں سے فرصت ہوئی۔ اسی دوران میں چائے آ گئی اور جلال پور جٹاں کی خطائیاں جو حضرت پیر سید رشید الدولہ کو بہت پسند تھیں۔ کینیڈین نے خطائیاں رغبت سے کھائیں ... اب حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا "ان کا تعارف ذرا تفصیل سے کرائیں"۔ کہا "دوست ہیں، مذاہب عالم میں دلچسپی ہے اسلام سے متعلق اچھی خاصی معلومات رکھتے ہیں۔ سوالات کرتے رہتے ہیں اپنے پاس جواب نہیں ہوتے اس لئے آپ کی خدمت میں لے آیا ہوں"۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ مسکرانے لگے فرمایا "ہم بھی سنیں کیا سوالات ہیں"۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ تھوڑی سی انگریزی سمجھتے تھے۔ بول نہیں سکتے تھے انتظام یہ ہوا کہ کینیڈین انگریزی میں سوال کرتا۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ پنجابی، اردو یا دونوں میں ملا جلا کر جواب دیتے۔ جناب گلزار حیدر انگریزی میں سناتے سمجھاتے جاتے، پیار کے مدھم انداز میں جوابات اتنے معقول اور مکمل ہوتے تھے کہ بات کینیڈین کی سمجھ میں آنے لگی۔

دو گھنٹے گفتگو ہوئی۔

دوپہر کے کھانے پر حضرت پیر سید رشید الدولہ چند احباب کے ساتھ گلزار حیدر صاحب اور کینیڈین کو لے کر ہال کمرے میں دستر خوان پر آئے سب مہمانوں کے لئے پاکستانی کھانا تھا مگر جناب گلزار حیدر اور کینیڈین کے لئے بلا مرچ مصالحہ، آلو گوشت اور بریانی دستر خوان پر موجود تھی۔ چھری کانٹے کا بندوبست بھی تھا۔

جناب گلزار حیدر رخصت ہوئے انہیں معلوم تھا دوپہر کھانے کے بعد دو گھنٹہ حضرت پیر سید رشید الدولہ کے آرام اور مطالعہ کے لئے وقف ہوتے ہیں۔ کینیڈین جناب سید ذوالفقار حیدر کی رہائش گاہ پر چلے گئے۔ چار بجے دونوں پھر آئے۔

یہ دوسری مجلس تقریباً رات گئے تک چار، پانچ گھنٹہ جاری رہی۔ اب کینیڈین نے کہا "صرف دو سوال باقی ہیں ایک سوال یہ ہے

(الف) اسلام میں ایک سے زیادہ شادی کی اجازت کیوں دی گئی؟

(ب) کیا عورت کے ساتھ یہ بے انصافی نہیں؟"

مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد حضرت پیر سید رشید الدولہ نے مسکرا کر کینیڈین کی طرف دیکھا اور آخری بات یوں کی کہ مغربی کہتے ہیں آدمی جانور بھی ہے اب اس "جانور" کو لالچ دیں

تو اس سے مرضی کے مطابق کام لیا جا سکتا ہے، اس جانور کو راہ راست پر لایا اور راہِ راست پر رکھا جا سکتا ہے۔ سب سے بڑا جرم یا قصور جس سے اس جانور کا بچ نکلنا مشکل نہیں ناممکن ہوتا ہے یہی جنسی خواہشات کی آسودگی ہو سکتا تھا۔ یہ زبردست لالچ ہے، لیکن بہت کڑی شرائط کے ساتھ۔ اس سے نہ صرف سماجی بے راہ روی کا علاج ممکن ہے بلکہ جنسی طور پر مطمئن شخص سو کام سنوار سکتا ہے۔ کوئی اور 'پروگرام' آپ کے ذہن میں ہو تو بتلایئے تاکہ اس کی افادیت پر بات کر سکیں۔ اسے جنسی آسودگی کا راستہ سمجھیں یہ اسلام کا جائز راستہ ہے آپ جنسی آسودگی کا اور بہتر راستہ تجویز فرمائیں"۔

"مگر لونڈیاں، کنیزیں ۰۰۰؟۰۰۰؟"

فرمایا "صرف ایک بات کہوں گا۔ جنگ میں فریقین کے نوجوان مارے جاتے تھے اکثر شادی شدہ ہی ہوتے ہوں گے۔ پس ماندگان بیواؤں کے دو مسائل ہیں۔ ایک جنسی دوسرا اقتصادی۔ جنسی مسئلہ کو خدشات کے خانہ میں نہ رکھیں۔ جنسی خواہشات اور جنسی بے راہی بآسانی زندگیوں میں زہر گھول سکتی ہیں۔ نوجوان بیواؤں اور پس ماندگان دوسرے افراد کے سہارے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اسلام کا یہ ارادہ تو انسان دوستی کا ارادہ تھا۔ اجازت نامہ کے غلط استعمال سے اس کی افادیت ختم ہو جاتی ہے۔ یہ درست ہے، مگر اب پھر سوال آپ سے یہ ہے کہ بتلائیں بے سہارا بیواؤں، ماؤں، بیٹیوں، بہنوں کے لئے آپ کا "پروگرام" کیا ہو گا ۰۰۰ اور اسلام نے اس سارے چکر سے بچ نکلنے کی راہ مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کو بتلا دی تھی۔ مسلمان جان و مال، عزت آبرو، گھربار کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ آپ انہیں اس کے عوض جزیہ دے دیں، ہر قسم کی سماجی، مذہبی اخلاقی آزادی انہیں حاصل رہے گی۔ مسلمانوں کے لئے سارا بندوبست احسن طریقہ کیا جانا فرض ہو گا ۰۰۰ تاریخ دیکھیں عیسائیت ہو یا کوئی اور دین مذہب کسی نے طاقتور ہوتے ہوئے دشمنوں کے سامنے ایسی شرائط نہیں رکھیں بلکہ قتل و غارت لوٹ مار کا بازار گرم کیا"۔

جب تک گلزار حیدر گجرات رہے کینیڈین روزانہ آستانہ پر حاضری دیتا تھا اور نت نئی گتھیاں سلجھتی رہتی تھیں۔

کئی برس گزر گئے سید افتخار حیدر گیلانی کینیڈا سے واپس آئے تھے حضرت پیر سید رشید الدولہ نے دریافت فرمایا "تمہارے کینیڈین کا کیا حال ہے کوئی خط پتر نہیں آیا" انہوں نے جناب گلزار حیدر سے بات کی۔ کہنے لگے کینیڈین کہتا ہے "خط پتر کی ضرورت نہیں حضرت پیر سید رشید الدولہ

میری رہنمائی کرتے ہیں۔ خواب میں، خیال میں، نیاگرا فال کے دامن میں ان سے ملاقات ہو جاتی ہے اور مسئلہ مسائل پر گفتگو ہوتی ہے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ اسی انداز اسی محبت کے مدھم انداز میں مسئلہ کا حل فرماتے ہیں"۔

ایسی نماز سے گزر۔۔۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ کے دیوان خانہ کے پاس ہی دکاندار رہتا تھا۔ حساب کتاب سمیٹ کر مسجد میں جاتا تھا۔ ایک دن دیکھا حساب کتاب سمٹ نہیں رہا اور بہت پریشان ہے پوچھا تو کہا "صاحب نماز قضا ہو جائے گی حساب کتاب مل نہیں رہا"۔ کہا "بھائی حساب کتاب کا نماز سے مطلب"، کہا "حساب کتاب ہی کھاتہ درست ہو جاتا ہے جونہی میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں نماز ختم کر کے آ کر سارا لکھ لکھالیتا ہوں آج تو حساب کتاب ہی نہیں مل رہا کھاتہ کیسے تیار کروں گا"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے سنا تو فرمایا "ایسی نماز سے گزر۔۔۔"

سب بیکار

ہماری بیٹی غازیہ سلمہا آبائی شہر گجرات آئی اور سوئے اتفاق بیمار ہو گئی علاج معالجے سب بیکار، بے فائدہ۔ بخار تھا کہ اترنے کا نام نہیں لیتا تھا بڑی پریشانی تھی۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ کی دختر نیک اختر بطورِ خاص افسردہ، پریشان، حیران تھیں۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے پریشان دیکھا تو پریشان ہو گئے پھر فرمایا "بیٹا میرا دوست لاہور میں بیمار پڑا۔ بچنے کی امید کم تھی۔ اسے ذہن میں رکھ کر یہ آیتِ کریمہ ہر رات اکیس مرتبہ پڑھی تھی۔ وہ صحت کلی پا کر پانچویں روز لاہور سے ملنے آیا تھا۔ اب تم بھی بیٹی کو ذہن میں رکھ کر رات کو اکیس مرتبہ آیت پڑھو اور قدرت خداوندی کا تماشہ دیکھو"۔ ایسا ہی کیا گیا غازیہ سلمہا رو بہ صحت ہوئی اور بالآخر شفائے کلی پائی۔

(آیت کریمہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیئ و فی الارض ولا فی السماء و ھو السمیع العلیم

یوں بھی ہونے کا پتہ دیتے ہیں

علم کی حد سے پرے ، بندہ مومن کیلئے
لذتِ شوق بھی ہے ، نعمتِ دیدار بھی ہے

۱۔ یہاں سب پھل ایسے ہی ہیں
۲۔ گھنگروں کی چھن چھن
۳۔ جیسے کوئی نہار رہا ہے
۴۔ خاص شخص خاص کام
۵۔ پائل کی جھنکار
۶۔ عکسِ جمیل
۷۔ کاریبے سمندر
۸۔ نادِ علی
۹۔ درحت کے ایک پتے پر
۱۰۔ بلی کا چادر کھینچنا

یہاں سب پھل ایسے ہی ہیں

چھ ساڑھے چھ بجے میاں بیوی ناشتہ کی میز پر آئے اور راقم کی بیوی فرخ نے رونا شروع کیا

"کیا بات ہے، کوئی تکلیف؟"

"تکلیف کوئی نہیں رات کو اباجی خواب میں دیکھے بڑے زمانہ کے بعد زیارت ہوئی اس لئے رو رہی ہوں۔ حسبِ عادت سادہ سفید لباس پہنے ہوئے تھے ہاتھ میں انگوروں کا گچھا تھا دو دانے دیئے۔ کھائے تو ایسے انگور تھے جو پہلے کبھی کھائے نہیں تھے"۔

فرمایا "یہاں سب پھل ایسے ہی ہیں"۔ دیکھیں تو دنیاوی پھلوں کی طرح مگر حیرانی کہ ویسے نہیں ۔۔۔ "پھر دو دانے اور دیئے فرمایا "نلکہ کے پاس ایک انگور کی بیل ہے یہ دو دانے بھی وہاں دبا دینا ۔۔۔" آنکھ کھل گئی۔

کہا "چلو اٹھو دیکھتے ہیں ۔۔۔" انگور کی بیل کے پاس آئے اس کے قریب دو اور بیلیں سر سبز و شاداب نظر آئیں جو تقریباً میٹر اونچی تھیں۔ اپنا دستور بنا لیا کہ کرسیاں بچھا کر صبح وہیں بیٹھ جاتے ناشتہ وہیں کرتے۔ اردو کا اخبار خبریں اور انگریزی ڈان پڑھتے۔

میر یونس صاحب، میر عارف صاحب اور رائے زاہد صاحب وکیل گھر تشریف لائے انہیں بات کہہ سنائی کسی نے یقین نہ کیا مگر بیل دکھلائی اور سب حیران، یہ کیسے ممکن ہے۔

بیلوں کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ دو رسیاں باندھ کر انہیں ان پر چڑھایا۔

اسی دوران میں لندن جانا پڑا وینزویلا سے بیٹی کو پڑھائی کے سلسلہ میں لندن آنا تھا۔ چنانچہ سب انتظامات کئے جانے تھے۔ نوکروں کو تاکید کی کہ بیلوں کا خاص خیال رکھیں سوکھ نہ جائیں۔ چند مہینوں بعد واپسی ہوئی دیکھا ایک بیل سوکھ گئی ہے اور دوسری سوکھ رہی ہے ۔۔۔ دعا ہے خدا کرے موسم کی تبدیلی پر بیل ہری ہو جائے نوید اختر ثنائی، عبداللہ شاہ اور قمر سجاد دوستوں عزیزوں کی دعائیں اپنی دعا کے ساتھ شامل ہیں۔ لیکن ہائے وہ بیل سوکھ گئی۔

گھنگروں کی چھن چھن

سردیوں کے موسم میں کئی بار ایسا ہوتا کہ سب ہال کمرے میں سوئے ہوتے تھے۔ اس کے روشن دان بر آمدے کے اُوپر چھتوں پر کھلتے تھے۔ بر آمدوں پر سازوں کی مدھم آوازوں پر گھنگروں کی چھن چھن کے ساتھ ایسے جیسے ناچ شروع ہو گیا ہو۔ بعض سازوں کی آواز جانی پہچانی ہوتی تھی مگر ایسے سازوں کی آواز بھی سنتے تھے جو کبھی پہلے نہیں سنی تھی۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ کمرہ کا دروازہ کھول کر بر آمدہ میں آتے اور سیڑھیوں پر پہلا قدم رکھتے۔ ناچ بند ہو جاتا۔۔۔ واپسی پر دروازہ بند کر کے فرماتے "تیسرا کلمہ پڑھو۔۔۔ کوئی مخلوق ہے جشن منا رہی ہے۔ دخل نہ دیا کرو۔۔۔" سونے لگتے تو ناچ پھر شروع ہو جاتا اور وقفہ وقفہ سے اذانِ فجر تک جاری رہتا تھا۔ سردیاں آتیں تو بعض اوقات کہتے "چلو اچھا ہے راتوں کو ناچ گانا سنا کریں گے"۔

جیسے کوئی نہا رہا ہے

سب گھر والیاں گرمیوں میں چھت پر سوتی تھیں اور سب آدمی دیوان خانہ کے کھلے صحن میں۔ اندرون خانہ آدھی رات کو پانی کا نلکہ گھیڑنے کی آواز آتی تھی۔ جیسے کوئی نہا رہا ہو۔ جب کوئی اس طرف جاتا آواز بند ہو جاتی۔۔۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ حضرت پیر سید رشید الدولہ جو کبھی چھت پر سوتے تھے پکارا جاتا۔ جونہی اُٹھ کر سیڑھیوں پر پہلا قدم رکھتے اور نلکہ کی طرف دیکھتے، بچوں کی آواز آتی۔ "چُپ، چُپ، پیر صاحب آ رہے ہیں"۔ نلکہ چلنا تو بند ہو جاتا مگر گھڑے میں پانی ضرور موجود ہوتا۔

سب اُن آوازوں کے گرمیوں میں عادی ہو گئے عام طور پر کوئی نوٹس ہی نہیں لیا جاتا تھا۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا "بے فکری سے سویا کرو گرمی میں یہ نہانے آتے ہیں، سب کو اچھی طرح جانتے ہیں۔"

پوچھنے کی جرأت نہیں تھی کہ حضرت جنوں بھوتوں کو بھی گرمی ستاتی ہے۔

خاص شخص خاص کام

حضرت پیر سید رشید الدولہ کی صاحب زادیاں فرخ، جمشید اور کوکب دری دیوان خانہ کے ہال

سے متصل کمرہ میں سوتی تھیں جس کا دروازہ کتاب خانہ میں کھلتا تھا۔ کتاب خانہ حضرت پیر سید رشید الدولہ کی خواب گاہ بھی تھا۔ دونوں صاحب زادیاں ایسی آواز سنتی تھیں جیسے ہال میں کوئی شخص بڑے رجسٹر کے ورق الٹ پلٹ رہا ہو۔ آواز سے آنکھ کھل جاتی، دبے پاؤں حضرت پیر سید رشید الدولہ کے کمرہ میں آجاتیں انہیں جگاتیں، "ہمیں ہال کمرہ سے کسی کے رجسٹر کے ورق الٹنے پلٹنے کی آواز آتی ہے"۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ یہی جواب دیتے۔ "ڈرو مت، جاؤ، سو جاؤ۔ خاص شخص ہے اور اپنے خاص کام میں مصروف ہے"۔

پائل کی جھنکار

حضرت پیر سید رشید الدولہ کے دیوان خانہ کے مشرق میں تنگ سی گلی ہے جس کے شمال میں ایک دروازہ کھلتا ہے ۰۰۰ رات کے وقت گاہے گاہے اس گلی میں معلوم ہوتا جیسے سارنگی کی سنگت اور طبلہ کی تھاپ پر گھنگرو باندھے کوئی ناچ رہی ہے۔ دیوان خانہ کی کسی کھڑکی یا چھت پر سے جھانکیں تو گلی میں پائل کی جھنکار بند ہو جاتی ہے ۰۰۰ اور ۰۰۰ پھر کبھی ساری رات بند رہتی، کبھی تھوڑی دیر بعد سلسلہ پھر شروع ہو جاتا اور گیتوں کے بول کچھ یوں ہوتے:

۱۔ "مورے سیاں بلا دے آدھی رات"

۲۔ "دے میں مر مٹی آں،
باتاں پیار دیاں لکھ لکھ چٹھیاں"

عکسِ جمیل

یہ ان دنوں کی بات ہے جب راقم وینزویلا ایک یونیورسٹی میں پروفیسر تھا۔ تو پاکستان آنے کے لئے پین۔ایم کی فلائیٹ سے جو کہ کاراکس (وینزویلا کے دارالخلافہ کا نام ہے) سے بحیرہ اوقیانوس سے ہوتی ہوئی نیویارک پہنچتی تھی۔ پھر نیویارک سے پین امریکہ یا کسی اور فلائٹ سے لنڈن، پیرس، فرینکفرٹ، ایمسٹرڈم یا روم سے ہوتے ہوئے کراچی (پاکستان) پہنچ جاتے۔

ایک اور بھی راستہ تھا۔ یہ بحیرالکاہل کے اوپر سے گزرتا تھا۔ گو یہ راستہ پہلے والے راستے سے طویل تھا مگر وینزویلا سے پاکستان پہنچنے کے لئے کرایہ ایک ہی تھا۔

ایک دفعہ میں نے بحیرالکاہل کے راستے سفر کرنے کی ٹھانی۔ تاکہ ٹوکیو، ہانگ کانگ اور بنکاک دیکھتا جاؤں۔ اس ارادے سے میں نے وینزویلا سے پین امریکہ کی ٹکٹ خریدی اور کاراکس سے لاس اینجلس (شمالی امریکہ) پہنچ گیا۔ دوسرے دن پین ایم کی اس فلائٹ پر بیٹھا جو کہ دنیا کے گرد چکر لگانے کے بعد دوبارہ نیویارک پہنچ جاتی ہے۔ (اسی طرح پین امریکہ کی ایک اور فلائٹ ہوا کرتی تھی جو نیویارک سے مغرب کو ہوتی ہوئی براستہ مشرق ٹوکیو پہنچ جاتی اور عازم سفر ہو کر نیویارک جا ٹھہرتی)

ڈیٹ لائن ایک خیالی لائن ہے۔ جس کو ہوائی جہاز میں عبور کرتے ہوئے مغرب کی دنیا اور مشرق کی دنیا کا وقت تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ لائن ہوائی Hawaii سے کوئی تین سو میل دور مشرق کی طرف ہے۔ اس لائن کو عبور کرتے وقت عجیب و غریب فضاؤں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ہوائی جہاز سے باہر دُھند ہی دُھند نظر آتی ہے۔ اور جہاز کو زبردست جھٹکے لگتے ہیں اور جہاز کئی سو فٹ نیچے آ جاتا ہے بعض اوقات یہ جھٹکے اتنے شدید ہوتے ہیں کہ کئی مسافر زخمی بھی ہو جاتے ہیں۔ میرا واسطہ پہلے بھی کئی بار ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہوئے خراب موسم سے پڑا ہے۔ مگر یہ ڈیٹ لائن والا معاملہ کوئی علیحدہ نوعیت کا تھا۔ جب جہاز اس مقام پر پہنچا تو اتنی مصیبت سے پالا پڑا کہ مجھے باور کرنا پڑا کہ اب جہاز بچ نہیں سکے گا۔

اس زندگی اور موت کی کشمکش میں میں کیا دیکھتا ہوں کہ پیر سید رشید الدولہ صاحب اپنے مخصوص سفید لباس میں میرے سامنے آ کھڑے ہوئے ہیں اور زیر لب مسکرا رہے ہیں۔ میرے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لیا۔ اور فرمایا "تسلی رکھو۔ مولا مشکل کشا مدد فرمائیں گے اور صحیح سلامت بچ نکلو گے" جونہی ان کا عکسِ جمیل غائب ہوا۔ جہاز نے بڑے آرام سے ہوا میں تیرنا شروع کر دیا ایسے کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

کاریبی سمندر (Caribbean Sea)

نیویارک سے Maiquetia جو کہ کاراکس کی ایئرپورٹ ہے۔ پہنچنے سے کوئی دو گھنٹے پہلے Caribbean سمندر کے اوپر ایسی ہی فضائی ہلچل پائی جاتی ہے جیسی کہ ڈیٹ لائن کو عبور کرتے وقت مگر اس کے مقابلے میں شدت کم ہوتی ہے۔

ایک دفعہ ہم میاں بیوی پین۔ ایم کی فلائٹ سے نیویارک سے کاراکس جا رہے تھے۔ تو ہمارا جہاز اُوپر والی فضائی ہلچل میں پھنس گیا (خواہ کوئی کتنا ہی ہوائی سفر کرنے کا عادی ہو۔ اس طرح کے

حالات میں ایک دفعہ تو ضرور بدل جاتا ہے) ہم دونوں نے نادِ علی اور قرآنی آیات کا وِرد شروع کر دیا تاکہ خیر و عافیت سے سفر طے ہو جائے ہم نے خوف کے مارے آنکھیں بند کر لیں اور ایک دوسرے کو تسلی دینے کے لئے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ لئے۔ دعائیں جاری تھیں مگر جہاز تھا کہ سنبھلنے ہی نہیں پاتا تھا۔ میں پسینہ میں شرابور ہو گیا۔ جب معاملہ میری برداشت سے باہر ہو گیا تو میں نے دل سے پکارا "اباجی آپ بھی ہماری سلامتی کے لئے دعا فرمادیں" آپ یقین کریں کہ عین اُسی وقت میری پشت پر آکر میری گردن پر ہاتھ رکھا اور فرمایا "اللہ کو یاد کرو۔ مولا مشکل کشا کا نام لو۔ انشاء اللہ مصیبت ٹل جائے گی" میں نے پریشانی کے عالم میں فوراً پیچھے مڑ کر دیکھا۔ نہ تو اباجی تھے اور نہ ہی کوئی اور مسافر۔۔۔

نادِ علی

"نمل" ہم سب حضرت پیر سید رشید الدولہ کی منجھلی صاحب زادی کو کہتے ہیں جن کی شادی خانہ آبادی ماموں زاد جناب نصر الدولہ سے ہوئی۔ وہ بھی وِنزویلا یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔

نمل کے ساتھ برٹش ایرویز سے اسلام آباد سے لندن کے لئے سوار ہوئے جہاں سے دوسری ایرویز VIASA کے ذریعہ وینزویلا جانا تھا۔ جہاز فضا میں بلند ہو کر روانہ ہوا مگر ایران میں فضائی طوفان میں پھنس گیا۔ نمل نے نادِ علی کا وِرد شروع کر دیا اور میں حسبِ دستور اپنے گناہوں سے توبہ کرنے لگا۔ محسوس ہوا جیسے حضرت پیر سید رشید الدولہ نے ہاتھ میرے شانہ پر رکھ کر فرمایا "بیٹا اللہ کو یاد کرو، مولا مُشکل کُشا کو یاد کرو۔ سفر سلامتی سے گزرے گا۔" اور ایسا ہی ہوا۔

درخت کے ایک پتے پر

انگلستان سے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ چھ برس انگلستان میں گزارے پھر تین برس امریکہ میں رہے حضرت پیر سید رشید الدولہ خط لکھتے رہتے تھے بیٹا کن چکروں میں ہو، گھر لوٹ آؤ، چھوڑو پردیس کی نوکری۔ یہیں کوئی کام بن جائے گا۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ کتب خانہ میں بیٹھے ہوئے تھے، سب گھر والوں کو آواز دے کر بلایا۔ فرمایا "نصیر آج آرہا ہے"۔ پوچھا "کیسے پتہ چلا خط پتر، ٹیلی گرام آیا ہے" فرمایا "صحن میں برنے کے درخت کے ایک پتے پر میں نے نصیر کو کھڑے دیکھا ہے۔"

میں پین ایم کی فلائٹ سے کراچی آیا۔ پی آئی اے کی فلائٹ سے لاہور، ٹیکسی لے کر گجرات

پنجاب بس کے نولکھا اڈے پر آیا۔ وہاں لالہ حمید جی گجرات پنجاب بس کے کے اڈے کے منیجر تھے۔ انہوں نے نوکر سے کہا "جاؤ حضرت پیر سید رشید الدولہ کو تار دے دو۔۔۔" پھر اپنے ڈرائیور سائیں سے کہا "انہیں بغیر کسی دیگر مسافر کے بس میں بٹھاؤ اور فوراً گجرات لے جاؤ۔۔۔" اتفاق دیکھئے اہلِ خانہ حضرت پیر سید رشید الدولہ کے کتب خانہ میں پاس کھڑے تھے کہ اٹیچی کیس ہاتھ میں، سر پر ہیٹ، منہ میں پائپ لئے آپہنچا اور گھر پہنچ کر خود ہی ٹیلی گرام وصول کیا۔

بلی کا چادر کھینچنا

دم درود کی بات چلی ہے تو اپنا خیال ہے کہ جناب پیر سید رشید الدولہ بھی دَم جانتے تھے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ بلیوں کی بہت دیکھ بھال کرتے تھے ان کے کھانے پینے کا خیال رکھتے تھے۔ گھر میں ان کا ہجوم رہتا تھا۔ اگر کوئی غلطی سے بھی انہیں دھتکار دیتا تو حضرت پیر سید رشید الدولہ کو سخت گراں گزرتا۔ ایک رات سو رہے تھے کہ ایک بلی حضرت پیر سید رشید الدولہ کی چارپائی پر آن چڑھی اور چادر کھینچ کر زور زور سے میاؤں میاؤں کرنے لگی۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ نے اٹھ کر بلی کو پیار کیا۔۔۔ اس کی بے چین نگاہوں کا تعاقب کیا دیکھا موذی کنڈلی مارے بیٹھا ہے۔ حضرت پیر سید رشید الدولہ اٹھے اور اس پر ایک برتن اوندھا رکھ دیا۔۔۔ صبح اٹھ کر نوکر رحمے سے کہا "اسے مار کر دفن کر دے۔۔۔" جو دم جانتے ہیں انہیں اپنے ہاتھوں سے اسے مارنے کی مناہی ہے۔

ریزۃ الماس

راقم نے حضرت حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کے چند افکارِ عالیہ کو زیرِ عنوان "ریزہ الماس" محفوظ کرنے کی کوشش اس امید پر کی ہے کہ یہ پرانے چراغ شاید ہم میں سے کسی ایک کی آنکھ کے راستے قلب کو نئی روشنی عطا کر سکیں۔ حضرت سلطان باہو علیہ الرحمتہ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

دست مردے گیر تا مردے شوی
جز بمرداں نیست راہِ راہبری

(جواں مردوں کا ہاتھ پکڑ تاکہ تو بھی جوانمرد بن جائے کیونکہ جوانمردوں کے بغیر تیری راہبری ممکن نہیں)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے

يَدُ اللهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِم

ترجمہ:- ان کے ہاتھ کے اوپر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا

بھائی میں نے تجھ میں عیب نہ پایا میں نے تجھے محبت کی نظر سے دیکھا

☆☆☆

فرمایا

ماحول "نااہلاں"

مجلس "ناقصاں"

محبت "بداں"

سب خارجی ہیں۔ انسان کو گھیرے میں لے سکتے ہیں مگر ان سے چھٹکارا پایا جا سکتا ہے۔ یہ انسانی سرشت میں داخل نہیں۔ یہ حالات ہیں۔

پسرِ نوح با بداں بہ نشست
خاندانِ نبوتش گم شد
سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پئے مرداں گرفت مردم شد

☆☆☆

فرمایا

اطاعت و اتباع کے معنی و مطالب میں زمین آسمان کا فرق ہے

اطاعت ۔۔۔ حکم کی تعمیل ہے ۔۔۔ جو بیگانگی ہے

اتباع ۔۔۔ حکم ماننا ہے ۔۔۔ جو یگانگی ہے

اطاعت اعضا و جوارح کے فعل ہیں۔ اتباع قلب، دل اور جذب کے۔

☆☆☆

فرمایا

جو شخص اللہ سے ڈرتا رہے گا۔ خدا اُس کی نجات کی راہ پیدا کر دے گا۔

☆☆☆

فرمایا

جو اپنے اعمال و افعال سے سبق لے گا۔ باکمال ہو گا۔

☆☆☆

فرمایا

انسان کے لئے عبد سے بڑھ کر اور معراج نہیں، انسان کا کل فنا ہو جائے تو نسبتِ عبدیت (جو عبد کی معبود سے مخصوص ہے) قائم ہو سکتی ہے۔

☆☆☆

فرمایا

جب تک کوئی علم کا خواہاں نہ ہو اُسے علم نہ دو۔

اس ضمن میں میاں محمد بخش صاحب نے کیا خوب فرمایا

عاماں بے اخلاصاں اندر خاصاں دی گل کرنی
مٹھی کھیر پکا محمد کُتیاں اَگے دھرنی

☆☆☆

فرمایا

محکمات عوام کے لئے ہیں، متشابہات خواص کے لئے جن پر منجانبِ اللہ علم کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔

☆☆☆

فرمایا

سب سے بڑا رتبہ اُس کا ہے جسے اپنے مرتبہ کا خیال نہیں۔

☆☆☆

فرمایا

ایک روح انسانی ہے

مگر جس کو روح اللہ، روح ربانی یا امرِ رب کہتے ہیں وہ اجسام میں داخل یا خارج ہونے سے منزّہ ہے۔ یہ افہام، عقول اور ادراک و شعور سے برتر اور پاک ہے ... اہلِ تصوّف نے اسے مظہرِ حق یا سرِ

ذات کہا ہے۔

گر نبو دے ذاتِ حق اندر وجود
آب و گِل را کے ملک کر دے سجود

☆☆☆

فرمایا

خدا کو تلاش کیا آسمان پر
اللہ کو نہ پایا ۔۔۔ اللہ نظر نہ آیا
جب اپنے آپ کو تلاش کیا
اللہ کو دیکھا ۔۔۔ اپنا آپ نظر نہ آیا

☆☆☆

فرمایا

فعلِ اِنکار، تکبر ہے جو شیطان کا کام ہے
فعلِ اقرار، سجدہ ہے جو فرشتوں کا کام ہے

☆☆☆

فرمایا

امید و بیم، نفع نقصان کا تعلق نفس سے ہے اگر نفس سے ذات کو خالی کر لیا تو صرف رضائے الٰہی بندے کی صفت بن جائے گی۔ "یہ سن لو کہ اولیا اللہ کو نہ کوئی خوف ہے نہ غم۔"

☆☆☆

فرمایا

غلطی، کوتاہی، گناہ، اِنسانی فطرت و ماہیت میں داخل نہیں ان کا وجود خارجی ہے یہ لاحق ہو جاتی ہیں۔ ان کو دفع کرنا ممکن ہے۔ جب آدمی غلطی، کوتاہی، گناہ سے آزاد ہوا اب وہ زنجیر میں جکڑے جانے کے باوصف آزاد ہے اب وہ کسی فعل کا فاعل نہیں نہ قول کا قائل ہے ۔۔۔ یہی تسلیم و رضا ہے جو عارف کا مقام ہے۔

☆☆☆

فرمایا

اطمینان و سکون بندے کے محبت اور کسب کا ثمر نہیں بلکہ یہ اللہ کی موہبات سے ہے مگر اس کی چند شرائط بھی ہیں۔ طبیعت سے روگردانی تاکہ توجہ الیٰ اللہ ہو سکے۔ اس نکتہ کو سمجھ لیا تو توحید سمجھ میں آجائے گی۔ جب تک دنیا اور آخرت کی فکر کا گزر دل میں ہو گا توحید خالص نہیں ہو سکتی۔

☆☆☆

فرمایا

خود کو خدا کی دوستی کے لئے فارغ کر لے۔ دنیا اور عقبیٰ سے کنارہ کش ہو، دل کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ کر جب تو یہ اوصاف پیدا کر لے گا تو ولی اللہ ہو جائے گا۔

☆☆☆

فرمایا

علم الیقین مجاہدہ، عین الیقین موانست اور حق الیقین مشاہدہ سے ملتا ہے۔

☆☆☆

فرمایا

تدبیر خلافِ تقدیر نہیں۔

چاہیے کہ آدمی نیکی بدی، ہدایت، گمراہی مجملہ حرکات و سکنات قبضۂ قدرت میں دے دے" تو کہہ دے سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے ۔ ۔ ۔ "نیکی، بدی، ہدایت، گمراہی جملہ حرکات و سکنات کو قبضہ قدرت میں دینے کی کوشش تدبیر ہے۔

☆☆☆

فرمایا

معرفت یہ ہے کہ تو جان لے کہ تمامی مخلوق کی حرکات و سکنات اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور ۔ ۔ ۔ کسی شخص کا اس کے حکم کے بغیر اس کے ملک میں کوئی تصرف نہیں ہے۔

☆☆☆

فرمایا

دامنِ شب کردہ از دست کہ این ابرِ سیاہ
در بہ دامنِ خود چشمہ حیواں دارد

☆☆☆

فرمایا

خواص کی عبادت
رویتِ حق ہوتی ہے

ایمانِ کامل موقوف ہے معرفتِ حق پر مسلمان قالی ہے اسے معلوم نہیں نفی کس کی اور اثبات کس کا۔ البتہ مومن حالی ہے اور ۔۔۔

اسرارِ حقیقت را ہر دل نبود قابل
در نیست بہر دریا زر نیست بہر کانے

☆☆☆

فرمایا

ولی ولایت کو ظاہر کرے۔ اور دعوٰی ولایت کرے اس کے حال و مقام کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ شرط یہ ہے یہ اظہار عجز و انکساری کے ساتھ ہو۔

☆☆☆

فرمایا

یاد رکھنا آدمی اپنے اوصاف میں مستعار ہے اس کے لئے اپنی ہستی کا اثبات باعثِ شرم ہی ہو سکتا ہے۔

☆☆☆

فرمایا

اصل ہدایت معرفت ہے اور ۔۔۔ معرفت کا ہادی ۔۔۔ اللہ ہے۔

☆☆☆

فرمایا

اگر ایک شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ اس کی خودی کتنی بلند و بیدار ہے تو اسے اپنے آپ کو غصہ کی حالت میں دیکھنا چاہیے ۰۰۰ غصہ ایک منفی جذبہ ہے جتنی کسی میں غصہ کی برداشت کی عادت ہوگی اتنا ہی اس کا مثبت جذبہ خودی بیدار ہوگا۔

☆☆☆

فرمایا

اطمینانِ قلب، سکوں، بندہ کی محنت اور کسب سے حاصل نہیں ہوتا۔

کرامت و ولایت ہی اللہ کی بخشش ہے بندہ کے کسب پر موقوف نہیں ۰۰۰ بندہ کے کسب بخششِ الٰہی کی علت نہیں، نہ ہو سکتے ہیں۔

☆☆☆

فرمایا

علم یا تو متعلق بجہاں ہے یا متعلق بخدا، جہاں کے علم کو جہاں دانی اور خدا کے علم ہونے کو خدادانی کہتے ہیں۔

جہاندانی میں کسی شے کی کیفیت یا حال کا جاننا علم ہے مگر خدادانی میں علم علم نہیں ہو سکتا۔ علم اس مشعیت کا احاطہ کیسے کرے۔ خدا دانی کی کوئی کیفیت کوئی حال ہو اس کا احاطہ تجربہ حواس، قیاس ۰۰۰ نہیں کر سکتے۔

☆☆☆

فرمایا

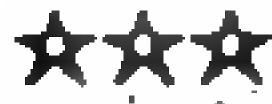
مذہب، آدمی کی ہستی خدائے کریم کی ہستی سے الگ کا قائل ہے۔

البتہ صاحبِ طریقت پر اللہ نُور السمٰوٰت وَالاَرض کا انکشاف ہوتا ہے۔ جہاں دوسرا نہیں رہتا۔

☆☆☆

فرمایا

علم شک سے پیدا ہوتا ہے اور شک کی ضد یقین ہے۔

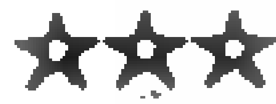


فرمایا

آدمی ہستی کی قید سے چھوٹ گیا ہے تو جو بھی وہ کرے گا گناہ نہیں ۰۰۰ اگر ہستی میں گرفتار ہے تو جو بھی وہ کرے گا نادانی ہے۔

مزید فرمایا

جب ہستی موہوم طالبِ حق کے خیال سے کھل گئی تو لا الہ الا اللہ اس کا حال ہو جاتا ہے۔ اب اسے لا الہ الا اللہ کہنے کی حاجت نہیں ۰۰۰ بلکہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ نہیں سکتا اس سے پھر دوبارہ اس کی ہستی کا اثبات ہو گا جو دوئی ہے یعنی شرک۔

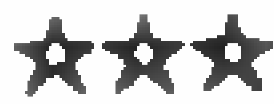


فرمایا

کرامت، طریقت میں چودھویں درجہ پر ہے، اسرارِ علوم اٹھارویں درجہ پر،

کرامت، عبادات کی زیادتی سے حاصل ہوتی ہے۔

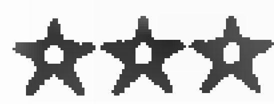
اسرار، غور و فکر کرنے سے نصیب ہوتے ہیں۔



فرمایا

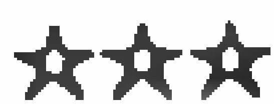
غرور و نخوت، تکبر کا خاتمہ، سجدہ ہے جو باعثِ قربت ہے

"تحقیق ظاہر ہو گیا راہ پانا گم راہی سے، جو کفر کرے سرکش طاغوت سے، ایمان لائے اللہ پر، ضرور اس نے پکڑ رکھا ہے کڑا، مضبوط۔"



فرمایا

جب تیرے نیست اور ہست کرنے میں اُس کو کسی شریک کی ضرورت نہیں تھی۔ تیری تعلیم و تربیت ضروری میں کسی اور کو شریک کرنے کی کیا ضرورت ہے یا ہو سکتی ہے ۰۰۰ لیکن کیا تو ایسا خوش نصیب ہے۔



حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا

وہ جسے چاہیں اپنی طرف کھینچ لیں مگر کھینچتے اسی کو ہیں جو ادھر کھینچنے کا جذبہ رکھے۔

☆☆☆

فرمایا

شریعت ۔۔۔ تُو اس کی عبادت کرے

طریقت ۔۔۔ تُو اس کی طلب کرے

حقیقت ۔۔۔ تُو اس کو دیکھے

☆☆☆

فرمایا

تاوقتیکہ کہ عقل ہے سرِ توحید کو پردے کے اندر رکھنا ہی مناسب ہے ۔۔۔ البتہ شورِ عشق ہوتا ہے، وحشت زور کرتی ہے منہ سے بات نکل جاتی ہے جس کے نتائج معلوم ۔۔۔؟

☆☆☆

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا

عقل کی حد سے پرے مومن کے لئے "لذتِ شوق" بھی ہے ۔۔۔ "نعمتِ دیدار" بھی ہے

☆☆☆

سیر آفاق و الانفس سے متعلق فرمایا

جب تک آدمی کے لطائفِ عشرہ پاک صاف نہیں ہوتے وہ تجلیاتِ ربانی کے لائق نہیں ہوتا۔ عالمِ خلق کے لطائف پاک صاف ہونے کی صورت میں صوفی خواب میں یوں دیکھتا ہے مانند ستارہ یا ناتمام چاند، اور بیرونِ آفاق چاند یا سورج کی طرح ۔۔۔ اسے سیرِ آفاق کہتے ہیں اِس کے بعد وہ سیر الانفس کرتا ہے اور عالمِ امر کے تزکیہ میں مشغول ہوتا ہے۔

☆☆☆

فرمایا

ہر شے مسافر ہر چیز راہی

کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی

ان سے نمونہ لو اور سیدھے راستہ پر چلو۔

☆☆☆

فرمایا

صاحبِ معراج کے لئے چُون و چَرا نہیں کیونکہ اس نے جو دیکھا سو دیکھا۔

☆☆☆

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا

جب محبت بندے کے دل پر غالب آ جائے۔ محبت کی زیادتی اس کی طبیعت، دل و دماغ برداشت کرنے سے عاجز ہو، اس بندہ کا معاملہ کسب و مجاہدہ سے ٹوٹ جاتا ہے اسی درجہ کا نام "جمع" ہے یعنی وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا "مقام" اب کسی شخص سے اُس مقام پر ایسا قول یا فعل ظاہر ہو جس کا اِنسانی نوع سے واسطہ ہو تو اس کا قائل یا فاعل اللہ ہو سکتا ہے۔

☆☆☆

فرمایا

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دِل وا کرے کوئی

☆☆☆

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے حضرت علامہ مشرقی کے حوالے سے فرمایا

تقدیر بھی قانون بھی، منطق بھی یہی یکسر
ہر شے بجز انسان، کو بتا رہی ہے رہ اپنی

☆☆☆

فرمایا

گویائی اللہ کی نعمتوں میں سے بڑی نعمت ہے۔ آدمی گویائی کے باعث چیزوں اور جانوروں اور دیگر خدائی مخلوق سے الگ افضل و اعلیٰ ہے۔ زبان یا قوتِ گویائی کی حد درجہ حفاظت و احتیاط ضروری ہے۔

☆☆☆

فرمایا

کلام اس کا حق پر ہے تو پھر اس کا بیان چپ رہنے سے بہتر ہے مگر کلام کرنے کی شرط لازمی یہ ہے کہ حق کے سوا کچھ نہ کہا جائے۔

☆☆☆

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا

بلا اور تکلیف مومن کے جسم و جان پر خدا کی طرف سے آتی ہے یہ بھی نعمتیں ہیں ان پر صبر سے بڑا ثواب ہے۔

☆☆☆

فرمایا

عبادت اپنی شناخت کا آلہ ہے مَنْ عَرَفَ نفسہٗ فقد عرف ربہٗ۔

معرفت کے بعد عبادت شرک ہے۔ معرفت کے مقام پر سوائے خدا کے کوئی باقی نہیں رہتا اب شعور عبادت "دوئی" ہو جو عارفوں کے نزدیک شرک ہے۔ مَنْ عَرَفَ اللہ لاٗ یقولُ اللہ جب اس نے اللہ کہا اس نے خدا کو نہیں پہچانا۔۔۔ "اور عبادت کر اپنے رب کی یہاں تک کہ آ جائے تجھ کو یقین یعنی موت ارادی یا غیر ارادی"

☆☆☆

فرمایا

اس نے سب چیزوں کو دو رُخ پر تخلیق کیا۔ امثال کے دونوں رخ ملیں تو وجود بنتا ہے ایک روح دوسرا جسم۔ دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں۔

☆☆☆

فرمایا

شریعت بندہ کے اختیار کی چیز ہے

حقیقت عطیہ الٰہی ہے۔

☆☆☆

فرمایا

ہیچ آئینہ دِگر آہن نشد

ہیچ نانے گندم خرمن نشد

آئینہ ضرور ہے صیقل ہو جائے تو مثلِ آہن تاریک بے نور نہیں ہو سکتا۔ جب روٹی پک گئی تو آٹا اور گیہوں کے دانے نہیں ہو سکتی۰۰۰ اسی لئے جو فنافی اللہ ہوا کبھی مردود نہیں ہوتا۔ چیزیں مدارجِ کمال طے کرنے کے بعد تنزل نہیں کرتیں۔

☆☆☆

فرمایا

اہلِ دنیا سے جنگ و پیکار چھوڑ دو۰۰۰ تسلیم و رضا اختیار کرو۔

جو درجہِ فنا حاصل کر لیتا ہے وہ دارِ شرود کی آلودگیوں سے سلامتی میں رہتا ہے۔

☆☆☆

فرمایا

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے بوسیلہ تسبیح نجات پاتے ہیں۔ تسبیح استعدادِ فطری روزِ الست کی نشانی ہے۔

☆☆☆

فرمایا

آدمی اپنی جسمانیت کے اعتبار سے حد درجہ کثیف ہے۰۰۰ مگر بہ اعتبارِ روحانیت انتہائی لطیف ہے۔ اب وہ جس طرف مڑے گا اسی رنگ میں رنگا جائے گا۰۰۰

توجہ جسم و جان سے ہٹانا، اپنے سے منہ موڑنا ہے یہ تولی ہے۰۰۰ توجہ کا رخ خارج سے داخل کی طرف موڑنا سلی ہے۔

☆☆☆

فرمایا

جب تک بندہ اپنا آپ نہ کھوئے راہ پر نہیں آتا۰۰۰ پھر جو راہ پر آیا وہ بھٹکتا نہیں۔ ؂

کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلہ مانیست

☆☆☆

فرمایا

رانجھن نوں میں گالیاں دیواں من وچ کراں دعاداں
رانجھن تے میں اکو مکو لوکاں نوں آزماداں

☆☆☆

فرمایا

تجھے دو قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑے گا

۱۔ دوست ۲۔ دشمن

دوست وہ ہے جس سے نقصان نہ پہنچے نفع ہو۔

دشمن وہ ہے جس سے نقصان پہنچے فائدہ نہ ہو تیرا۔

☆☆☆

فرمایا

تیرا دشمن تیرے گھر میں ہے جب تک تو اس سے بے خبر ہے نقصان اٹھائے گا۔

تیرا دوست تیرے گھر میں ہے جب تک تو اس سے بے خبر ہے کوئی نفع نہیں اٹھائے گا۔

☆☆☆

فرمایا

دوست

کتبِ سماوی میں خدائے برتر، ماں باپ اور اپنا آپ دوست بتلایا گیا ہے۔ اپنا آپ جب اپنا تن روح سے آشنا ہو

دشمن

شیطان۔ راندہ درگاہِ الٰہی

☆☆☆

حضرت سائیں کرم الٰہی سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرمایا

کوے میں کئی خوبیاں ہیں ... ظاہر و باطن ایک ہے منافق نہیں۔ گھونسلا سوکھی ٹہنیوں سے

بناتا ہے درخت کو نقصان نہیں پہنچاتا گھونسلا پاک ہوتا ہے ٹہنی چونچ سے گر جائے اسے نہیں اٹھاتا۔

☆☆☆

فرمایا

روح۔ امرِ حق ہے جسے خدا جانتا ہے۔
قلب۔ گنجِ معرفت، لطائفِ غیبیہ کی جگہ ہے۔
جمال۔ در من گم شدن
سر۔ بر سرِ کونین پشت پا زدن

☆☆☆

فرمایا

علمِ غیب یا لدنی، عقل سے آگے کا علم ہے جس کو چاہے وہ علمِ غیب کی توفیقات عطا کرے۔ اُسی نے آدم کو علمِ اسماء عطا فرمایا تھا۔ یہ علم ع

نے ز راہِ دفتر و نے قیل و قال

☆☆☆

فرمایا

اَلانسانُ بیتُ الرحمان
(ایہہ تن رب سچے دا حجرا)

تُو صورت ہے آئینہ ہم
(جس کا گھر ہے وہی بتائے اس میں رہنے والا کون)

☆☆☆

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے ہم نشینوں سے دریافت فرمایا
اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا۔ خدائے کریم تو صورت و شکل سے مبرا ہے پھر اس کا مطلب ۔ ۔ ۔ ؟؟؟

☆☆☆

فرمایا

تدبر کرنے پر اللہ کے کلام میں تضاد نہیں۔

☆☆☆

فرمایا

یقین پیدا کر۔

یہی عین فطرت ہے اور ع

اپنی موج سے بے گانہ رہ سکتا نہیں دریا

اسی لئے سقراط نے کہا تھا۔ گناہ جہالت کا کام ہے۔ معلوم ہو کام غلط ہے تو اسے نہیں کیا جائے گا۔

☆☆☆

فرمایا

علم اس لئے ہوتا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ جس نے عمر صرف حصولِ علم میں گنوادی وہ عمل کب کرے گا۔ جب علم و عمل کے دونوں دروازے بند کر دیئے جائیں گے؟

☆☆☆

فرمایا

کسی شے سے پناہ نہ مانگو اس کے شر سے پناہ مانگو۔۔۔ پانی نعمت ہے سیلاب اس کا شر ہے۔

☆☆☆

فرمایا

علمِ جہاں دانی ہے۔۔۔ کسی شے کی کیفیت یا حال جاننا۔ شے کا احاطہ کرنا

گلزارِ ہست و بود نہ بیگانہ وار دیکھ
ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ

علم خدادانی ہے

اللہ احاطہ سے باہر ہے پس خدادانی میں علم یہ ہے کہ کچھ علم نہیں کچھ اتہ پتہ نہیں

خلق بہ تو مصروف تو غائب زمیانہ

☆☆☆

فرمایا

کہیتے ہو مفید، مضر، اچھا، برا، خیر و شر یہ الفاظ جدا جدا امتیازی معنی میں استعمال کرتے ہیں نگاہِ حقیقت شناس کے لئے یہ دونوں مضاف الیہ کی دو اضافتیں ہیں . . .

☆☆☆

فرمایا

مرنے سے پہلے مرنے کی ایک شرط ہے
کہ اپنے نفس کو صفاتِ مذمومہ سے فارغ کریں

☆☆☆

فرمایا

دیکھ قدرت کے کھیل
دیکھ قدرت کے کھیل
آپے دیا آپے باتی
آپے لاٹ آپے تیل

آپے چاند سا ہو دکھاوے
آپے کرے اندھیر
آپے دیا جلا کے دیکھے
آپے کرے اندھیر

☆☆☆

فرمایا

علم زر طلبی کا ذریعہ نہیں۔

☆☆☆

فرمایا

جو تھا چھپا ہوا ظاہر ہوا
حق تھا حق سے ظاہر ہوا

باطن سے الست بربکم۔ سنانے والا اندر
ظاہر سے قالو بلیٰ۔ سننے والا باہر
کس نے سنا، صاحبِ امر نے
کس نے سنا، صاحبِ خلق نے
گھر والا بولا، گھر والے کے کان نے سنا

☆☆☆

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا

اگر تو چاہے کہ مولا کریم کا راستہ پائے تو نہ زمین نہ آسمان پر ملے گا۔ اپنے دل کے گرد پھر ۰۰۰ پالے گا۔

اور

پھر ایک آیہ مبارکہ کا حوالہ دیا "جو کوئی اس دنیا میں اندھا ہے آخرت میں بھی اندھا ہو گا" (پ ۱۵، ر ۸)

☆☆☆

فرمایا

محتاج سے مت مانگو وہ محتاج ہے
اس سے مانگو جس کا وہ محتاج ہے

☆☆☆

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا

شہادت کے معنی اللہ کے راستہ سے رکاوٹیں دور کرنا ہے۔ کفر و کفار رکاوٹیں ہیں جن کی حیثیت خارجی یا غیر کی ہے مگر رکاوٹ خود اپنی ذات بھی ہے ۰۰۰ بہر حال جہاد واجب ہے ۰۰۰ خود کے خلاف جہاد میں بھی کفر کا بت بہر حال توڑنا ہو گا جس سے اس کے ساتھ غیریت یا دوئی ختم

ہوگی۔۔۔یوں کلمہ شہادت تک رسائی ممکن ہے۔۔۔یہی توحید کے معنی ہیں۔

☆☆☆

فرمایا

جب تو خود کو جان پہچان لیتا ہے تو تیری نسبت کچھ کہا جائے یا کیا جائے تجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

☆☆☆

فرمایا

الف ایہہ تن رب سچے دا حجرہ وچ پا فقیرا جھاتی ہو
ناں کر منت خواج خضر دی تیرے اندر آب حیاتی ہو

تن۔۔۔جسم و جان۔۔۔فانی۔اندر۔۔۔من، روح، امرِ رب۔۔۔باقی آبِ حیات مل جانے تو موت نہیں آتی مگر۔۔۔خواجہ خضر علیہ السلام کی مِنّت کیسی۔

☆☆☆

فرمایا

سقبلِ عالم ذات خدا
باطن اللہ خالق جان
اللہ بعد ظہور اشیار
ظاہرست مخلوق پچھان

☆☆☆

فرمایا

روایتوں کی کثرت سے علم نہیں آتا علم ایک نور ہے جو دل پر اترتا ہے۔

☆☆☆

فرمایا

علم ہے پیدا سوال
عشق ہے پنہاں جواب

باہر کی بات میں، علم خلق و مخلوق ہے اندر کی بات ۔۔۔ علمِ الٰہی ہے۔ اسی لئے چشمِ کشا کی شرط کے ساتھ چشم بند، گوش بند و لب بند کی شرط ہے۔

چشم بند و گوش بند و لب ببند
چوں نہ بینی سر حق بر من بخند

☆☆☆

فرمایا

علمِ تصوف اس علم کا نام ہے جو دلوں میں اس وقت ظہور پذیر ہوتا ہے جب کتاب و سنت پر عمل سے دل منور ہو جاتا ہے۔ ہر صوفی فقیہ ہے مگر ہر فقیہ صوفی نہیں۔

☆☆☆

فرمایا

علم کا آغاز، جستجو ہے بعدہ، اس پر عمل کرنا بعدہ، خاموشی بعدہ، نظارہ

☆☆☆

فرمایا

کب تک لوگوں کو ڈھونڈتا رہے گا۔ جا اپنے آپ کو تلاش کر ۔۔۔ اور جب اپنے آپ کو پالے تو اس کی نگہبانی کر۔

☆☆☆

فرمایا

کفار۔ اندھیرے میں رہنے والے جاہل۔
قرآن میں ہے جاہلوں سے اعراض کرو۔
جاہل ۔۔۔

سقراط کو زہر کا پیالہ پلا دیتے ہیں
یوسف جیسے بھائی کو دغا دیتے ہیں

☆☆☆

فرمایا

آدمی اس وقت تک اہلِ علم سے نہیں ہوتا جب تک اس پر کُھل نہ جائے کہ اپنے اوپر والوں پر حسد نہ چاہیے اور نیچے والوں سے حقارت۔

☆☆☆

فرمایا

جس عبادت میں علم نہ ہو اس میں نیکی نہیں۔ جس علم میں سمجھ نہ ہو اس میں خوبی نہیں۔

☆☆☆

فرمایا

علم آدمی کے لئے ضروری ہے ۔۔۔ وہ انجان، بے علم، جاہل ہے۔ والدین، پاکیزہ ماحول، بزرگ ہستیوں کی صحبت انبیائے کرام کی ہدایت سے راہِ حق ملتی ہے۔ اسے شریعت کہتے ہیں۔ اس کی مثال دودھ کی مثال ہے۔ جب تک دودھ نہیں مکھن کہاں سے آئے۔ یہ علمِ خلق ہے ۔۔۔ یہی زمین سے آسمان کی طرف لے جاتا ہے مگر ۔۔۔ یہی آسان سے مشکل کی طرف لے جاتا ہے ۔۔۔ مگر یہ راہ طے ہو جائے تو علمِ خلق رکھنے والا عالمِ خلق ہو جاتا ہے ۔۔۔ آسان سے مشکل کی طرف سفر سے مطلب ہے جو کچھ نظر آتا ہے سے اس کی طرف سفر جو نظر نہیں آتا ۔۔۔ سفر کی شرطِ اوّل یومِنُونَ بِالْغیب ہے جس کے بعد سفر آسان ہو گا۔

☆☆☆

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے چند سربستہ راز علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو تعلیم کئے فرمایا "یہ راز ہیں بجز طالبِ صادق کے کسی پر ظاہر نہ کرنا۔"

☆☆☆

فرمایا

خواطر و تصورات، تخمِ نباتات کی طرح سے ہیں ان میں سے کچھ تخم سعادت اور کچھ تخم شقاوت ہیں۔

☆☆☆

فرمایا

انسان قدرے مختار ہے قدرے مجبور مگر جب اسی ہستی تک جا پہنچا جو کاملاً مختار ہے تو وہ بھی زندانِ جبر سے آزاد ہو جاتا ہے۔

ایک بزرگ کے حوالے سے فرمایا

تمہاری ہستی بذاتِ خود ایسا گناہ ہے جس کے ہوتے ہوئے دوسرے گناہ کا قیاس عبث ہے۔

☆☆☆

فرمایا

علمِ دین جانے بغیر عابد و زاہد، خراس کے گدھے کی مانند ہے وہ کتنا ہی گھومے مگر وہیں رہتا ہے، راستہ طے نہیں کرتا۔

☆☆☆

فرمایا

سب خلقِ خدا، اللہ، اللہ پڑھتی ہے مگر ان کے وجود میں اسمِ اللہ کا اثر، تاثیر نہیں۔ نہ انہیں کوئی نفع پہنچتا ہے نہ اطمینان ۔۔۔ وجہ یہ ہے کہ وہ اسمِ ذات کی ماہیتِ کنہ، خاصیت نہیں جانتے۔

ہر کہ داند اسمِ اللہ کامل است

☆☆☆

فرمایا

ایمان بندہ کا فعل ہوتا ہے مگر خدا کی ہدایت کے مطابق بندہ کا نہیں، بندہ کے خدا کا ہوتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے "اے رسول تو نے کنکریاں نہیں پھینکیں ہم نے پھینکی ہیں" ۔۔۔

☆☆☆

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا

اپنے عزیز وقت کو سوائے عزیز چیزوں کے ضائع مت کرو ۔۔۔ اور بندہ کی تمام عزیز چیزوں میں سب عزیز بندہ کا فعل ہے۔

☆☆☆

حضرت پیر سید رشید اللہ دولہ نے فرمایا

الست بربکم ۰۰۰ کس نے کہا ۰۰۰ رب نے

قالو بلیٰ ۰۰۰ کس نے کہا ۰۰۰ امرِ رب نے

کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے کہا آپ نے سنا

☆☆☆

حضرت پیر سید رشید اللہ دولہ نے فرمایا امر حق ہے جسے صرف خدا جانتا ہے

قلب، گنجِ معرفت ہے

علم، راستہ دِکھلاتا ہے

عقل، تیل ہے جس سے دل و دماغ کا قندیل روشن ہوتا ہے۔

حال کے معنی حق میں گم ہو جانے کے ہیں۔

☆☆☆

فرمایا

اسرارِ کائنات میں سب سے بڑا اسرار روح ہے جس کا اس راز سے رابطہ ہو جائے اس کی زندگی میں صبر و شکر اطمینان سکوں میسر آ جائے گا۔

☆☆☆

فرمایا

کتاب میں ہے اپنے بھولنے کا اقرار کرو

اپنی نادانی کا اقرار کرو

اپنی مرضی کا انکار کرو

اسی سے وہ نتیجہ سامنے آئے گا جو اس دعا کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔

اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ

یوں نماز توحید میں اترتی ہے ۰۰۰ نفی و اثبات دو اس کے لئے ضروری ہیں لا الہ الا اللہ

☆☆☆

نسبتِ اویسیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا

اس نسبت کا فیضان مخفی طور پر اولیائے سابقین کی روحوں کے واسطے سے ہوتا ہے۔ ظاہری مرشد کی ضرورت نہیں رہتی اب آدمی کو تلمیذ الرحمان کہہ سکتے ہیں جو فنافی اللہ ۔ غرقِ توحید ہے اسے معرفت اور معیت یعنی خدا ہمارے ساتھ ہے ۔۔۔ دونوں حاصل ہیں۔ اس کی ابتدا اور انتہا یہ ہے کہ انسان کو ذاتِ حق کے ہونے اور اپنے نہ ہونے کی خبر ہو جائے۔

☆☆☆

فرمایا

اپنی حقیقت کو پالے ورنہ ریاضتیں عبادتیں ایسا چکر ہیں جن سے رہائی ممکن نہیں ہوگی۔

☆☆☆

فرمایا

انسان کے پیدا ہونے کے بعد نظر خلق پر پڑی نہ کہ خالق پر، مکان پر پڑی نہ کہ مکین پر، کثافت پر پڑی نہ کہ لطافت پر، بت پر پڑی جسم پر، نہ کہ جان و روح پر

بہرحال نظر

کثرت پر پڑی نہ کہ وحدت پر ۔۔۔ اب جو فروعات (کثرت) میں کھو گیا وہ کھو گیا۔ درخت کو دیکھنے سے فائدہ۔ جڑ دیکھو، جس نے اصل کو دیکھنے کی کوشش کی وہی صلاح وہی فلاح کی راہ پر ہے ۔۔۔ توقف کے بعد

☆☆☆

فرمایا

حاضر یعنی آدمی کے اعضا جوارح کام کرتے ہیں مگر ان سے کام کرانے والی طاقت جو اصل ہے غائب ہے اسے ڈھونڈو مگر اس کی پہچان کیسے ہو۔ روح، لطافت، نور کی پہچان کیسے ہو۔ جواب یہ ہے کہ یہ سب سوال اسی سے کرو جو روح، لطافت اور نور کا منبع ہے ۔۔۔ جواب مل جائے تو علمِ خلق، علمِ خالق ہو جائے گا۔ اس کے لئے ضروری ہے اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تو اسی ذریعہ سے خالق سے خلق کا تعلق و رابطہ ہو سکتا ہے۔

☆☆☆

فرمایا

انسان میں فطری طور پر ضرورت احتیاج اور خواہش ہے ۰۰۰ سعی و کوشش بھی انسان کے لئے فطری ہے ۰۰۰ آدمی عالمِ شہود میں خود نہیں آتا۔ بھیجا جاتا ہے۔ وہاں کسی کی نہیں چلتی اختیار اس مختارِ حقیقی کا ہے ۰۰۰ انسان چاہے تو سعی و تدبیر و کوشش کو ضرورتِ احتیاج خواہشاتِ ذاتی پوری کرنے میں صرف کرے ۰۰۰ اس صورت میں اُس کا رشتہ اُس مختارِ مطلق سے کٹ جائے گا کیونکہ انسان اپنی مرضی کا مالک ہو گا ۰۰۰ ایک امانت خدائے تعالیٰ نے اپنی تمامی مخلوقات پر پیش کی تھی سب نے اسے اٹھانے سے معذرت کی آدمی نے اسے قبول کیا اور ظلوماً، جهولاً بنا ۰۰۰ امانت کے تقاضے ہوتے ہیں۔ پہلا تقاضہ یہی ہے کہ سعی، کوشش کا محور و مقصد کا اختیار اسی مختارِ کل اور مختارِ مطلق پر چھوڑ دیا جائے۔ یہی صحیح علم ہے یہی صحیح عمل۔ صحیح علم جہالت نہیں نہ ظلم ہے اور صحیح عمل صحیح علم سے صادر ہو گا اب انسان نہ ظالم رہے گا نہ جاہل۔

☆☆☆

فرمایا

بارگاہِ خداوندی میں انسانی علم کی انتہا یہ ہے کہ انسان کو ذاتِ حق کے ہونے اور اپنے نہ ہونے کی خبر ہو جائے۔

☆☆☆

فرمایا

علم، دل تک پہنچا تو دل کی آنکھ کھلی، دل نے حق و باطل کو دیکھا۔ ہدایت و گمراہی میں امتیاز کیا اور پھر اللہ نہ کسی کی ذرہ بھر نیکی ضائع کرے گا نہ ذرہ بھر بدی سے چشم پوشی کرے گا۔

☆☆☆

فرمایا

دل کی صفائی صرف ذکرِ الٰہی سے ہوتی ہے جو اُس کی حفاظت کا بندوبست بھی ہے۔
ذکرِ الٰہی سے شیطان قریب نہیں پھٹک سکتا یہ نوری ہے اور شیطان ناری ہے۔

☆☆☆

فرمایا

مومن کا دل خدا کی دو انگلیوں، جلال و جمال کے درمیان ہے۔

☆☆☆

فرمایا

جس پر خواہشوں کا غلبہ ہوا اس کے لئے لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کا ذکر نافع ہے جس نے خواہشوں سے چھٹکارا پایا اس کے لئے اللہ کا ذکر مفید ہے۔

☆☆☆

فرمایا

طہارت جو ردیائے صادقہ کا ثمر ہے وہ طہارت ہے، جو خواہشاتِ نفسانی، حُبِ دُنیا، کدورت، کینہ و حسد کی نجاستوں سے پاک رکھتی ہے۔

☆☆☆

فرمایا

حضرت علی ابنِ ابی طالب کے حوالے سے فرزندان گرامی حضرت حسنینؓ سے وصیت یاد دلائی

"اے حسنؓ و حسینؓ تم ہیں تمہارا خدا تمہارے لئے کافی ہے"

☆☆☆

فرمایا

قال ... شریعت

حال ... طریقت

توکل و رضا ... حقیقت

غضب

پوچھا

کیا نہ کھانا بہتر ہے

فرمایا

حرام

پوچھا

مقصد کس کو کہتے ہیں

فرمایا

وحدتِ حقیقی میں پہنچنا

پوچھا

کیا دینا بہتر ہے

فرمایا

طعام

پوچھا

کیا نہ دینا بہتر ہے

فرمایا

دشنام

پوچھا

کیا کھانا بہتر ہے

حلال

☆☆☆

غائتِ آدم سے متعلق فرمایا

آدمی دید است باقی پوست است
دید آں باشد کہ دید دوست است

دید سے مراد نظر، پوست سے مراد خبر ہے۔ خبر شرع ہے اور نظر حقیقت۔

☆☆☆

فرمایا

عبادت ۰۰۰ اپنی شناخت کا آلہ ہے، عبادت سے آئینہ دل کو صاف کرو، یوں معرفتِ نفس حاصل ہوگی اور جس نے اپنے نفس کو جانا اس نے اپنے خدا کو پہچانا

☆☆☆

فرمایا

علم کا دشمن تکبر ہے اور عقل کا دشمن غصہ

ورع خوف کی نشانی ہے اور خوف خداشناسی کی علامت ہے۔۔۔ معرفت قربتِ حق کی دلیل ہے۔

☆☆☆

حضرت بلھے شاہ کے حوالہ سے فرمایا

نہ کجھ کڈھیا نہ کجھ پایا نکل گیا دسواسہ
تے میتوں کھڑ کھڑ آوے ہاسہ

☆☆☆

فرمایا

غیر اللہ ۔۔۔ باہر ہے، بے ضرر درجہ چھوٹا ہے۔ اس کا فنا کرنا آسان مگر غیر اندر بھی ہے ۔۔۔ بے ضرور، درجہ اس کا اونچا درجہ ہے، اس کا فنا کرنا آسان نہیں ۔۔۔ جہاد بالسیف جہاد اصغر جہاد بالنفس جہاد اکبر ہے۔

☆☆☆

حضرت حکیم الامتؒ کے حوالے سے فرمایا

نفی ہستی اِک کرشمہ ہے دلِ آگاہ کا
لا کے دریا میں نہاں موتی ہے الا اللہ کا

☆☆☆

حضرت اقبالؒ کے حوالے سے فرمایا

دریں خاکدان ما گوہر زندگی گم است
ایں گوہرے کہ گم شدہ مائیم کہ اوست؟

☆☆☆

فرمایا

دل بدست آور کا مطلب ہے دل کو ڈھونڈ، یہی جائے ظہور ہے جسے تجلیاتِ الٰہی کا ورود تبدیل کر دیتا ہے۔ دل پر اس کا قبضہ ہو تو دل اللہ کی تجلیات کا مرکز بنا۔ یوں مرکزِ ہدایت کا پتہ لِ گیا۔۔۔ اور حجِ اکبر کیا ہے۔

دریں خاکدان ما گوہرے زندگی گم است
دیں گوہرے کہ گم شدہ مائیم یا کہ اوست؟

★★★

فرمایا

چہ فہمیدی کہ انکار کر دی
چہ دیدی کہ اقرار کر دی

فرمایا

انکار سمجھ کر کیا جاتا ہے۔۔۔ اور اقرار دیکھ کر ہوتا ہے۔

★★★

فرمایا

سامنے جو ہے وہ اور ہے پردے کے پیچھے اور ہے
ایسے فریب و جل کو حق کہتے ہوئے بقا کہاں

★★★

فرمایا

(۱)

شریعت

لباس

اتباع

عبادت ہے، شریعت اقوالی ہے

(۲)

طریقت

جسم

انقطاع

ترک ہے، طریقت افعالی ہے

حقیقت (۳)

روح

اطلاع

وصال ہے، حقیقت احوالی ہے

معرفت (۴)

ذاتِ حق

متاع

کمال ہے، معرفت اسراری ہے

☆☆☆

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا

یہ ۰۰۰ علمی نکتہ پیش نظر رہے

▪علم التحقیق

صرف سننے تک

▪عین الیقین

صرف دیکھنے تک

▪حق الیقین

سننا آپ کا نکلا

دیکھنا آپ کا نکلا

سب کچھ آپ کا نکلا، دوسرے کا وجود نہیں تھا۔ صرف آپ کی ذات، صفات میں، آثار میں اعمال میں ظہور پذیر تھی ۰۰ ایک تھا دوسرا نہ تھا۔ مانند فرعات کثرت میں وحدت۔

☆☆☆

فرمایا

تمام مواقع حالات میں اچھائی برائی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ کسی بات پر کبیدہ خاطر نہیں ہونا چاہیے۔ عقل ضعیف ہے حواس تمہارے حقائق اشیا کا ادراک نہیں کر سکتے تمہیں اچھائی برائی کیا معلوم۔۔۔ ورنہ

ارسال رسل و تنزیلِ وحی کی کیا ضرورت تھی۔

☆☆☆

فرمایا

عبادت، مجاہدہ سے انسان پر اپنے اوصاف و کمالات ظاہر ہو جاتے ہیں

شرع وچ عبادت لازم جان
حقیقت دے وچ شرک پچھان

☆☆☆

فرمایا

آدم، ربوبیت و انصاف، صفاتِ الہیہ کے اعتبار سے عالم کے لئے حق ہے۔۔۔ اور مربوبیت و عبدیت کے اعتبار سے خلق، یعنی بہ اعتبارِ روح حق اور بہ اعتبارِ جسم و صورت خلق

☆☆☆

فرمایا

جب تک ہم کسی چیز کی طرف یقین کے ساتھ متوجہ نہیں ہوتے ہم اسے دیکھ سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں۔

☆☆☆

فرمایا

اپنی ہستی کا اثبات درد ہے اس کی دوا نہیں۔ یہ شرک ہے۔۔۔ ذات تو ایک واحد ہی ہے جس کا اثبات بھی ضروری ہے۔۔۔ اپنی ہستی کی نفی کر کے اس کی ذات میں فنا ہوں۔ یہ اثباتِ حق ہے تو درد بھی ہے اور دوا بھی۔

☆☆☆

فرمایا

اگر خلق کو وجودِ حقیقی مان لیا جائے تو یہ دو حال سے خالی نہیں

۱۔ یہ عین حق ہے۔ ۲۔ یہ غیر حق ہے۔

یہ عین حق ہو گا تو یہ ایک نقطہ ہے بے وجود، غیر حق یہ محال عقلی ہے۔ اس لئے کوئی وجود سوائے عین حق کے نہیں ہو سکتا۔

☆☆☆

فرمایا

سمجھ لے ذکر الٰہی ضروری ہے جیسے موت ضروری ہے۔

تیری استعدادِ فطری کا یونس مچھلی کے پیٹ میں پڑا ایک رہا ہے اس قید خانہ سے اس کی نجات کے لئے تسبیح کے سوا چارہ نہیں۔

☆☆☆

فرمایا

عالم کو علمِ روایت ہوتا ہے جو لوگوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اپنی ذات سے قائم ہوتا ہے۔ یہ کسبی ہے۔

عارف کو علمِ ہدایت خدائے تعالیٰ سے ملتا ہے۔ ذاتِ خداوندی سے قائم ہوتا ہے۔ یہ وہبی ہے۔

☆☆☆

فرمایا

اے عزیز جان لے کہ اللہ غیب ہے اور ایسے میں اس کی معرفت آدمی کے وجود میں غیب ہے ذکرِ خفی بھی وجود میں غیب ہے اور نورِ اللہ کے انوار بھی وجود میں غیب ہیں اور ۰۰۰ اللہ کی ہدایت بھی وجود میں غیب ہے۔

☆☆☆

فرمایا

راہِ حق اور حق میں فرق یہ ہے کہ راہِ حق بندے کے لئے ہے اور حق بندہ کا خدا ہے جب تجھے جدائی کا خیال آئے "سجدہ کر اور قریب ہو جا"۔

☆☆☆

فرمایا

عبرت و بیداری از یزداں طلب
نہ از کتاب و از قال و حرفِ لب

☆☆☆

فرمایا

جب بندہ کا اختیار اپنے معاملہ سے اٹھ جائے گا تو پھر وہ جو کرے گا عمدہ ہو گا۔

☆☆☆

فرمایا

انسان کے خیالات پاک پاکیزہ ہیں تو اُسے ہر وقت طاقت حاصل ہوتی رہتی ہے۔
روٹی اور پانی غیر جنس کے باوصف ہمارے جسم کا حصہ بن سکتے ہیں اسی طرح ہمارے پاکیزہ خیالات اور اعمال و روح کا حصہ بن سکتے ہیں۔

☆☆☆

فرمایا

دنیا کی مصیبتوں کا تین چوتھائی زبان کا پیدا کردہ ہے اور اس کے ماخذ طعام و کلام۔

☆☆☆

فرمایا

محتاجی ہمیشہ باعثِ فخر ہے مرادات پر نہ پہنچنے والا ہاتھ پرہیز گاری پر قائم رہتا ہے۔
مال داری لائقِ پسند نہیں۔ مال سے مقدور کے باعث صبر رخصت ہو جاتا ہے۔ خواہشات بڑھتی ہیں یہی فساد کی جڑ ہیں۔

☆☆☆

فرمایا

سجدہ کا حکم اللہ کا تھا سب نوری اور ناری مخلوق کے لئے، جس نے سجدہ نہ کیا راندہ درگاہ ہوا ۔ ابلیس سجدہ سے انکاری تکبر کے باعث ہوا جب تو سجدہ کرے گا تو خود کو غرور سے عاری پائے

گا۔ یوں تجھے خدا کی راہ ملے گی، اس راہ پر چل کر (سجدے کے بعد) تیری ذات نہ رہی۔ تیرے اعمال تیرے نہ رہے تیرا کچھ نہ رہا سب اُس کا ہو گیا۔ اب بندہ بندۂ خدا ہوا جسے انعامات سے نوازا جائے گا جن کے لئے فرمایا گیا "جو دیا۔۔۔ دیا"

☆☆☆

فرمایا

ہیچ کس را تا نگر دد در فنا
نیست رہ در بارگاہِ کبریا

کسی شخص کو جو نیستی سے متصف نہ ہو بارگاہِ کبریا تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔

چیست معراجِ فلک و ایں نیستی
عاشقاں را مذہب و دیں نیستی

معراجِ فلک قربِ حق سے عبارت ہے۔ یہی نیستی ہے مگر یہ فنا بقا بھی ہے۔

☆☆☆

فرمایا

فقر سے مراد صاحبِ معرفت ہوتا ہے اولیا اللہ تلمیذ الرحمان ہیں۔ "اور اسے ہم نے اپنے پاس سے علم سکھلایا"۔

☆☆☆

پوچھا

وحدت سے کثرت میں کیوں آیا؟

فرمایا

ربوبیت ظاہر کرنے کے لئے

("میں پوشیدہ خزانہ تھا پس چاہا میں نے کہ پہچانا جاؤں پس پیدا کیا میں نے خلقت کو")

☆☆☆

فرمایا

میرا پیا، مجھ میں بسے جیوں پھولن ماں باس

دور کہوں تو دور ہے پاس کہوں تو پاس

☆☆☆

فرمایا

جان چہ باشد، باخبر از خیر و شر

شاد با احسان و گریاں در ضرر

باخبر ہونے سے مراد صرف علم نہیں بلکہ علم سے متاثر ہو کر اس پر عمل کرنا اور اس کے حال متصف سے ہونا عارف کی شان ہے۔

ادراک فی نفسہٖ مقصود نہیں بلکہ اپنی غائیت کے لئے مقصود ہے اسی لئے کہا گیا۔

جان اول مظہر درگاہ بشد

جان جاں خود مظہر اللہ شد

☆☆☆

فرمایا

میں اپنا آپ پچھاناں

میرا ہووے تاں میں جاناں

☆☆☆

فرمایا خدا اور انسان کے درمیاں ایک حجاب ہے جسے نفس کہتے ہیں۔

☆☆☆

فرمایا

تمام طبائع، اللہ کی نعمتوں سے اندھی ہوتی ہیں تو طبیعت سے اعراض کر۔ تیری توجہ الی اللہ ہو سکتی ہے جب تو اپنی طبیعت کی خرابی اور اس کے علاج سے باخبر ہو جائے گا تو سمجھ لے توحید کو سمجھ لے گا۔

☆☆☆

فرمایا

جس طرح بقائے خلق ایک امر اعتباری ہے نہ کہ حقیقی اسی طرح اس کی فنا بھی خیالی ہے نہ کہ

اصلی ۔۔۔ جس کا وجود ثابت نہیں اس کی فنا کیا اور بقا کیا۔

★★★

فرمایا

جو عارف باللہ ساتھ حق کے ہیں وہ خاموش ہیں یعنی جس نے اپنے رب کو پہچان لیا اس کی زبان گنگ ہو گئی۔

★★★

فرمایا

علامتِ عرفاں، اعتراضات سے دور رہنا ہے۔ عیب جوئی جہالت ہے۔

★★★

فرمایا

تدبیر کو یوں جانو ع

بر توکل زانوے اشتر بہ بند

★★★

فرمایا

جو آدمی خارجی دنیا میں جتنا مستغرق ہوتا ہے اس کے نقطۂ ذات کی روشنیاں اتنی ہی ضائع ہوتی جاتی ہیں۔

★★★

فرمایا

تصوف یہ ہے کہ اللہ تجھے تیرے نفس سے مارے اور اپنے ساتھ زندہ کرے۔

★★★

فرمایا

غیب پر ایمان والے کو بہتری کا یقین ہوتا ہے ۔۔۔ غیب رحیم و کریم کے ہاتھ میں ہے۔

★★★

فرمایا

جب تو نے اپنے آپ سے منہ موڑ لیا، تو سارے جہاں سے منہ موڑ لیا۔۔۔ خلقت تیری الٰہی تقدیر سے ہے مگر پیدائش کے بعد تیرا کام تجھی پر موقوف ہے۔

☆☆☆

فرمایا

اپنی ذات میں جملہ صفات کا ظہور ذاتِ حق کی طرف سے تصور کریں۔۔۔ یہی راہِ حقیقت ہے۔

☆☆☆

فرمایا

جاننا چاہیے، تقویٰ پرہیز گاری، عمل پوشیدہ و بے ریا ہے۔ عمل نیک و صالح کو کہتے ہیں جس سے بندہ کو اپنے خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

☆☆☆

فرمایا

عبد کے معنی ہیں مقید ہونا پس جو جس کا مقید ہو گا وہی اس کا معبود ہے۔

☆☆☆

فرمایا

گر ترا چشم ست بکشا در نگر
بعد لا آخر چہ می ماند اگر
دم بخود در آب ذکر و صبر کن
تا وہی از فکر و وسواس کہن

چپ رہنے سے خیالات، پسند و ناپسند ذاتی کو راہ نہیں ملتی دل ان سے خالی ہوا تو اس کی طرف متوجہ ہو گا۔ جس سے اسی کی پسند، و ناپسند اسی کے خیالات اظہار پائیں گے۔ یہ کسشِ ضمائر اور دائرہ خواطر کا طریقہ ہے۔

☆☆☆

حضرت پیر سید رشید الدولہ نے فرمایا

کبھی دوستوں میں بیٹھ کر کسی دشمن کی بات نہ کرنا۔ دشمن ایک بھی کافی ہے اور دوست سو بھی کم ۔۔۔ خاص خیال رکھنا کہیں تم اپنے دشمن آپ تو نہیں۔

☆☆☆

فرمایا

پانی، پانی کرنے سے پیاس نہیں بجھتی۔ بھوک سے بے تاب ہو کر روٹی روٹی کہنے سے بھوک نہیں مٹتی۔ پیاس اور بھوک بذاتِ خود اور چیز ہیں اور پانی اور روٹی لفظ ہیں۔

سونا سونا کرنے سے جھولی سونے سے بھر نہیں جاتی۔

اسم را خوانی مسمیٰ هم بجو

بے مسمیٰ اسم سے باشد نکو

لا الہ الا اللہ کے معنی و مطالب پر غور فکر کرنا چاہیے۔ ان الفاظ کے ورد کو چہ حقیقت سے بے خبر رہنے کے مترادف ہے۔

☆☆☆

فرمایا

اللہ کی معرفت اس کے احکام کی تعمیل یعنی اس پر عمل سے حاصل ہوتی ہے۔

☆☆☆

فرمایا

تیرا حسن تیرا عشق دونوں ایک آتش ہیں

ایک رخ پر عیاں کر دی ایک دل میں نہاں کر دی۔

☆☆☆

فرمایا

اے درویش جس جسم میں تاثیر اسمِ اللہ ہوتی ہے وہ کسی وبال میں گرفتار نہیں ہوتا ۔۔۔ وہی ولی اللہ ہے۔

☆☆☆

فرمایا

اسی لئے حکم ہوا جس نے نفس کو پاک کر دیا وہی کامیاب ہوا۔

☆☆☆

فرمایا

ذکرِ الٰہی کے لئے دل و دماغ کا فارغ ہونا بہت ضروری ہے۔

☆☆☆

فرمایا

حلال روزی کا علم اللہ کی معرفت ہوتا ہے۔

☆☆☆

فرمایا

ہر شے کی اصل اللہ ہے اُس سے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر شے اللہ کے ساتھ "اصل" ہو سکتی ہے۔

☆☆☆

فرمایا

باطن الہ، خالق جان
ظاہر کل، مخلوق پہچان

☆☆☆

فرمایا

صرف علم کی باتوں سے دل کی کثافت دور نہیں ہو سکتی۔ اللہ کے ذکر سے دل کی کثافتوں کو دور کر۔

☆☆☆

فرمایا

حلال کھا اور راست گوئی اختیار کر۔ تاکہ معرفتِ حق کی راہ اختیار کر سکے۔ جان لے توکل اور توحید ملے ہوئے ہیں۔



فرمایا

توحید۔ معرفتِ الٰہی۔ فقر، علمِ قلب ہے۔ اسے حکمت بھی کہا گیا ہے۔
حکمت کے معنی ہیں راز جاننا یا بھید کھولنا۔ اس علم سے رازِ انسانی اور سرِ سبحانی کھلتے ہیں۔



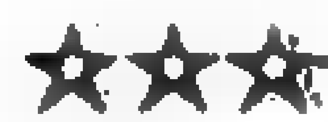
فرمایا

انتہائے شریعت آغازِ تصوف ہے اور انتہائے تصوف فنا فی اللہ۔



فرمایا

حلال روزی دل کو اللہ کے قریب کرتی ہے۔



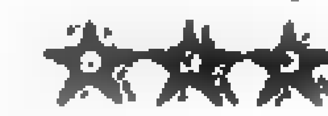
فرمایا

دنیا جہان کا تمام دکھ، درد، وحشت صرف غیر اللہ کو دیکھنے میں ہے۔



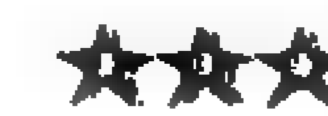
فرمایا

حرم و دیر کے جھگڑے تیرے چھپنے سے ہیں اگر ۔۔۔ تو پردہ اٹھا دے تو تو ہی تو ہے ۔۔۔ دوسرا کون، جہاں تو ہے۔



فرمایا

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فقر اختیار کیا ہے یا مسکین رکھنا اور دعا فرمائی الٰہی دنیا میں مسکین رکھنا اور حشر میں مسکینوں کے ساتھ اٹھانا۔



فرمایا

مطلب یہ کہ جان جس کا تعلق تدبیر و تصرفِ جسم سے ہے درگاہ کا مظہر ہے مگر جانِ جاں جو متصف

کمالات ہو اللہ کا مظہر ہے۔

جانِ اول، مطلق روحِ انسانی ہے جس کا تعلق تدبیر و تصرفِ جسم سے ہوتا ہے اس کو اصطلاح صوفیہ میں ولادتِ اول کہتے ہیں۔ جانِ جاں سے مراد روحِ اِنسانی علوم و معارف سے متصف ہے یہ ولادتِ ثانیہ ہے۔

سلسلۂ نسب

حکیم پیر سید رشید الدولہؒ صاحب

حضرت شاہدولہؒ دریائی گجراتی کی زندگی کے بارے میں ہمارے پاس جو معلومات ہیں اُن میں سے اکثر تحقیق طلب ہیں۔ جہاں ان کے نام، سلسلہ طریقت تاریخ پیدائش و وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے وہاں ان کے آباؤ اجداد اور سلسلہ نسب کے متعلق بھی ہماری معلومات چند مفروضات پر مبنی ہیں۔

منیر سلیچ صاحب اگرچہ پیشے کے لحاظ سے ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں مگر وہ ادب سے گہرا لگاؤ رکھتے ہیں۔ ایم اے اُردو اور پنجابی بھی ہیں۔ گجرات کی تاریخ سے اچھی طرح واقف ہیں۔ حضرت شاہدولہؒ کے شجرہ نسب کے سلسلے میں انہوں نے ایک بہت بڑی غلطی کی نشاندہی کی۔ اُن کی تحقیق کے مطابق اصل صورتِ حال کچھ یوں ہے۔

عبداللہ خویشگی قصوری (جو آپ کا ہمعصر تھا) نے آپ کے خاندان کے حوالے سے اپنی کتاب "معارج الولایت" میں لکھا کہ "دراصل از قوم افغاناں بود" مگر کوئی ثبوت یا شجرہ نسب فراہم نہ کیا۔

اس کتاب سے استفادہ کرنے والے تمام تذکرہ نگاروں نے بھی آپ کو افغان یا لودھی بتایا۔

جناب شریف کنجاہی صاحب نے آپ کے لودھی ہونے کی روایت سے اختلاف کیا اور آپ کو "سید" ثابت کرنے کی اپنی سی کوشش کی مگر بات مفروضے کی حد سے آگے نہ بڑھ سکی۔

آپ کو "گجر" اور قریشی برادری کا فرد بھی لکھا گیا مگر یہاں بھی کسی شجرہ نسب کو ضروری نہ سمجھا گیا۔

ڈاکٹر احمد حسین قریشی قلعداری نے اپنی کتاب (قلمی) "تذکرہ حضرت شاہدولہ دریائی گجراتی" (تصنیف ۱۹۸۳ء) میں آپ کو سید ثابت کیا ہے اور ساتھ حضرت علیؓ تک شجرہ نسب بھی فراہم کیا ہے۔ مگر اس شجرے میں شاہدولہؒ کو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے چچا (ابو سعید) کا بیٹا ثابت کرتے ہوئے وہ

بھول گئے کہ شیخ عبدالقادرؒ اور آپ (شاہدولہؒ) کے درمیان پوری پانچ صدیوں کا فاصلہ ہے۔

یہی شجرہ پیرزادگان میں سے بعض کے پاس ہے جو سراسر انسانی ذہن کی تخلیق ہے یوں حضرت شاہدولہؒ کے سلسلہ نسب کے متعلق ہمارا علم چند مفروضوں سے آگے نہیں بڑھ پاتا۔ "پیرزادگان شاہدولہ" خود کو حضرت شاہدولہ کی اولاد سمجھتے ہیں اور خود کو زمانہ قدیم سے سید لکھتے چلے آرہے ہیں۔ لہٰذا ہم نے اسی روایت پر اکتفار کرتے ہوئے پیر رشید الدولہ صاحب کو سید لکھا ہے۔

پیر سید رشید الدولہ صاحب، حضرت شاہدولہؒ کے صاحبزادے پیر بہادن شاہ کی ساتویں پشت میں سے تھے۔ سلسلہ نسب یوں ہے۔

پیر سید رشید الدولہ بن سید حافظ گلاب شاہ بن سید امام شاہ بن سید حسن شاہ بن سید منور شاہ بن سید فیض اللہ شاہ بن سید قائم شاہ بن سید بہادن شاہ (تفصیل کے لئے شجرہ نسب ملاحظہ ہو)

قارئین کی معلومات کے لئے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ جن محترم شخصیات کا ذکر خاص طور پر جدید کرامت نامہ میں کیا گیا ہے ان کا تعلق حضرت پیر سید رشید الدولہ صاحب سے واضح کرتا چلوں۔

پیر سید حافظ گلاب شاہ صاحب کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں (ایک بیٹی جس کا نام خدیجہ خانم تھا کم عمری میں ہی فوت ہو گئیں تھیں) سب سے بڑے بیٹے پیر سید عزیز الدولہ "آغا صاحب" اس کے بعد منجھلے بیٹے پیر سید حافظ امین الدولہ صاحب تھے۔ اور سب سے چھوٹے بیٹے حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب تھے۔ دوسری بیٹی زبیدہ خانم جو کہ حکیم سید رشید الدولہ صاحب سے عمر میں بڑی تھیں۔ راقم کی والدہ ماجدہ تھیں۔ حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کی شادی ماموں زاد بہن امتل بتول سے ہوئی جو کہ آپ کے سب سے بڑے بھائی کی بیوہ تھیں۔ اور آغا صاحب سے ان کی بیٹی خالدہ خانم ہیں جو باحیات ہیں۔

پیر سید مقبول شاہ صاحب حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کی بیگم کے ماموں تھے۔ آپ کے تین بیٹے پیر فضل حسین فضل (ہند و پاک کے مشہور پنجابی شاعر) پیر سید شبیر حسین، پیر سید خادم حسین اور ایک بیٹی سکینہ بی بی تھیں اس خاتون (سکینہ بی بی) کی شادی پیر غلام عباس صاحب (گجرات کے مشہور ہیڈ ماسٹر) سے ہوئی تھی۔ اور اس کے بطن سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کی شادی پیر سید خادم حسین صاحب کے بیٹے پیر سید عبداللہ شاہ، جو کہ باحیات ہیں سے ہوئی۔

حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کی ایک خالہ ڈنگہ شہر میں سید حیدر شاہ کے عقد میں تھیں۔ آپ

کے بڑے بیٹے کا نام سید خورشید حسین شاہ اور چھوٹے کا نام سید غلام شبیر شاہ تھا اور ایک بیٹی سردار بی بی تھیں جن کی شادی لالہ موسیٰ میں ایک سید زادے سے ہوئی۔ یہ تمام رشتہ دار حکیم پیر سید رشید الدولہ کے دیوان خانے میں کئی کئی مہینے رہتے تھے۔ حکیم پیر سید رشید الدولہ انہیں اپنے سے جدا نہ ہونے دیتے۔ سید خورشید حسین شاہ صاحب اسی دیوان خانہ میں فوت ہوئے۔ اور پھر بعد میں ڈنگہ ان کے آبائی گاؤں دفنایا گیا۔ سردار بی بی اسی دیوان خانہ میں بیمار ہوئی۔ کافی علاج معالجہ کے باوجود صحت یاب نہ ہو سکیں اور یہاں ہی فوت ہوئیں۔ حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کی شدید خواہش تھی کہ انہیں یہاں ہی اپنے آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیا جائے۔ مگر ان کے بیٹے نے ضد کی اور اپنی والدہ کی میت کو لالہ موسیٰ لے جا کر دفن کر دیا۔

حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کے ماموں کا نام پیر سید فضل حسین "ممبر صاحب" ۔۔۔ تھا۔ آپ کے بیٹے پیر سید غلام عباس شاہ صاحب، پیر سید غلام حیدر شاہ صاحب، پیر سید غلام مرتضیٰ شاہ صاحب، پیر سید مظفر حسین شاہ اور ایک بیٹی اصل بتول تھیں۔

حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کی والدہ ماجدہ کا نام فضل نور تھا۔ اور آپ کے ایک ماموں جو کہ قاضی صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ سوہدرہ میں رہائش پذیر تھے۔ جو جنات کا عامل ہونے کی وجہ سے قرب و جوار میں کافی مشہور تھے۔

حکیم پیر سید رشید الدولہ کے تایا زاد بھائی پیر سید فرزند الدولہ، پیر سید صفدر شاہ، پیر سید فیروز شاہ اور دو بہنیں جن میں ایک کا نام خورشید بیگم تھا۔

خورشید بیگم کے دو بیٹے پیر سید نذیر الدولہ صاحب اور پیر سید بشیر الدولہ صاحب تھے۔ حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کی ہمشیرہ، زبیدہ خانم کی شادی پیر سید نذیر الدولہ صاحب سے ہوئی۔ جو کہ راقم کے والد ہیں۔ راقم کی شادی حکیم پیر سید رشید الدولہ صاحب کی بڑی بیٹی فرخ جمشید سے ہوئی۔ اور پیر صاحب کی منجھلی بیٹی فرخ سعیدہ "نمل" کی شادی پیر سید رشید الدولہ صاحب کے بڑے بھائی پیر سید حافظ امین الدولہ کے اکلوتے بیٹے نصر الدولہ سے ہوئی اور پیر صاحب کی سب سے چھوٹی بیٹی کوکب ذرّیں کی شادی خانہ آبادی ڈاکٹر سید صادق حسین نقوی سے قرار پائی۔ ان تین بہنوں کا ایک ہی بڑا بھائی حکیم پیر سید عزیز الدولہ ارشد عُرف عام جن پیر کے نام سے مشہور تھا۔

جن پیر کے تین بیٹے ظہیر الدولہ "شالی"، فرید الدولہ "نومی" اور مظہر الدولہ "خرم" ہیں اس

طرح چار بیٹیاں نیرہ منیر (جن کی شادی پروفیسر سید حامد حسن صاحب کے صاحب زادے منیر حسین سے ہوئی ہے) دوسری بیٹی عظمیٰ شازی کی شادی خانہ آبادی نصر الدولہ کے بڑے بیٹے نصر امین سے ہوئی ہے تیسری بیٹی وجیہہ عزیز اور چوتھی بیٹی مبشرہ عزیز ہیں۔

سلسلۂ نسب

حضرت سید کبیر الدین شاہدولہ دریائی گجراتیؒ

حضرت سید بہادن شاہ

سید کرم شاہ | سید حیات شاہ | سید قائم شاہ | سید عزت شاہ | سید مراد شاہ (برادران)

سید فیض اللہ شاہ

سید منور شاہ

سید حسن شاہ | سید محمد شاہ

سید امام شاہ | سید پیر ملک شاہ

حافظ سید گلاب شاہ | سید لعل شاہ | پیر فیض حسین | پیر فضل حسین

عزیز الدولہ | حافظ امین الدولہ | حکیم پیر سید رشید الدولہ | سید نذیر الدولہ | سید بشیر الدولہ

پروفیسر نصر الدولہ | پروفیسر ڈاکٹر پیر نصیر الدولہ

حکیم پیر عزیز الدولہ (جن پیر) | مظہر علی (عمر چار سال) | آندریس عقیل نصیر جمشید

نصر امین شازی الدولہ | عدیل انور الدولہ | ظہیر الدولہ شالی | فرید الدولہ لوی | مظہر الدولہ خرم

محمد حماد علی

جدید کرامت نامہ

ایک مردِ قلندر کی داستانِ حیات

پروفیسر ڈاکٹر پیر سید نصیر الدولہ

غازیہ پبلشرز ○ گجرات